احسن الاَسفَار

A Travel Journal of Farah

{Afghanistan}

قدیم ادوار پر مشتمل سفر فرہ مبارک در افغانستان

1923 سے 2005 تک سفر افغانستان کی روئداد

ترتیب و نشر

4.Point Digital

ISBN.978-91-909030-3-5

اَحْسَنُ الْاَسْفَارْ

ذرائع :زائرِمصنفین، رسائل وکتب۔
سنہ اشاعت : 2011 / 12
تعداد : ۱۰۰۰
کمپوزنگ : 4.Point Digital
طباعت : S.M.Printers-Chatta Bazar-HYD
9849473217/ 9885214979
قیمت : -/150روپیہ
ناشر : 4.Point Digital
ملنے کا پتہ : 4.POINT DIGITAL،صوبیدار امیر علی خان روڈ، چنچل گوڑہ۔
حیدرآباد(500024(A.P
سیدنورمحمد SAN کمپیوٹرنئی سڑک،حیدرآباد۔ **9959912642**

Publisher

4.Point Digital

ID-N-909030-Category 5b

ISBN 978-81-909030-35

16-4-710,Sobedar Ameer Ali Khan Road,Chanchalgud

HYDERABAD-500024 (A.P) INDIA

فہرستِ ابواب

1۔عرضِ مرتب	وحید اشرف	5
2۔افغانستان اور فرہ	محمد داؤد علی خاں	9
3۔امامنا کا سفرفرہ مبارک	شواہد الولایت سے	29
4۔سفرنامہ فرہ مبارک	جناب محمد علی خاں صاحب جالوزئی	46
5۔خیرالاسفار	حضرت ابوالحمید سید محمود صاحبؒ سکندر آبادی	120
6۔سفرفرہ	حضرت محمد بہادر خاںؒ بہادر یار جنگ	180
7۔احوال فرہ مبارک	مرکزی انجمن مہدویہ	184
8۔سفرفرہ	جناب سید محمود ہمنا آبادی	194
9۔سفرنامہ فرہ مبارک	فقیر سید یعقوب روشن یداللّٰہی	210

انتساب

اُن زائر مصنفین اور مدیرانِ رسائل کے نام،
جن کی نگارشات اور روئداد ، جو بہ شکلِ کتب
اور ہمارے قومی رسالوں جیسے نورِحیات
، نورِولایت اور فضیلت میں قبل اس مجموعۂ
''احسن الاسفار'' کے شائع ہو چکی ہیں۔ یہ
تصانیف ایک جگہ جمع ہوکر تاریخی
دستاویز کی شکل میں آپ کو غرقِ ورطۂ
حیرت کرتی ہیں۔

وحید اشرف۔ عرضِ مرتب

آپ کے زیرِ مطالعہ آنے والی یہ کتاب جو کئی پہلوؤں سے 'سفر ناموں میں' ایک انوکھا اضافہ ہے۔گو کہ یہ بھی' فرہ مبارک {افغانستان} کے مختلف ادوار میں ہونے والے اسفار کا مجموعہ ہے لیکن اس میں خوبی یہ ہے کہ جس ملک کا ذکر ہے' پہلے اس ملک کی تاریخ' وہاں کے لوگ' موسم' اور جغرافیائی' سماجی' سیاسی' استعماری حالات اور جنگی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ چنانچہ سب سے پہلا''باب''اسی سے متعلق ہے۔ جناب داؤد علی خاں صاحب علی زئی نے اس میں شامل ان تمام پہلوؤں کو بڑی خوبی اور محنت و باریک بینی سے جمع کیا ہے۔اسطرح اس میں آپ کی دلچسپی آخری حدتک برقرار رہے گی۔

پہلا سفر نامہ فرہ مبارک افغانستان ۱۳۴۱ ہجری مطابق ۱۹۲۳ء میں باضابطہ پریس میں شائع ہوا۔اس سفر نامہ کے مصنف جناب محمد علی خاں صاحب (گُتہ دار) جالوزئی مرحوم تھے۔ اس سفر نامہ کے ناشر اول جناب محمد حسین خاں صاحب حسین زئی' جب کہ اس کتاب کے آرٹسٹ جناب سردار خاں صاحب حسین زئی تھے۔ یہ کتاب مطبع نظام دکن واقع رِسیڈنسی بازار (Rsidency Bazar) حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی۔ دوسری بار اس کتاب کا ایک نسخہ جناب محمود الحسن خاں صاحب فی ابنِ حضرت نعمت اللہ خاں صاحب صوفیؒ سے لے کر ۱۴۲۷ ہجری مطابق ۲۰۰۶ء میں علیس بکس اینڈ پبلشر نے شائع کیا جو اب 4.Point Digital کے نام سے موسوم ہے۔اس حساب یہ سے سفر نامہ فرہ مبارک تیسری مرتبہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ ایک نہایت تفصیلی سفر نامہ ہے جس میں قبل اس سفر کے گزشتہ اسفار کی کچھ تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں۔زبان نہایت سلیس ہے۔

اس سفر کو من وعن شائع کیا گیا ہے قرأت میں سہولت کے لئے بعض املاجات میں' موجودہ

اردو زبان کے تحت تصحیح کی گئی ہے جیسے اُوس سے اُس' کھو کو کہو' کھنا سے کہنا' کھی سے کہی' مونہ سے مُنہ' یھ سے یہ' پھلا سے پہلا۔ اسی طرح دو جگہ نہ سے نہیں کیا گیا۔

اس سفر نامہ سے جغرافیائی حالات میں تغیر اور روضہ مبارک میں معمولی ترمیم اور اضافہ کا پتہ چلتا ہے گو کہ روضہ مبارک کی حالت گزشتہ پانچ سو سال سے بعینہٖ ۱۴۲۷ہجری ۲۰۰۶ءتک ویسی ہی تھی۔ اس کی تعمیر نو کے لئے ایک سو سال پر محیط کوششوں کا ذکر مختلف سفر ناموں میں ملتا ہے۔ اس ضمن میں کئی کمیٹیاں بھی بنیں لیکن اس سے آگے کوئی قدم نہیں بڑھا۔ کوئی بھی کام اُس وقت تک تکمیل نہیں پاتا جب تک اُس کو شروع نہیں کر دیا جاتا کسی کام کے لئے جیسے ہی ایک قدم اٹھایا دوسرا قدم از خود اٹھ جاتا ہے۔ یہ عمل کی ایک خود اختیاری کیفیت ہے۔ قوم کے ایک صاحبِ خیر نے جو قبیلۂ افغان سے ہیں ۲۰۰۶ء میں روضۂ مبارک کی جدید تعمیر و ترمیم کی ہے۔

دوسرے دور کا سفر ۸/ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ' مطابق 15/ اگست 1937ء روز یکشنبہ، ضبطِ تحریر میں آنے والے پہلے سفر کے پندرہ سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ ''خیر الاسفار'' کے نام سے اس سفر کی روئداد حضرت سید محمود صاحبؒ مرحوم' سکندر آبادی نے لکھی، جس کو ادارہ اشاعت مدرسہ شمسیہ چنچل گوڑہ نے تین سال بعد، ۱۳۶۰ہجری مطابق ۱۹۴۰ء شائع کیا۔ اس سفر نامہ میں نئی بات یا حالات میں کوئی زیادہ تغیر نہیں پایا گیا بجز اس کے ہلمند ندی کو پار کرنے کا طریقہ کار بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے کہ کس طرح ندی میں کشتیوں کو آپس میں جوڑ کر پل بنا جاتا ہے۔ اسی ندی کے کنارے مزدوروں کا، ندی کی رمل (ریت) میں گڑھے کھود کر چولھا بنانا اور اسی ندی سے نکلے گول اور چکنے پتھروں پر روٹی کے پکانے کا طریقہ لکھا ہے۔ یہ ایک دلچسپ سفر نامہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک رود (ندی) کے کنارے کئی لاشوں کا پایا جانے' اور بعد ازاں' ان کے دفن کا بیان بڑا اسحر انگیز ہے۔ اس کے علاوہ ایک عاشق و محبوب جوڑے کے مزارات کا بھی ذکر اس میں ہے۔ اس سفر نامہ کا قاری اپنے آپ کو اس قافلہ میں شریک پاتا ہے۔

تیسرا سفر ۱۹۴۰ء میں حضرت محمد بہادر خاں صاحبؒ بہادر یار جنگ کا ہے۔ یہ ایران کے راستہ براہ مشہد فرہ میں داخل ہوئے۔ گوکہ یہ نہایت مختصر ہے مگر جامع معلومات سے پُر ہے۔

چوتھا سفر مورخہ ۱۹۷۸ء کا، مرکزی انجمن مہدویہ کی طرف سے کیا جانے والا سفر ہے۔

پانچویں دور کا سفر جو ۱۳۹۸ ہجری مطابق ۱۹۷۸ء میں واقع ہوا، اس کی روئداد، جناب سید محمود صاحب ابنِ حضرت سید سعداللہ صاحب ہمنا آبادی، نے حضرت سرانداز خاں صاحبؒ غڑے زئی کی یادداشت کو آپ کے شکریہ کے ساتھ قلم بند کیا۔ یہ روئداد تین قسطوں میں ماہنامہ فضیلت مورخہ اگست رسپٹمبر راکٹوبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔

اسی طرح چھٹا سفر مورخہ ۱۴۲۶ ہجری مطابق ۲۰۰۵ء، کا بیان فقیر سید یعقوب روشن ید للّٰہی صاحب نے کیا ہے۔ افغانستان میں اکیسویں صدی میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں اور بڑی استعماری طاقتوں کے درمیان، اس علاقہ پر بالادستی کی حولناک جنگ کے دوران، انتہائی نامساعد حالات اور غیر ملکیوں کی جان و مال کی حفاظت میں عدم استحکام کے باوجود افغانستان کے دور دراز صوبہ فرہ کا سفر کرنے کا خیال ہی از خود ایک خواب سے کم نہیں۔ ایسے حالات میں کوئی بھی ذی فہم شخص وہاں کا سفر کرنے سے گریز ہی کرے گا۔ لیکن جہاں جذبۂ محبت ہو، کامل توکل ہو، جان و مال کی قربانی کے لئے فرد از خود بخوشی تیار ہو تو یہ رکاوٹیں اور تکالیف، جان اور مال کے زیاں کا خوف کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آج کے دور میں، حمل ونقل اور اتصالات کے سائینسی اور تیز رفتار ذرائع ہونے کے باوجود ایک ایسے خطہ میں سفر کرنا جو ہر روز کئی بڑی طاقتوں کا میدانِ کارزار بنا رہتا ہے، یہ مہدی موعود علیہ السلام کی محبت کی کشش ہے جو اپنوں کو کھینچ کر لے جاتی ہے۔ جہاں ان سفر ناموں سے ہم کو وقتاً فوقتاً' سفر میں ہونے والی تکالیف اور صعوبتوں کا حال ملتا ہے وہیں زائرین کی امامنا علیہ السلام سے اٹوٹ وابستگی، محبت اور آرام گہہِ مقام، فرہ کے شوقِ دید کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ان نامساعد حالات اور

عصری جنگ لڑی جانے والی سرزمین پر ہمارے قافلوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔۲۰۰۵ء کے بعد سے اب تک یہاں کا سفر جاری ہے۔دبئی متحدہ عرب امارات سے بھی ایک بڑا قافلہ امامنا علیہ السلام کی زیارت کے شرف سے مشرف ہوا ہے۔۲۰۰۹ء میں بھی حضرت مہدی علیہ السلام کی قدمبوسی سے اعزاز وفیض حاصل کرنے کی غرض سے ایک بڑا قافلہ حیدرآباد، گجرات او راجستھان سے' فرہ مبارک ہو آیا ہے۔جنگ زدہ افغانستان کے پُر آشوب اور ناسازگار حالات کے باوجود فرہ کے سفر کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

محمد داؤد علی خاں صاحب علی زئی ۔
(بی اے، ایل ایل بی علیگ)

افغانستان اور فرہ

محل وقوع اور جغرافیہ: افغانستان وسط ایشاء کا ملک ہے اس کے شمال مشرق، مشرق اور جنوب میں پاکستان کا علاقہ ہے۔ بالکلیہ شمال میں سویت یونین روس کے زیر اثر تاجکستان، ازبکستان اور ترکمنستان کے علاقے ہیں۔ مغرب میں ملک ایران ہے۔ شمال مشرق کے ایک بالکل مختصر علاقہ میں واقان کی جانب چین سے بھی سرحد ملتی ہے۔ اس کا موجودہ رقبہ یورپ کے ملک فرانس سے بڑا ہے۔ اور اندازاً ڈھائی لاکھ مربع میل ہے۔

افغانستان کے موجودہ حدود میں ایک شہر فرہ نام کا بھی ہے۔ افغانستان کے مغربی حصہ میں غور کی بلندیوں سے رودِ فرہ نکلتی ہے۔ اور اسی پر یہ شہر قدیم سے آباد ہے۔ ایران کی سرحد یہاں سے قریب ہے۔ اندازاً ۶۰ میل کی دوری پر یہ سرحد ہے۔ فرہ کے مشرق میں شہر قندھار ہے اور اس کے شمال میں شہر ہرات ہے۔ ہرات کو ''کلیدِ ہند'' بھی کہا جاتا ہے۔ قندھار سے ۴۰۰ میل لمبی شاہراہ ہرات جاتی ہے اور یہ فرہ سے ہوکر گذرتی ہے۔ ۱۹۲۸ء میں جب شاہ امان اللہ خاں دورۂ یورپ سے براہِ مشہد وطن واپس آئے تو ہرات تا قندھار اس شاہراہ کی تعمیرِ نو کی گئی تھی۔

قندھار سے جانب مغرب گرشک اور دلارام سے، فرہ تقریباً (۲۶۰) میل پر ہے اور اگر ہرات سے جانب جنوب سفر کریں تو (۱۴۰) میل کے فاصلہ پر سبزہ دار سے گذرتے ہوئے فرہ ملتا ہے۔

فرہ اس جانب کے علاقہ کی حکومت کے انتظامیہ کا صدر مقام بھی ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی (۲۴۶۰) فٹ ہے۔ جبکہ قندھار کی بلندی (۳۵۰۰) فٹ اور ہرات کی بلندی

(۳۰۰۰) فٹ ہے۔فرہ کے بالکلیہ مشرق میں زمینداور کا علاقہ ہے اور قدرے شمال مشرق میں ہزارہ جات ہے۔ ہزارہ جات میں کافی تعداد میں اہل تشیع آباد ہیں۔ سبزہ دار، فرہ اور قندھار کے علاقوں میں ایرانی اثرات کا پایا جانا تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ سرحدِ ایران سے قریب ہے۔

فرہ کے جنوب میں سیستان کا علاقہ ہے جو افغانستان اور ایران دونوں میں منقسم ہے۔ سیستان وقندھار کے درمیان جنوب مغرب میں بے آب وگیاہ دشتِ مرگ' کا ریگستانی علاقہ ہے۔ فرہ کے قرب وجوار میں پانی کی افراط ہے۔ اور یہ اچھا زرخیز علاقہ ہے۔ سکندر مقدونی کے حملہ کے بعد قدیم تواریخ یونان جو لکھی گئی ہیں اور اس میں ایران وافغانستان ایک ہی علاقے بتلائے گئے ہیں۔ اور اس مجموعی علاقہ کا نام ''آریانہ'' لکھا گیا ہے۔ یونانیوں نے آریانہ کی تقسیم میں ''**خراسمیه**'' ''**باختریا**'' ''**پارتھے ا**'' اور ''**کرمانیه**'' کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ فرہ کے اطراف واکناف کے علاقے ہیں بعد کے مورخین نے ہرات اور فرہ کے جانب کے علاقے کو ''**خراسان**'' لکھا ہے۔

سکندر مقدونی مشہد سے ہوتے ہوئے ہرات آیا اور قندھار کی طرف جب بڑھا تو فرہ پر بھی قابض ہوا۔ یونانی تحریرات میں بھی فرہ کا ذکر موجود ہے البتہ انہوں نے اس کو اپنی زبان میں ''پراہ'' لکھا ہے اور بعینہ درۂ خیبر کے آفریدیوں کو ''آپروتئ'' لکھا ہے۔ فرہ کوئی جدید شہر نہیں بلکہ ایک قدیم بستی ہے۔ سیاسی اور فوجی اعتبار سے اس کو ''ہرات خورد'' کہنا بے جا نہ ہوگا۔

کابل کے شمال میں برف پوش پہاڑوں کے درمیان ''بامیان'' میں بدھسٹ مذہب کے غار وآثارِ قدیمہ ہیں جو ایک عجوبۂ روزگار ہیں۔ اسی طرح دشت مرگ کے ویرانوں میں عبرت آموز کھنڈرات، سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کی گتھی سلجھانے سے محققین آج

بھی قاصر ہیں۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ آئندہ ان کا شمار عجائباتِ عالم میں ہو۔

افغانستان کا موجودہ ملک درحقیقت مکمل افغانستان نہیں ہے۔ برطانیہ اور روس کی مسلسل ملک گیری اور توسیع پسندی نے اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ نپولین کے عروج سے انگریز پریشان تھے۔ فرانس اور روس کے اثرات وپیش قدمی کو روکنے کے لئے افغانستان میں مداخلت کے لئے انگریز ہمیشہ حیلہ وبہانہ ڈھونڈتے رہے تاکہ ملک ہند میں انگریز کی عملداری محفوظ رہ سکے۔ انگریز کی اس مداخلت نے افغانستان کا نقشہ ہی بدل ڈالا اور واقان کے جنوب سے کابل وغزنی کے مشرق میں اور قندھار کے بالکلیہ جنوب میں افغانستان کا ایک بہت بڑا علاقہ جو **چترال سوات** ' **دیر** ' **ملکند** ' **خیبر** ' **پشاور** ' **خرم** ' **بنوں** ' **کوھاٹ** ' **ڈیرہ اسمٰعیل خاں** ' **ڈیرہ غازی خاں** سے ہوتا ہوا **پشن** ' **سبی** ' **کوئٹہ** اور **چمن** کی جانب چلا گیا ہے۔ اس پر آج سے کوئی ۹۰ یا ۱۰۰ سال پہلے انگریزوں نے امیر شیر علی خاں اور پھر امیر عبدالرحمٰن خاں کے عہد حکومت میں ناجائز غاصبانہ قبضہ کرلیا اور آج تک ان علاقوں سے افغانستان محروم ہے۔ اوران ہی علاقوں کی بے شمار معدنی دولت سے آج بجائے افغانستان کے پاکستان' فائدہ اٹھا رہا ہے۔ افغانیوں کا اصل علاقہ اوران کی آبادی کی اکثریت آج بھی دریائے سندھ کے کنارے تک آباد ہے۔

موجودہ افغانستان میں قندھار کے شمال مشرق میں قلات غُلزئی' غزنی اور کابل آباد ہیں۔ قلات غُلزئی کی بلندی سطح سمندر سے (۷۲۰۰) فٹ ہے۔ کابل کا شہر اور جلال آباد دریائے کابل پر آباد ہیں۔ اور دریائے کُنار' افغانستان اور چترال کی موجودہ سرحد ہے۔ کابل کے شمال میں **بدخشاں** اور **واقان** کے علاقہ ہیں۔ **فیض آباد** ' **بلخ** ' **زرتشت** کی جائے پیدائش' **مزار شریف** ' **میمونہ** وغیرہ یہاں کی قدیم بستیاں ہیں۔ ان شمالی علاقوں میں پٹھان اقلیت میں ہیں اور یہاں پر **تاجک** ' **ازبک** ' **ترکمان** اکثریت میں ہیں۔

روس کی توسیع پسندی وملک گیری کے بعد سمرقند' بخارا دنیائے اسلام سے تو کٹ گئے مگر یہ علاقے افغانستان کی عملداری میں ہونے کی وجہ سے بے دینی سے محفوظ رہ گئے۔ **آمو**' دریا افغانستان اور روس کی موجودہ سرحد ہے۔

دریائے ہلمند' افغانستان کا بڑا دریا ہے۔اس پر امریکن نگرانی میں ایک بندھ بھی تعمیر کیا گیا ہے۔فرہ اور قندھار کی جانب کا علاقہ ہلمند کے پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ ہرات کا علاقہ ہری رود سے سیراب ہوتا ہے۔ دریائے کابل اور دریائے کنار سے جلال آباد کی سمت کے علاقے سیراب ہوتے ہیں۔

سلسلۂ کوہِ سلیمان اور سلسلہ کوہ ہندوکش موجودہ افغانستان میں واقع ہیں۔کابل کے شمال میں بہت ہی بلند پہاڑی سلسلے ہیں اور **بدخشاں** اور **واقان** کے علاقے دنیا کے بلند ترین علاقوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔اس ملک کے اکثر وبیشتر پہاڑ برف پوش سفید کوہ ہیں اور جب برف باری کا موسم شروع ہوتا ہے تو پورے ملک میں برف گرتی ہے۔

ملک کی آبادی اندازاً سوا کروڑ ہے۔سرکاری زبان فارسی اور پشتو ہے۔غذائی اجناس میں ملک خودکفیل ہے۔میوے وافر مقدار میں ہوتے ہیں۔افغانستان دنیا کے غریب ترین ملکوں میں سے ایک ملک ہے۔مگر قدرت نے اسے معدنیات سے مالا مال کیا ہے۔زمانۂ قدیم سے قندھار کے قریب سونے کی کانیں ہیں۔ ہرات کے جانب علاقہ میں شاہ امان اللہ خاں کے دور حکومت میں ہی پٹرول نکالا گیا تھا اور حالیہ اطلاعات کے بموجب اس ملک میں تیل کے بڑے ذخائر بھی موجود ہیں۔ ہزارہ جات کے علاقے میں چاندی کی کانیں ہیں۔اور سب سے اہم کوئلہ اور لوہا بڑی مقدار میں کابل کے اطراف وشمال کابل میں موجود ہیں۔حکومتِ افغانستان کے پاس اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ وہ ملک کی معدنی دولت سے فائدہ اٹھا سکے اور نہ ہی غیر ممالک کو کام کرنے کی اجازت ہے۔

کابل اور قندھار میں طیرانگاہیں ہیں۔ روسیوں کی نگرانی میں اچھی سڑکیں تعمیر کی گئی ہیں۔ افغانستان کے چاروں سمت روس، پاکستان اور ایران کی ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ مگر خود اندرون ملک کوئی ریلوے لائن نہیں ہے۔ البتہ حال ہی میں حکومت ہند سے بات چیت جاری ہے کہ افغانستان میں سرحدِ ایران سے براہِ ہرات قندھار تک ریلوے لائن ڈالی جائے گی۔ اگر ایسا ہوتو یہ لائن فرہ سے گذرے گی۔

افغانستان کی مختصر تاریخ: افغانستان کی قدیم تاریخ ایران کے ساتھ مربوط ہے۔ جبکہ یہ علاقہ آریانہ کہلاتا تھا تو اس وقت ایران اور توران کے جھگڑے میں میدانِ جنگ رہا ہے یونانیوں نے جب ایران کو فتح کیا تو افغانستان کے علاقہ پر تقریباً ڈیڑھ سو سال اپنا تسلط رکھا۔ بعد ازاں منگول قبائلی (لفظ مغل اسی سے ہے) کابل کے شمالی اور ہندوستان کی جانب کے پہاڑی علاقوں پر قابض رہے۔ اور یوں بدھسٹ مذہب کو یہاں پر فروغ ہوا۔ **کنشک** اور اس کے جانشین اس جانب حکمران رہے ہیں۔

خلفائے راشدینؓ کے عہد میں اسلام اس ملک پر پوری طرح چھا گیا۔ افغانستان کی قدیم روایات ہیں کہ ایک شخص بنام ''**افغانہ**'' جو کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد اور بن یامین کی آل سے ہونا بیان کیا جاتا ہے اپنے بیٹوں کے ہمراہ بیت المقدس کی تباہی کے بعد جانب مشرق ہجرت کر کے اس ملک میں آ کر آباد ہو گیا اور بتدریج اس کی اولاد وسیع علاقہ پر قابض ہو گئی اور بعد ازاں ملک اور آبادی'' **افغانہ** '' کے نام سے ہی موسوم ہو گئے۔ علاوہ ازیں قدیم مورخین نے یہ بھی روایت کی ہے کہ پٹھانوں کے جدِ اعلیٰ قیس افغانستان سے جا کر آنحضرت رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ اور فتح مکہ میں ساتھ رہے ''**فتحان**'' کے نام سے پکارے گئے اور یہ لفظ'' **پٹھان**'' میں تبدیل ہو گیا۔ اور یہ کہ قیس کا اسلامی نام عبدالرشید ہے۔ افغانستان کی قدیم تواریخ مثلاً جو عہد سبکتگین

کی ہیں اس زمانے میں بھی لفظ افغان اس علاقے کے لوگوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ بہرحال ہنوز مکمل تحقیق ہونا باقی ہے۔ اس ملک میں یونانیوں کے بھی اثرات پائے جاتے ہیں۔

آمو دریا کے شمال مشرق کے علاقے جو'' **روشن** ''اور'' **شنک نان** '' کے نام سے موسوم ہیں اور روس کی پیش قدمی سے پہلے جو افغانستان کا جزؤ تھے وہاں کے باشندے آج بھی خود کو سکندر مقدونی کی فوج کی باقیات و نسل سے ہونا ظاہر کرتے ہیں۔

افغانستان کی کہاوت ہے'' تخت امیر کے لئے ہے' ترازو تاجر کے لئے اور تلوار افغان کے لئے ہے'' یہ کہاوت صد فی صد صحیح ہے۔ افغانیوں کا آبائی پیشہ سپہ گری رہا ہے۔ حتیٰ کہ سکندر مقدونی درۂ خیبر سے جہاں آفریدی آباد ہیں ملک ہند میں داخل نہ ہوسکا بلکہ سوات کے علاقہ سے گذر کر آگے بڑھا اور دریائے سندھ پر'' اٹک'' کے شمال میں'' **امب** '' کے پاس پورس سے مدِ مقابل ہوا۔

سلطان محمود حاکم غزنی حالانکہ نسلاً ترک ہیں مگر ان کی فوج کا بیشتر حصہ افغان تھا ان کے وزیر اعلیٰ و سپہ سالار کا نام حسن مہمندزئی ہے۔ جس وقت کہ محاذ ہند پر سلطان کی افواج اور اِدھر جئے پال اور آنند پال کی افواج صف آراء تھیں سلطان کے سفیر کو جواب لانے میں دیر ہوئی۔ سلطان فکر و تردد میں پڑ گیا اور حسن مہمندزئی نے اس موقع پر شاہ نامہ فردوسی کا یہ شعر پڑھا۔

اگر جز بہ کامے من آید جواب
من دگرز و میدان وافراسیاب

اسی پر سلطان کی ہمت بندھ جاتی ہے اور دریافت کرتا ہے کہ یہ کس کا کلام ہے جواب ملنے پر کہ یہ فردوسی کا ہے تو سلطان کی نظروں میں فردوسی کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ غزنی میں سلطان محمود کے مقبرے سے بطور تبرک کے لوگ خاک لے جاتے ہیں۔ یہ بدعت ایک ایسے

مجاہدِ اعظم کے مقبرے میں کی جاتی ہے جو بت شکنی میں مشہور ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ افغانستان کا پہلا پٹھان بادشاہ غور کا شہاب الدین ہے۔غور اور ہرات کی جانب کا علاقہ یورشِ چنگیزی سے بہت متاثر ہوا۔آبادیاں اجڑ گئیں اور بستیاں بر باد ہوگئیں۔اس علاقہ کی آبادی عرصۂ دراز تک اندرون ملک پہاڑوں میں پناہ گزیں رہی اور اس علاقہ کی ترقی وارتقاء کو بہت دھکا پہنچا۔

افغانیوں کا آبائی پیشہ چونکہ سپہ گری ہے اسی وجہ سے بڑی تعداد میں پٹھان ترکِ وطن کر کے بیرون وطن جاتے رہے۔خود ملک ہند میں افغانیوں کے اتنے گہرے اثرات ہیں کہ تاریخ سے ان کا مٹانا ناممکن ہے۔کئی ناموں سے اثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔شہر کانپور دراصل خان پور تھا۔روہل کھنڈ میں صرف پٹھان ہی آباد تھے۔پنجاب میں پٹھان کوٹ آج بھی موجود ہے۔لدھیانہ غلزئی لودھیوں کا آباد کردہ ہے۔ پالن پور' موربی' مانڈو' مالوہ پر پٹھانوں نے حکومت کی ہے۔دکن کے قدرے شمال مغرب میں علاقے کا نام خان دیس پڑ گیا۔چھوٹی چھوٹی پٹھان ریاستوں کا ایک سلسلۂ زنجیر کے مانند سارے ملک ہند میں شمال سے جنوب تک بھوپال سے ہوتے ہوئے کرنول وکڑپہ کے آگے تک چلا گیا ہے۔اسی طرح وسطِ ایشیاء اور ایران میں بھی پٹھانوں کی بستیاں پائی جاتی ہیں۔اگر دنیا تمام کے پٹھانوں کے اعداد وشمار اکٹھا کئے جائیں تو کوئی تعجب نہیں کہ افغانستان سے زیادہ تعداد بیرون افغانستان پائی جائے گی۔

Astoria demogor استوریا ڈی موگور کا فرانسیسی مورخ لکھتا ہے کہ سولھویں صدی عیسوی میں پٹھانوں کی ایک جماعت نے بیانہ میں مہدویت کے مسلک کو اختیار کیا۔پندرھویں صدی عیسوی میں تیمور کی اولاد خراسان پر حکومت کرتی تھی اور ہرات پایہ تخت تھا۔شہر قندھار ان ہی کی عملداری میں تھا۔

امامنا حضرت مہدی موعودؑ قندھار میں تشریف لائے اور یہاں پر دو ہفتے قیام فرمایا اس وقت قندھار میں ارغون خاندان کے ہاتھ میں یہاں کی صوبہ داری تھی چونکہ ہرات کی مرکزی حکومت کمزور ہوچکی تھی اس لئے ارغون خاندان کے حاکم تقریباً خودمختار ہو چکے تھے۔ حضرت امامنًا کی قندھار میں آمد کے وقت وہاں پر اس وقت حاکم شاہ بیگ ارغون تھے۔ ان ہی کی موجودگی میں قندھار کی جامع مسجد میں امامنًا کے دعوے کی تحقیق کی گئی اور یہیں پر شاہ بیگ ارغون تصدیق سے مشرف ہوئے ہیں۔ قندھار سے حضرت امامنًا فرہ تشریف لے گئے اور آپ کے وہاں پر وصال کے تقریباً ۱۷ یا ۱۸ سال بعد ۱۵۲۲ء میں بابر نے قندھار پر قبضہ کرلیا اور ارغون خاندان وہاں سے ہمیشہ کے لئے بے دخل ہوگیا۔ بعد ازاں ہمایوں نے مدد کے صلہ میں قندھار کو ایران کی عملداری میں دے دیا۔ مگر عہد اکبر میں قندھار دوبارہ سلطنت مغلیہ میں شامل کرلیا گیا۔ اکبر کے بعد دہلی کے مغل' بادشاہوں نے قندھار حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ہمیشہ ناکام رہے۔ شہزادگی کے زمانہ میں اورنگ زیب اور داراہ شکوہ نے کثیر افواج کے ساتھ قندھار پر مسلسل چڑھائی کی۔ مگر ایرانیوں کو بے دخل نہ کرسکے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد اکبر کے مختصر دور کو چھوڑ کر پندرھویں صدی عیسوی کے بعد سے قندھار اور فرہ اور اطراف کے علاقوں میں مسلسل جنگ وجدال اور بدامنی رہی ہے۔ یہاں کے عوام کو حضرت امامنًا کے وصال کے عہد میں مسلسل تشدد کا سامنا کرنا پڑا ہے اور انہیں چین نہیں ملا۔ یہ علاقہ صدیوں اقتدار وملک گیری کی ہوس کا شکار رہا اور ظاہر ہے کہ یہاں کی آبادی کس قدر ظلم وستم کا شکار ہوتی رہی۔ دو بڑے دول کے درمیان اس علاقہ کی حیثیت صدیوں تک سرحد جیسی رہی۔

تاریخی اعتبار سے یہ بات باعث دلچسپی ہے کہ سولہویں صدی عیسوی کے بعد سے مغلیہ ریکارڈ میں اس علاقہ کو پابندی سے باضابطہ طور پر افغانستان لکھا جانے لگا۔ جب کبھی مغل ہندوستان سے کابل جانے یا اُدھر سے ہند آتے تو پابندی سے قبائل کو کثیر رقومات ادا کرتے

تھے۔سلطنت مغلیہ کے زوال کے آغاز کے ساتھ ہی بڑی دوررس تبدیلیاں بشمول افغانستان دنیا میں اور بھی جگہ ہوئیں۔موجودہ افغانستان کا بیشتر علاقہ (سوائے قندھار، فرہ، ہرات کے) سلطنت مغلیہ کا ایک حصہ رہا۔اور یوں ایران کے شیعہ اثرات سے محفوظ رہا۔سلطنت مغلیہ کا بانی شہنشاہ بابر نسلی اعتبار سے دراصل ترک ہے اور صرف اس کی والدہ کو چنگیز سے نسبت ہے۔ خود بابر کی فوج میں بیشتر پٹھان اور وسطِ ایشیاء کی قوموں کے سپاہی تھے۔نہیں معلوم کہ لفظ ''**مغل**'' تاریخ میں اس خاندان کے ساتھ کس طرح مشہور و معروف ہوگیا۔اسی مغلیہ دور میں نام افغان کو بلند کرنے کے لئے قبائل اور کوہستانی علاقوں میں'' قبائل ہوں ملّت کی وحدت میں گم'' کی تحریک زور پکڑ چکی تھی۔ بیربل کی سرکردگی میں پٹھانوں کے لئے روانہ کردہ اردوئے معلیٰ مکمل طور پر صفحۂ ہستی سے ہی لاپتہ ہوگئی۔خوشحال خاں خٹک جیسے جری وجانباز اہلِ قلم واہلِ سیف کی قیادت میں پٹھانوں نے سلطنت مغلیہ کا جم کر مقابلہ کیا اور اورنگ زیب نے بہرام ولد خوشحال خاں کو گرفتار کر کے بیجاپور میں قیدی بھی بنا رکھا تھا۔ملک ہند میں ادھر مغلوں کو زوال آیا تو دوسری جانب صفوی خاندان کے ایران میں آخری دن بھی قریب آنے لگے۔اس کے ساتھ ہی افغانیوں کو عروج ہوا۔ پٹھانوں کے اس عروج کا سہرا دراصل غُلزئی قبائل کے سر ہے جنہوں نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز پر نہ صرف قندھار سے ایرانیوں کو بے دخل کیا بلکہ بیس ہزار گھوڑ سوار جرار، افغان جانبازوں نے محمود خاں غُلزئی کی سرکردگی میں سلطنت ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اصفہان کے قریب گلناآباد کے میدان میں ۱۷۲۲ء میں محمود خاں غُلزئی نے کئی گنا بڑی ایرانی فوج کو فیصلہ کن شکستِ فاش دی اور یہ جنگ تاریخ میں اسی اہمیت کی حامل ہے جو یورپ میں واٹرلوٗ کو ہے یا پھر ہندوستان میں ۱۴رجنوری ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں احمد خاں ابدالی سدوزئی اور مرہٹوں میں لڑی گئی، جنگ کو ہے۔

۱۷۲۲ء کے بعد ملک ایران میں ترکان عثمانی بھی افغانیوں پر حملہ آور ہوئے مگر شکست

کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ایران کی آبادی افغانیوں حکمران کی شدید مخالف تھی۔ بیرونی طاقتیں بھی مداخلت کر رہی تھیں۔ ایسے وقت نادرشاہ نے اشرف خاں غلزئی کے خلاف اعلانِ جنگ کیا اور بدقسمتی سے سدوزئی، دُرانی، اورحتیٰ کہ کچھ غُلزئی پٹھانوں نے نادرشاہ کا ساتھ دیا۔ اوراس طرح افغانیوں کے تسلط کا ایران میں خاتمہ ہوگیا۔ نادرشاہ کے حوصلے بلند ہوگئے۔ اور وہ افغانستان پر حملہ آور ہوا اور قبضہ جمالیا۔ نادرشاہ کے عروج کے وقت جنوبی ایران میں جو غُلزئی پٹھان تھے وہ بھی ترک مقام کرکے عربستان چلے گئے چنانچہ آج بھی پٹھان بحرین میں پائے جاتے ہیں۔ بیرونی حملوں سے بڑھ کر نقصان پٹھانوں کو ان کی آپسی رقابات سے ہوا ہے۔ غُلزئی لودھی پٹھانوں نے ملک ہند میں مستحکم حکومت قائم کی تھی مگر آپسی اختلاف کے باعث ابراہیم لودھی کو پانی پت پر شکست ہوئی اسی طرح بعدازاں ملک ہند میں غور کے شیرشاہ سوری نے بھی حکومت قائم کی تھی مگر آپسی نفاق نے انہیں مٹادیا۔

بالآخر نادرشاہ جیسے سفاک وظالم کا بھی آخری وقت قریب آیا اور وہ قتل کردیا گیا۔ نادرشاہ کی فوج کا بازوئے شمشیر پٹھان تھے اور احمد خاں ابدالی سدوزئی خاص دستِ راست تھا۔ ایرانی دربار بھی ان جنگجو پٹھانوں سے مرعوب تھا اور سرحد سے متصل پٹھانوں کے قبائل مثلاً زمیندار، فرہ وہرات وقندھار کی جانب سے علی زئی، نورزئی، سدوزئی، برق زئی، پوپل زئی وغیرہ کو دُرِّ دَوراں کہتے تھے جو بگڑ کر دُرانی کہلانے لگا۔ علاوہ ازیں یہاں کے پٹھان کثرت سے موتی کا بھی استعمال کرتے رہے ہیں اور یہ بھی ایک وجہ تھی کہ انہیں دُرِ دوراں کہنے لگے۔ نادرشاہ کے قتل کے بعد اس کے خزانہ کا بشمول مشہور عالم کوہِ نور اور جمعی پٹھان فوج کا جانشین احمد خاں ابدالی سدوزئی ہوا۔ اس نے قندھار کو پایہ تخت بنا کر باضابطہ طور پر اپنی شاہی کا اعلان کیا اور یوں دُرانی خاندان کی بناڈالی اس دن سے آج تک افغانستان پر حکومت خود پٹھانوں کے ہاتھ میں ہے اور بفضلِ تعالیٰ قائم و برقرار رہے گی۔ احمد خاں نے جب حکومت کی بناڈالی تو

امارت سدوزئی کے ہاں رہی۔اوروزارت پوپل زئی اور برق زئی کے ہاں رہی۔امیرالامراء پاینده خاں برق زئی اور پھراس کے لڑکے فتح خاں برق زئی کے بیدردانہ قتل کے بعد سدوزئی گھرانے کو زوال آیا۔خانہ جنگی کے اس دور میں انگریز جن کی گرفت ملک ہند پر مضبوط ہوچکی تھی افغانستان پر للچائی نظریں ڈال رہے تھے اور مداخلت کے لئے حیلہ ڈھونڈرہے تھے۔

احمد خاں کے پوترے شاہ زماں کا نام سن کر ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ولزلی زرد پڑجاتا تھا اور جب ۳۲ سالہ شاہ زماں کو ۱۷۹۹ء میں اندھا کرکے اس کے بھائی نے معزول کردیا اور سوئے اتفاق سے اسی سال جنوبی ہند میں شیردل ٹیپو کا بھی خاتمہ ہوگیا تو انگریزوں کے حوصلے بہت بلند ہوگئے۔اس وقت افغانستان میں برق زئی اور سدوزئی برسرپیکار تھے۔امیرالامراء پائنده خاں کے سب سے چھوٹے لڑکے دوست محمد خاں برق زئی نے ہرات اور کابل پر قابض ہوکر حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔اور شاہ زماں سدوزئی کا سب سے چھوٹا بھائی شجاع بھاگ کر لدھیانہ چلا آیا اور یہیں پر رہنے لگا۔انگریزوں نے شجاع کی مدد کے بہانے جدید ترین آلات اور تربیت یافتہ فوج لے کر افغانستان پر چڑھائی کردی۔قندھار پر قبضہ کرلیا اور براہِ غزنی جانب کابل پیش قدمی کی اور ۱۸۳۹ء میں شاہ شجاع کو کابل میں برائے نام بادشاہ بنایا۔اسی مہم کے دوران انگریز غزنی سے سومنات کے دروازے اکھاڑ کر ہندوستان بھی لے آئے تاکہ یہاں فرقہ واریت کو ہوا دی جاسکے۔امیر دوست محمد خاں نے انگریزوں کا جم کر مقابلہ نہیں کیا مگر ہرمحاذ پر اس کے لڑکے اکبر خاں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔اور خود کابل میں گھس کر انگریزوں کو قتل کیا۔یہ وہی اکبر خاں ہے جس نے افغانستان میں خانہ جنگی کے باوجود جمرود پر سکھوں کو بھی شکست فاش دی تھی۔بدقسمتی سے عمر نے اس کا ساتھ نہ دیا اور وہ جوانی ہی میں چل بسا۔جس وقت انگریزوں نے افغانستان میں پہلی بار مداخلت کی تب انہیں پنجاب کی سکھ ریاست اور جموں کی ڈوگرا حکومت کے گلاب سنگھ کی ہر طرح تائید تھی۔

افغانستان میں جب انگریزوں کی ریشہ دوانیاں بہت بڑھ گئیں تو وہاں کے عوام میں بے پناہ جوش وخروش تھا۔ غالباً اس دور میں ایشیاء کا یہ واحد ملک ہے جہاں بیرونی حملہ آور کے خلاف شدید جذبات عوام میں پیدا ہوئے اور بجائے حکمران کے عوام نے علمِ جہاد بلند کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امیر کی سرکاری فوجیں شکست کھاتی تھیں یا پھر حملہ آور سے صلح کر لیتی تھیں مگر عوام نے بیرونی حملہ آور کو کبھی بھی قبول نہیں کیا بلکہ موقع کی تاک میں رہے کہ کسی نہ کسی طرح دشمن کا خاتمہ کر ڈالیں۔ چنانچہ ۴۱-۱۸۴۰ء میں شاہ شجاع کو عوام نے قتل کر ڈالا اور ایک اعلیٰ تربیت یافتہ فوج سے ایسی بے نظیر جنگ کی کہ جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ جلال آباد کے راستہ کی وادی میں دشمن کا مکمل صفایا کر ڈالا اور انگریز کی فوج سے صرف ایک ہی زندہ بچ سکا اور وہ بھی اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ اپنے ہم وطنوں سے مل کر تباہی کی داستان سنائے۔ خود انگریز مورخ لکھتے ہیں کہ عرصہ دراز تک ان کی فوج کی لاشیں بے گور وکفن وادی میں پڑی رہیں۔ اور جب کبھی قافلے اُدھر سے جاتے تو ہڈیوں کو روندتے ہوئے جاتے تھے۔

انگریز قوم یہودیوں کی طرح مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے۔ ایک وہ وقت بھی تھا کہ مغرب، مشرق وسطیٰ اور اندلس کی مسلم جامعات میں درس لیتا تھا یا پھر صلیبی جنگوں میں شکست پر شکست کھاتا تھا۔ اور ایک وقت یہ بھی آیا کہ پندرھویں صدی عیسوی میں نشاۃ ثانیہ ہوئی اور اِدھر امامنا مہدی موعود علیہ السلام کا مشرق سے خورشید ولایت طلوع ہوا تو اُدھر مغرب سے حق وانسانیت کی دشمن طاقتوں نے سر اٹھایا۔ مادہ پرستی اور تنگ نظری دنیا پر چھانے لگی۔ اور مسلم ممالک میں سرعت کے ساتھ زوال آیا اور اس کے بعد وہ بھی دور آیا کہ ہر محاذ پر انگریز نے مسلمانوں سے زبردست بدلہ لیا۔

۱۸/ جون ۱۸۴۳ء ہندوستان کا گورنر جنرل لارڈ ایلن برو اپنے ایک مکتوب میں ڈیوک آف ونگٹن کو یوں لکھتا ہے کہ

I cannot close my eyes to the life that race (Mohammedans) is fundamentally hostile thousand our true policy is to reconciliate the Hindus.

یعنی کہ بنیادی طور پر مسلمان ہمارا مخالف ہے اور ہماری حکمت عملی یہ ہو کہ ہندوؤں کے ساتھ مفاہمت بڑھے۔

اس طرح ۱۴ مئی ۱۸۵۹ء کی روئداد میں صوبۂ بمبئی کے گورنر الفنسٹون کے یہ الفاظ درج ہیں۔Divide - Et - impera یعنی کہ تقسیم کرو اور حکومت کرو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں انگریز نے بہ ابتداء ہی سے فرقہ واریت کو خوب بھڑکایا ہے تا کہ اس کا اپنا فائدہ ہوتا رہے۔اسی انگریز نے اپنے پرچم تلے فلسطین میں یہودیوں کو آباد کیا اور یہ وہی انگریز ہے جو ملک گیری کی ہوس میں انیسویں صدی عیسوی میں افغانستان کی تباہی کے درپے تھا۔افغانستان میں بھی انگریز نے کافی کوشش کی کہ قبائل کو آپس میں لڑایا جائے۔مگر کامیابی نہ ہوئی۔صوبۂ سرحد میں دنیا کا بدترین قانون ''تعزیرات سرحد'' نافذ کیا تاکہ بھائی کو بھائی سے لڑائے اور ۱۹۲۷ء میں جب اصلاحات کی مانگ کی گئی تو سائمن کمیشن نے سرحد کو ''پاوڈر میگزین'' کہہ کر مطالبے کو مسترد کر دیا۔متعصب بد باطن عیار و مکار انگریز نے دو مرتبہ کوشش کی کہ کشمیر کی طرح افغانستان کو بھی ڈوگرا مہاراجہ یا پھر سکھوں کو فروخت کر دے مگر یہ تجویز کامیاب نہ ہو سکی جس کا رنج و غم انگریز کو ہمیشہ رہے گا۔

برق زئی خاندان میں جب خانہ جنگی شروع ہوئی تو انگریز نے کبھی ایک بھائی امیر افضل خاں کو مبارک باد کا پیام روانہ کیا تو فوری بعد دوسرے مخالف بھائی امیر شیر علی خاں کو مبارک باد روانہ کی۔جب کبھی امیر اور افغانستان میں سرحدی نزاع ہو جاتی تو انگریز کی یہ حکمت عملی رہتی کہ دونوں میں مستقلاً اختلاف رہے۔

چنانچہ افغانستان کے ٹکڑے وحصے بخرے کرنے کے لئے بالآخر ۸۰-۱۸۷۹ء میں انگریز نے امیر شیر علی خاں کے خلاف ملک میں فوجی مداخلت کی اور پھر ایک مرتبہ افغانستان کا کوہستان ''علی علی اللہ اکبر'' کے افغانی نعرۂ جنگ اور طبل جنگ سے گونج اٹھا۔ سرکاری فوجیں تو انگریز سے لڑ نہ سکیں مگر ۱۸۸۰ء میں ۲۷/جولائی کو میواند کے میدان میں زمیندار، فرہ اور ہرات کے پٹھانوں نے انگریز کو للکارا اور ایک فیصلہ کن جنگ میں انگریز کی اعلیٰ تربیت یافتہ فوج کو شکست ہوئی جس کا کہ تعاقب قندھار تک کیا گیا۔ اگر میواند کے میدان میں پٹھانوں کو شکست ہوجاتی تو افغانستان دنیا کے نقشہ سے ہی مٹا دیا جاتا۔ بعدازاں ۱۹۱۹ء میں شاہ امان اللہ خاں کے ساتھ جنگ ہوئی جس کے بعد افغانستان کی مکمل خودمختاری کو انگریز نے تسلیم کر ہی لیا۔ مگر غاصبانہ طور سے جن علاقوں پر قابض ہوچکا تھا ان سے دست بردار نہیں ہوا۔ چنانچہ ''پختونستان'' کا نزاعی مسئلہ ابھی تک موجود ہے۔ مگر اس کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ افغانستان کا وجود ہی ایشیاء میں انگریز کی زبردست شکست ہے۔

شاہ امان اللہ خاں بیرونی ممالک سے جب واپس آئے تو وہ ترکی کے انقلاب واصلاحات سے خصوصاً متاثر تھے۔ اصلاحات کا انہوں نے آغاز کیا۔ مگر بہت جلد غیر ہر دلعزیز ہوگئے۔ بیرونی دل کی سازش بھی شامل تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں ایک خونین انقلاب، بچہ سقہ کی سرکردگی میں شروع ہوا اور شاہ امان اللہ خاں وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ بعدازاں جنرل نادرشاہ خاں نے بچہ سقہ کے خلاف کامیاب مہم چلائی اور خود تخت کابل پر قابض ہوگئے۔ ۱۹۳۳ء میں انہیں بھی قتل کر دیا گیا اور ظاہر شاہ (۱۹) سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ مگر انہیں بھی ان کے چچازاد بھائی داؤد خاں نے ۱۹۷۳ء میں معزول کر دیا جبکہ وہ اٹلی میں زیر علاج تھے اور افغانستان کے خاتمہ کا بھی اعلان کیا گیا۔ محمد داؤد خاں کی حکومت کا بھی تختہ ایک خونین انقلاب نے اُلٹ دیا اور ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو فوج کی نگرانی میں ڈیموکریٹک ری پبلک آف

افغانستان کا اعلان کیا گیا ہے جس کو فوری طور پر کئی ایک کمیونسٹ ممالک نے بھی اور علاوہ ازیں حکومت ہند نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن خاں کے تخت کابل پر قابض ہو جانے کے بعد ایک مستحکم حکومت تو قائم ہو گئی مگر انگریز کی بالا دستی پھر بھی رہی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں ختم ہوئی۔ انگریز کی مکاری کو امیر شیر علی خاں نے اپنے اس بیان سے بہت ہی خوبی کے ساتھ بے نقاب کیا ہے کہ

''انگریز کی دوستی برف پر لکھا ہوا ایک حرف ہے''

یعنی کہ یہ دوستی برف پر لکھی ہوئی تحریر کے مانند چشم زدن میں پگھل کر غائب ہو جاتی ہے۔ آج افغانستان میں شاہی کا خاتمہ ہو گیا ہے اور عوامی حکومت قائم ہے۔ افغانستان کا مستقبل روشن ہے مگر وسیع النظری اور دور اندیشی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ آج بھی افغانستان دنیا کے بڑے دول روس، ایران اور پاکستان کے نرغے میں ہے۔ پختونستان کا مسئلہ ہنوز حل طلب ہے اور حکمت عملی سے اس کا حل تلاش کرنا ضروری ہے ورنہ دوبارہ بڑی طاقتیں کسی نہ کسی بہانے مداخلت کرنے سے گریز نہیں کریں گی۔

جس طرح کھنڈرات اور ویرانوں سے عبرت ملتی ہے ویسے ہی تاریخ میں عروج و زوال کی ایک داستان عبرت ہے۔ فرد ہو یا جماعت یا اقوام ہوں، ان سب ہی کی بیشتر تاریخ نو آبادکاری، توسیع پسندی، ملک گیری، استحصال ناجائز، حرص و طمع اور ہوس و اقتدار کی تاریخ ہے۔ ان گندے مقاصد کے لئے نسل و خون کے رشتے مذہبی بندھن سب ہی قربان کر دیئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ دین کا بھی بے جا استعمال کیا جاتا ہے اور مذہب کی آڑ میں زبردست ناانصافیاں کی جاتی ہیں۔

دارا شکوہ کے بیٹے کو گرفتار کر کے جب اس کے چچا اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا تو ایک ایسے بادشاہ نے بھی جس کی دینداری کو بڑی شہرت دی گئی ہے اس بدنصیب نوجوان شہزادے کے قتل کا حکم صادر کرتے ہوئے محض رحم اس لئے نہیں کھایا کہ بقول شہزادے کے اس

کا اصل قصور اتنا تھا کہ

حالِ من در عشق دارا صورتِ یعقوب است
اُو پسر گم کردہ بودہ من پدر گم کردہ ام

کچھ اور ہی اسبابِ ظاہری کا سہارا لے کر فریقین آپس میں جنگ و جدال، قتل و خون اور غارت گری کرتے ہیں۔ مگر ٹھنڈے دل سے اگر واقعات کا جائزہ لیا جائے تو پس پردہ کچھ اور ہی محرکات و وجوہات نظر آتے ہیں۔

آج بھی یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ مغربی ممالک مزدوروں کے نام پر انسانی حقوق کے نام پر اور بہ ظاہر استحصال ناجائز کی مخالفت میں مگر درحقیقت پس پردہ اپنی برتری، اقتصادی شہنشاہیت کی برقراری اور اس میں مزید اضافہ کے درپے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ یہ بتلاتا ہے کہ انسان کا اپنا ''نفس'' ایک محور ہے۔ جس کے اطراف اس کی ہر کاوش گھومتی ہے۔ اور بعینہٖ یہی قوموں کا حال ہے۔ اور انسان اس کی خاطر اپنی ہر چیز کو حتیٰ کہ دین کو، عزت و ناموس اور اپنی انسانیت کو بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ مگر اپنے خالق کے لئے حق اور انصاف کے لئے ایک چھوٹی سی قربانی بھی اسے گوارا نہیں ہوتی۔

فریقین جب جنگ کرتے ہیں تو باضابطہ منصوبے بناتے ہیں تاکہ شکست سے بچیں اور بہر قیمت فتح حاصل کریں۔ اور جنگیں بیشمار اغراض کے لئے مثلاً دینی یا دنیاوی یا پھر ان سب ہی کے لئے لڑی جاتی ہیں۔ بلاشبہ حق کے لئے راہِ خدا میں جنگیں لڑی گئیں ہیں، مگر تاریخ عالم کا لحاظ کرتے ہوئے یہ معدودے چند ہیں اور ان میں بھی صرف دو معرکے ایسے ہیں جو منفرد ہیں اور آپ اپنی نظیر ہیں۔ فخر انسانیت دو مخصوص منتخب بندوں نے بغیر کسی منصوبہ یا تیاری کے یا نتائج کیا ہوں گے اور انجام کیا ہوگا لحاظ کئے بغیر بلکہ صد فی صد انجام و نتائج سے باخبر رہ کر صرف حکم الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے کربلا اور کھانبیل میں یہ جنگیں لڑی ہیں۔ اور ہمیشہ

ہمیشہ کے لئے نام انسانیت کو بلند کر دیا ہے۔ اب رہی باقی تاریخ تو یہ تمام محض مجموعۂ قصص ہے جسے ہم اس لئے پڑھتے ہیں کہ عبرت اور نصیحت حاصل ہو۔

افغانیوں کے رسم ورواج: تعلیم کی جانب حالیہ دور میں توجہ کی جارہی ہے ورنہ کسی افغانی کا روزمرہ کے ارکانِ دین' مثلاً نماز' روزہ وغیرہ سے واقف ہو جانا کافی سمجھا جاتا تھا۔ عوام کی اکثریت سادہ لوح رہی اور چند پڑھے لکھے لوگوں نے انہیں جو بھی کہا اور سمجھایا اس پر انہوں نے پورا اعتماد کیا۔ ان حالات میں توہمات' عمل عملیات اور رسم ورواج کا عوام میں عام ہو جانا تعجب کی بات نہیں ہے۔

شادی بیاہ کے رسم ورواج: بیشتر رسم ورواج جو ہندوستان کے پٹھانوں میں آج بھی پائے جاتے ہیں کم وبیش اُسی قسم کے افغانستان میں مروج ہیں۔

افغانستان میں رسم منگنی کو'' دختر طلبی'' کہتے ہیں اور یہ رسم بڑی ہی منت وسماجت کے ساتھ لڑکے والوں کی جانب سے کی جاتی ہے۔ لڑکے والے یہاں تک کہتے ہیں کہ ان کا لڑکا نہ صرف غریب مزاج کا ہے بلکہ وہ اپنی دلہن کے قدموں کے نیچے ملائم مٹی کی طرح'' غلام'' بن کر رہے گا۔ افغان کہاوت ہے کہ لڑکے والوں کی جوتیاں گھس کر جب پیاز کی پتی کے مانند ہو جاتی ہیں تب کہیں بات پکی ہوتی ہے۔ جب بات پکی ہو جاتی ہے تو لڑکی والوں کی جانب سے'' محفل خوش آمدی'' سجائی جاتی ہے۔ جہاں پر لڑکے والوں کی جانب سے لائی ہوئی قند کو توڑ کر لٹایا جاتا ہے۔ اس رسم کو'' قند شکنی'' کہتے ہیں۔ عموماً شادی قند شکنی کے چھ ماہ بعد کر دی جاتی ہے۔ ہرات اور فرہ کی جانب کے علاقوں میں شادی کے لئے'' نوروز'' کا دن مبارک سمجھا جاتا ہے اور باقی دیگر علاقوں میں موسم سرما میں شادی رچائی جاتی ہے۔

شادی کئی دن کی ہوتی ہے۔ دعوت نامے صرف دولھا کی جانب سے بھیجے جاتے ہیں۔ دلہن والے دعوت نہیں دیتے۔ دعوت ناموں میں مہمان کے لئے بے انتہا قدر و منزلت کے

الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور ایک مخصوص شامیانہ جس میں دولھا کو بٹھایا جاتا ہے ''شادی خانہ'' کہلاتا ہے۔ دلہن کے چہرے کے سنگھار پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اور زر فشانی کی جاتی ہے جس کو ''تار زدنی'' کہتے ہیں۔ نکاح سے ایک دن پہلے بڑی ہی چہل پہل رہتی ہے۔ قریب سے دولھا والے سبزہ نکال کر لاتے ہیں جس پر کھڑا کر کے دولھا کو نہلایا جاتا ہے اور سبزہ کی رسم ''سبزہ کندن'' کہلاتی ہے۔

صبح سویرے فجر کی اذان اور نماز کی ادائی کے بعد ہی ہر دو جانب کے بزرگوں میں ''شرائط نکاح'' کے تعلق سے بات چیت ہوتی ہے۔ بوقتِ نکاح دولھا کے دو اور دلہن کے دو گواہ ہوتے ہیں۔ افغانستان میں بھی دستاویز نکاح کو ''نکاح نامہ'' کہتے ہیں اور مہر کی دستاویز ''مہر نامہ'' کہلاتی ہے۔ دستاویز پر ہر دو جانب کے گواہ دستخط کرتے ہیں۔

بہ وقتِ نکاح دلہن کو زر کی طرہ دار ٹوپی پہنائی جاتی ہے اور اس کی چار سہیلیاں اس کے لئے مخصوص شہ نشین پر لا کر بٹھاتی ہیں بعد ازاں دولھا کو اس کے شہ نشین پر بٹھایا جاتا ہے۔

پہلے عالم بآواز بلند نکاح نامہ اور مہر نامہ کے شرائط پڑھتا ہے دلہن اور دولھا کے بزرگوں سے دستخط لیتا ہے اور بعد ایجاب وقبول دلہن اور دولھا کے بھی دستخط دستاویز پر لئے جاتے ہیں۔ مبارک وسلامت سے محفل گونج اٹھتی ہے۔ بادام وغیرہ محفل میں لٹائے جاتے ہیں۔

ایجاب وقبول کے فوری بعد دولھا کی ماں اپنی تحویل میں دلہن کو لے لیتی ہے اور ایک علیحدہ شامیانے میں لے کر جاتی ہے جہاں پر ''رونما گی'' کی جاتی ہے۔ ''خانش آباد'' کے الفاظ کے ساتھ دلہن کو تحفے دئے جاتے ہیں اور پھر آرسی مصحف کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ دولھا و دلہن کے سر پر ایک قیمتی شال پکڑ کر صورت دکھلائی جاتی ہے اور محفل میں عرق گلاب چھڑکا جاتا ہے۔

جب یہ رسومات ادا ہوتی رہتی ہیں تب اُس وقت دلہن کی بہنیں دولھا کے کپڑے فرش سے سی دیتی ہیں اور جوتے غائب کر دیتی ہیں۔ شادی کا اختتام دلہن اور دولھا پر سے پھول نچھاور

کر کے کیا جاتا ہے۔ اور امام ضامن باندھ کر رخصت کیا جاتا ہے۔ دولہا کے شامیانے میں اس خوشی کے موقع پر محفل میلاد منعقد ہوتی ہے۔

افغانستان کی ایک اور کہاوت ہے کہ کچھوا تیرتا ہے مگر مچھلی نہیں چمگاڈر اُڑتی ہے مگر پرند نہیں ہے اور جو مرد کہ زن مرید ہے باوجود یہ کہ وہ مردانی کپڑے پہنتا ہے مگر مرد نہیں ہے۔

افغان گھرانوں میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو لڑکے کی ولادت پر بندوق چودہ مرتبہ چلائی جاتی ہے اور اگر لڑکی ہو تو سات مرتبہ چلائی جاتی ہے۔

دودھ پلانے والی کا بڑے احتیاط سے انتخاب ہوتا ہے۔ تحقیق کی جاتی ہے کہ کہیں اس کا شوہر بدنیت اور بزدل تو نہیں ہے۔ نومولود کا نام چھ ماہ بعد رکھتے ہیں اور بچوں کو دس سال کی عمر تک سیال غذا دیتے ہیں۔ تعلیم ۸ یا ۹ سال کی عمر سے دی جاتی ہے۔ خالی جھولی کو کبھی نہیں ہلاتے ہیں اور تاروں بھری رات میں بچوں کو باہر نہیں لے جاتے ہیں۔

افغانستان میں یہ بھی کہا سنا جاتا ہے کہ راتوں میں کوہِ قاف سے پریوں کے تخت آتے ہیں اور محفل ساز و نغمہ جمتی ہے اس لئے پریوں کے سائے سے محفوظ رہنے کے لئے عملیات ضروری ہیں۔ افغانیوں کی بیٹھک میں حضرت جامیؒ کی ''لیلیٰ مجنوں'' اور دیگر شعراء کا کلام ''شیریں فرہاد'' شاہ نامے کے قصے اکثر کہے اور سنے جاتے ہیں۔ مکار آدمیوں کے لئے ''طوطا چشم'' اور ''گربۂ مسکین'' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ دشمن کو ''گرگِ آتشیں'' اور ''شتر کینہ'' کہتے ہیں اور بزدل کے لئے ''شیشہ دل'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

افغانیوں کی دعوت میں شیر مال' نان وشوربہ' زردہ' (چاول کا میٹھا) مرغ' شامی کباب اور سموسہ' پلاؤ اور فیرینی کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔

افغانستان کی بیشتر آبادی چونکہ پٹھان ہے اسی لئے آپس میں لین دین' شادی بیاہ کے لئے ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کے وقت جن امور کو پیش نظر رکھتے ہیں وہ گھرانے کی اچھی شہرت' عقائد'

دی ہے اسی طرح ملک

تقویٰ، کردار اور اچھا عمل ہیں۔ پٹھانوں کی اکثر شادیاں خود افغانستان میں غیر پٹھانوں میں بھی ضرور ہوتی ہیں۔ تاریخ خود گواہ ہے کہ پایندہ خاں برق زئی کی ایرانی بیوی، امیر دوست محمد خاں کی والدہ تھیں اور امیر دوست محمد خاں کی بیوی بنگش ہے۔ امیر عظیم خاں اور امیر افضل خاں دولڑ کے تھے اور خود امیر عظیم خاں کی بیوی جو آرمینیا کی عیسائی عورت تھی وہ بلخ کے گورنر اسحاق خاں کی ماں تھی۔ خود شاہ امان اللہ خاں کی بیوی محمود بیگ طرزی کی بیٹی تھی اور اسی طرح پٹھان لڑکیوں کی بھی دوسروں کے ساتھ شادی بیاہ کی مثالیں موجود ہیں۔ ہمارے مذہب اسلام میں نسل صرف ذریعۂ شناخت ہے نہ کہ وجہ فضیلت اگر کسی کو نسل پر فخر ہو تو یہ غیر شرعی بات ہے۔

افغانیوں کا تصوف: مشرق اور مغرب کے دانشور اس پر متفق ہیں کہ دنیا کہ دیگر ممالک کے مقابلہ میں افغانستان میں اسلام کی جڑیں نسبتاً مضبوط ہیں۔ آبادی کی اکثریت اہل سنت والجماعت ہے۔ اہل تشیع بھی یہاں پر ہیں اور انہیں قزلباش بھی کہتے ہیں۔ امیر حبیب اللہ خاں کے دور حکومت میں قادیان سے احمدی بھی اپنے عقائد کی اشاعت کے لئے یہاں پر آئے تھے۔ مگر اس وقت ہی ان کے خلاف ملک میں شدید ردِّعمل ہوا تھا۔ کابل کی بڑی مسجد میں مناظرے کے بعد احمدی عقائد کو بمنزلۂ ارتداد قرار دیا گیا تھا۔ اور پرچار کرنے والوں کو سنگسار کیا گیا۔ چنانچہ برٹش حکومت کی مدد سے سنگسار کا مسئلہ League of Nations لیگ آف نیشن جنیوا میں بھی پیش کیا گیا تھا۔

افغانستان میں تصوف کے شیدائی بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کا مسلک یہ ہے کہ عشق نے جس کو پاک کیا وہ پاک ہے۔ اور محبوب میں کھو کر دیگر تمام کو جس نے ترک کر دیا وہ صوفی ہے۔ موت کے تعلق سے نظریہ یہ ہے کہ ''زندگی کی زندگی'' ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا کی زندگی میں جو برائی ہے اس کی سراسر ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ کیونکہ اس کے ارادوں اور مادّیت کے ماحول نے برائی کو پیدا کیا ہے۔

حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام سے پہلے کے زمانے میں اسمٰعیلیہ جماعت کا ایک داعی حسن بن صباح جماعت سے کٹ کر علیحدہ ہوگیا تھا اور اس نے ایک نئے فرقے کی بناء ڈالی تھی جس کو ''باطنیہ'' کہتے ہیں اس فرقے نے ایران اور خراسان میں اپنے اثرات چھوڑے ہیں اور نظریۂ تصوف کو کافی نقصان بھی پہنچایا ہے مثلاً اس فرقہ کا غلط نظریہ یہ ہے کہ ''ہست'' کو مٹا کر صوفی جب حقیقت میں قدم رکھتا ہے تو وہ شریعت کی پابندی سے آزاد ہوجاتا ہے۔ صوفیاء کرام اور اولیاء کرام نے شریعت کی سختی سے پابندی کی ہے۔ اور عاشقانِ الٰہی نے کبھی اس کو نہیں چھوڑا ہے۔ چنانچہ افغانستان میں باطنیہ فرقے کے نظریات کی مخالفت کی گئی اور علماء نے اسے غلط قرار دیا ہے۔

خراسان وایران کے سرحدی علاقوں میں بلوچستان کی جانب آج بھی غیر متشرع لوگ بنام ''ذکری'' پائے جاتے ہیں۔ غالباً وہ باطنیہ کے نظریات سے متاثر ہوں گے۔ اور ہوسکتا ہے کہ صحیح رہبری اور رہنمائی سے محروم ہوکر یہ لوگ توہمات اور غلط تصورات میں مبتلا ہوگئے۔

اگر آج فرہ مبارک کے علاقے میں مہدوی نہیں پائے جاتے تو اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہاں پر مہدوی رہنما ور ہبر نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مہدوی کو ایسے خسارے سے محفوظ رکھے۔ آمین (بشکریہ ماہنامہ نورِ حیات مورخہ جون ۱۹۷۸ء)

محمد داؤد علی خاں علی زئی (بی اے ایل ایل بی علیگ)

سیکریٹری اینڈ لیگل اڈوائزر، دی واڑی اسٹون مارکٹنگ کمپنی پرائیویٹ لمیٹیڈ۔ واڑی (کرناٹک)

حضرت امامنا وسیدنا سید محمد جونپوری مہدیٔ الموعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام

کا سفر خراسان (افغانستان) و فرہ مبارک۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

حضرت امامنا وسیدنا سید محمد جونپوری مہدیٔ الموعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا سفرخراسان (افغانستان) و فرہ مبارک۔

﴿از شواہد الولایت حضرت بندگیمیاں سید برہان الدینؒ (فراہی) سے اختصار کے ساتھ﴾

احادیثِ نبویہؐ اور فرمانِ مصطفوی ﷺ ملک خراسان (یعنی افغانستان) کی چند خصوصیتیں ہیں جو کسی اور ملک کے لئے نہیں ہیں۔ پہلی خصوصیت، ملک خراسان (افغانستان) کی یہ کہ اس ملک کی زمین مکّہ مبارکہ اقلیم میں داخل ہے اور یہ بات علماء پر پوشیدہ نہیں ہے۔ دوسری خصوصیت یہ کہ جس طرح سے کسی آدمی کو علم وعمل کی جہت سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ''**والذین اوتوا العلم درجات فی العالم علی العابد کفضلی علیٰ سائر الخلق** ''یعنی جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے۔ان کے لئے درجات ہیں۔اور حدیثِ شریف میں ہے کہ عالم کو عابد پر فضل ایسا ہے جیسا کہ مجھے فضل، تمام خلق اہلِ زمانہ پر ہے۔ پس اسی طرح سے تمام ملکوں میں بھی کسی ملک کو فضیلت زیادتی علم ہی کے سبب ہوتی ہے۔ پس ضرورتاً ملک خراسان (افغانستان) کو بھی زیادتی علم ہی کی جہت سے خدائے تعالیٰ نے اکثر و بیشتر ملکوں پر فضیلت دی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا ہے کہ' جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تو سب چیزیں دس، دس پیدا کیں۔ اللہ نے مرّوت کو دس حصّوں میں پیدا کیا نو حصّے خراسان کو ملے اور ایک حصّہ دوسروں کو۔ اللہ نے حکمت کو دس حصّوں میں پیدا کیا ہند کو نو حصّے ملے اور ایک حصّہ دوسروں کو۔ اسی طرح اللہ نے علم دس حصوں میں پیدا کیا نو حصّے خراسان کو ملے اور ایک حصّہ دوسروں کو حاصلِ مراد یہ کہ علم ومروت جو دو صفاتِ حمیدہ اور دین حق میں

پسندیدہ ہیں،ملکِ خراسان کے حق میں بعبارتِ واضحہ مذکور ہوئی ہیں اور ہر ایک ملک ایک صفتِ محمودہ سے مخصوص کیا گیا اور خراسان دوصفاتِ محمودہ کے ساتھ بتخصیص مخصوص ہوا ہے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اگر چہ علمائے ہند اور سندھ بھی علم میں شہرۂ آفاق تھے لیکن حسد اور بے راہ روی کی زیادتی ،مروت اور انصاف کی کمی سے اُنھوں نے حق کو جھٹلایا۔اسی بناء پر حضرت مہدئ موعود علیہ السلام نے ان جھٹلانے والوں کے حق میں اس طرح فرمایا کہ ''ان عالموں اور حاکموں کے چہرے قیامت کے دن دو جہت سے سیاہ کئے جائیں گے۔اگر میں حق پر تھا تو کیوں انہوں نے حق کی مدد نہیں کی۔اور اگر میں حق پر نہیں تھا تو کیوں انہوں نے مجھ کو قید نہیں کیا۔محضرہ اور تفتیش کر کے انہوں نے مجھے قتل کیوں نہیں کر دیا۔'' اور علمائے اہلِ خراسان کے بارے،ان کے علم و مروت اور انصاف کی زیادتی اور کج روی سے محفوظ رہنے کی جہت سے حضرت امامِ جہاں علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے فرمان پہنچا کہ ''اے سید محمد تیری شانِ علمی کی داد علماء اہلِ خراسان سے دلواؤں گا۔'' بنابریں جب امام آخرالزماںؑ ملک خراسان میں تشریف فرما ہوئے تو اکثر علماءِ قندھار وخراسان' جراخانِ بکوہ اور علماء شہرِ فرہ اور فرہ کے اطراف واکناف کے تمام فضلاء اور اکثر و بیشتر باشندگانِ خاص وعام نے امام علیہ السلام کی تصدیق بتحقیق کی اور خراسان کے بادشاہ،صاحبِ تختِ ہرات،شیخ الاسلام علامۂ زماں ملّا شہ بیگ اور ان کے تمام پیروؤں نے ذاتِ پیغمبر صفاتؑ کی شانِ علم کی داد دی' مصدق ومطیع ہوئے۔ چوتھی خصوصی صفت یہ تھی کہ حضرت رسالت پناہ علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات نے فرمایا '' کیسے ہلاک ہوگی میری امّت مَیں اُس کے شروع میں ہوں' عیسیٰ اس کے آخر اور مہدی میری اہلِ بیت سے اُس کے وسط میں ہیں'' بناء بریں جس طرح حق تعالیٰ نے مدینۂ مشرفہ کو خاتم الانبیاء ﷺ کا مقامِ ظہور ہونے کی فضیلت دی ہے اسی طرح ملکِ خراسان کو حضرتِ رحمان نے خاتم الاوَلیا امام صاحب الزماںؑ کے ظہور سے مشرف فرمایا ہے۔ چنانچہ

مہدیؑ موعودؑ کا خراسان کی طرف آنا احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے مشکواۃ شریف میں ہے ’’ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے‘ کہا انہوں نے‘ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھو تم سیادت کی جھنڈیوں کو یعنی علاماتِ نبی ﷺ کو اور وہ صفاتِ حمیدہ مثلِ تسلیم و توکّل‘ فقر و فاقہ اور اللہ پر اپنے سب کاموں کو سونپنا اور تمام صفاتِ ذاتِ نبی ﷺ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رایاتِ سوٗد یعنی کالی جھنڈیوں سے مراد علامات بیانِ ذاتِ وہابُ العطعیات کے ہیں۔ کیوں کہ سیاہ رنگ کنایہ ہے تجلّی ذاتِ الٰہی کے رنگ سے بدلائلِ واضحہ (بقیہ ترجمہ حدیث) کہ ’’ خراسان کی طرف سے آئیں تو تم چلے آؤ اُن ہی میں اس لئے کہ اُنہی میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔‘‘ یہ حدیث مشاہدہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خبر معائنہ کے جیسی نہیں (سُنی ہوئی بات، دیکھی ہوئی بات جیسی نہیں) ملک خراسان کی پانچویں خصوصیت یہ کہ یہی مہدیؑ موعود صاحبِ الزماںؑ کے وصال کا مقام ہے۔ جس جگہ حضرت خاتم الاولیاؑ کا وصال واقع ہوا ہو اُس کی فضیلت ظاہر و عیاں ہے حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جب حضرت امام علیہ السلام فرہ کہنہ میں تشریف فرما ہوئے اور ملِک سکندر حاجی ملوک کیوان کی سراء میں آنحضرتؑ نے نزولِ اجلال فرمایا تو آنحضرتؑ کے آنے سے قبل ہی یہ خبر پھیل چکی تھی کہ ایک سیّد دعویٰ کرتے ہیں کہ میں ہی مہدیؑ موعود ہوں اور جملہ خلائق پر میری تصدیق فرض ہے اس زمانہ میں فرہِ عالی مقام میں بادشاہ کے وزیرِ معتبر با حشمت و مہابت مسمّیٰ میر ذون النّون ارغونؒ حاکمِ وقت تھے۔ آنحضرتؑ کے آنے سے قبل تین مدعایانِ مہدیت کو جھوٹے پا کر انھوں نے مار ڈالا تھا جب میر مذکور نے حضرت امام البرّ والبحور کے آنے کی خبر سنی اپنی جگہ انھوں نے یہ طے کر لیا ’’ اولاً میں خود شوکت و قوت و ہیبت‘ تمام لوازمِ سلطنت کے ساتھ، ساز و سامانِ جنگ، قہر و غلبہ کے آثار اور دبدبۂ بے شمار کے ساتھ جاؤں گا اس طرح تجربہ کر کے پورا امتحان لوں گا اگر ان باتوں سے وہ ڈر گئے اور ہمارے مقابلہ کی تاب نہ پائے اور ہمارا لحاظ کر کے ہماری

طرف متوجہ ہوئے تو ہم سمجھیں گے کہ وہ جھوٹے ہیں پس ان کو قتل کر ڈالیں گے۔'' چنانچہ میر مذکور نے اس واقعہ سے قبل دو تین شخصوں کی آزمائش اسی طریقہ سے کر کے قتل کر ڈالا تھا۔ اب بھی اس نے یہی سوچا کہ اگر ان کی ہیبت ہم پر چھا جائے گی اور وہ ہم سے بے نیازی سے پیش آئیں گے اور مجھے خود ان کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا تو بے شک ان کو سچے جاننا چاہیئے کہ وہی مہدیٔ موعود ہیں کیوں کہ سوائے مہدی موعودؑ کے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا پس وہ جو کچھ فرمائیں اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ پھر الصّبح جیسا کہ کہا تھا ویسا ہی کیا پہلے تو میر ذوالنون نے لشکر فراہم کر کے اس جماعت کو قتل کر دینے کا شور مچا دیا اور سزا دہی کا سامان جیسے سولیاں اور کُندے دائرے کے اطراف نصب کر دیئے گئے اس اعلان کے ساتھ کے جھوٹے ظاہر ہونے کے بعد اس طرح ان کو سزا دی جائے گی۔ جب فوجیں اس شان وشوکت کے ساتھ دائرے کے قریب پہنچیں اور وزیر کے لشکر کے نقادوں کی آواز آنحضرتؑ کے فقرأ نے سنی اور لشکر کا طمطراق اس طریق سے دیکھا کہ لشکر محض فقط قتل وخون ریزی اور غارت گری کے لئے ہی آتا ہے تو بعضے فقرأ حیرت میں پڑ گئے ایک نے اس حال کی خبر دینے کے لئے حضرت مہدیٔ موعودؑ کی خدمت میں آ کر کہا کہ بادشاہ کا وزیر اس غرض سے آیا ہے کیا تدبیر کرنی چاہیئے اس صحابیؓ پر حضرت نے غصّہ ہو کر فرمایا کہ بادشاہ ایک ہی ہے جو وزیر نہیں رکھتا اس اثنا میں لشکر آن پہنچا، تمام حجروں کو سپاہیوں نے گھیرے میں لے لیا میر ذوالنون نہایت رعب وداب لا پروائی اور ترش روئی کے ساتھ حضرت مہدی علیہ السلام کے سامنے آیا کسی نے اُس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا وہ حیران ہو کر گھوڑے سے اُتر پڑا اور اُس کے دل پر ہیبت چھا گئی اور لرزہ پیدا ہو گیا۔ مودب ہو کر بیٹھ گیا حضرت مہدی علیہ السلام نے دستورِ قدیم کے مطابق اطمینان وسکون کے ساتھ دعوت الی اللہ شروع فرمائی اور آیت ہٰذا '' **اللہ ُ ولیُّ الذینَ امنو یُخرِجُھم من الظُّلماتِ الی النُّور والذین کفرو اولیائھم الطّاغوت یُخرِجھم من النُّورِ الی الظُّلمات**

اولائکہ اصحاب النّار ھم فیھا خالدون'' o کے معنی بیان فرمائے۔اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ''خدائے تعالی دوست اور کارساز ماننے والوں کا ہے جو ایمان لائے خدا پر اور اس کے رسول ﷺ پر باہر لاتا ہے ان کو شرک وکفر، نفاق وشک کی تاریکی سے اسلام، ایمان، اخلاص اور یقین کی روشنی کی طرف اور جو کافر ہوئے اس کا دوست طاغوت ہے۔یہ شیطان کا نام ہے یعنی بہت نافرمانی کرنے والا جو نکالتا ہے ان کو اسلام، ایمان اور یقین کی روشنی سے، شرک کفر نفاق اور شک کی تاریکی کی طرف یہی دوزخی ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے'' حضرت مہدیٔ الموعود علیہ السلام کی تفسیر کو اللہ کی تعلیم سے اور اللہ کے امر سے تھی لکھی گئی ہے۔الغرض میر ذوالنون ادب کے ساتھ دعوت الی اللہ سننے لگا حضرت مہدیؑ نے فرمایا نزدیک آؤ وہ تب کسی قدر نزدیک آیا پھر آنخضرتؑ فرمایا کہ اور نزدیک آؤ تو اور زیادہ نزدیک آیا حضرت امام الابرار علیہ السلام کے دیدارِ مبارک سے اس کے دل پر ایسی ہیبت طاری تھی اور آنخضرتؑ کی دعوت سن کر اس کا دل تھرّا گیا تھا اس نے کہا'' سنا جاتا ہے کہ آپ خود کو مہدی کہلواتے ہیں اگر آپ مہدی بلحاظِ لغت ہدایت یافتہ کے ہیں تو یہ امر معقول ہے اور اگر مہدی اصطلاحی ہیں تو حجت و برہان دینا چاہیئے'' مہدیؑ نے فرمایا'' حجت و برہان دکھلانا خدائے تعالیٰ کا کام ہے۔ہمارا کام تبلیغ ہے'' یہ فرما کر پھر جو نصیحت فرمارہے تھے اسی میں آپ مشغول ہو گئے کچھ دیر کے بعد میر ذوالنون نے وہی تقریر حضرت امام الابرارؑ کے آگے دہرائی آنخضرت نے وہی جواب دیا پھر اس نے کہا کہ مہدی کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تلوار ان پر کام نہ کرے گی، آگ نہ جلائے اور پانی غرق نہ کرے۔آنخضرتؑ نے فرمایا تلوار کی صفت کاٹنا ہے، آگ کی صفت جلانا اور پانی کی صفت غرق کرنا ہے۔لیکن حدیث کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی مہدی کو مارنے پر قادر نہ ہوگا۔نقل ہے کہ میر ذوالنون نے اس گفتگو سے قبل ایک حبشی کو کہہ دیا تھا کہ جب میں آنخضرتؑ سے یہ سوال کروں تو، تو آپؑ پر وار کر دینا اگر آنخضرتؑ حق پر ہوں تو ان پر تیرا وار

کارگر نہ ہوگا اور اگران کا دعویٰ دروغ ہوگا تو ان کا سر کٹ جائے گا۔ الغرض جب حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مہدی کو مارنے پر کوئی قادر نہ ہوگا تو وہی حبشی جو اشارہ پاچکا تھا فوراً تلوار کھینچ کر ہاتھ اٹھایا تا کہ آنحضرتؑ پر وار کرے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے حبشی کا ہاتھ شل ہوکر رہ گیا۔ آنحضرتؑ پر وار کر نہ سکا اور آنحضرتؑ بدستور نصیحت میں لگے رہے کوئی تغیر آپؑ کے چہرے مبارک پر دکھائی نہیں دیا پس وہ شخص تلوار پھینک کر اپنا سر زمین پر رکھا اس کے بعد علماء میں سے ایک بڑے عالم مولانا نورکوزہ گر نے کہا کہ اگر مہدیٔ موعودؑ کا آن برحق ہے تو وہ یہی ذات ہے ورنہ اور کوئی نہیں آئے گا۔ تب میر ذوالنون اور اکثر علماء جو میر ذوالنون نے ساتھ اس مجلس میں تھے سبھوں نے اُس ذاتِ پیغمبر صفات کی مہدیت پر ایمان لایا بعد ازاں میر ذوالنون نے کہا ہم مہدی کے نوکر ہیں جہاں کہیں تلوار چلانا ہوگا تلوار چلائیں گے اور مخالفین مہدیؑ کو مار ڈالیں گے آپ مہدی ہیں اور ہم مہدی کے ناصر۔ یہ سن کر حضرت مہدیؑ نے فرمایا مہدی کا ناصر خدا ہے اور تم تلوار اپنے نفس پر مارو تا کہ تمہیں گمراہی میں نہ ڈال دے یہ ارشاد فرما کر حضرت مہدیؑ ،سلام'' علیکم کہتے ہوئے حجرے کی طرف روانہ ہوئے میر ذوالنون حضرت حبیبِ ذوالجلال کے پیچھے چلنے لگے تا کہ اجازت پاکر رخصت ہوں۔ اس وقت کسی صحابیؓ نے کہا ،میرانجی میر ذوالنون اجازت چاہتے ہیں تا کہ واپس ہوں پلٹ کر فرمایا **السلام علیکم** پھر حجرے میں تشریف لے گئے ،اور میر ذالنون صاحبِ فنون وہاں سے واپس ہوئے اس واقعہ کے بعد اکثر و بیشتر لوگ صاحبِ زماں کے مطیع ہوئے اور تحقیق کے ساتھ سب نے آنحضرتؑ کی تصدیق کی اور رسم عادت و بدعت کو ترک کیا اور آنحضرتؑ کی ہدایت پر عمل پیرا ہوئے۔ نقل ہے کہ حضرت امام مہدیؑ نے فرمایا کہ حق کی تاثیر پہلی تاریخ کے چاند جیسی ہے جو ہر روز بڑھتا ہے یہاں تک کہ کمال کو پہنچتا ہے اور باطل کی تاثیر چودھویں کے چاند جیسی ہے جو ہر روز گھٹتا ہے یہاں تک کہ ناپید ہو جاتا ہے چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو

ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تا کہ غالب کر دیوے اس کو سب دینوں پر الخ۔حاصلِ کلام میر ذوالنون صاحبِ فنون نے تمام حقیقی احوال اس ذاتِ پیغمبرؑ صفات کے' بادشاہِ عادل امیرِ عامل، فاضلِ کامل مسمیٰ مرزا حسین کو معلوم کئے اور بادشاہِ مذکور نے صدرِ صدور ِعلماء المسمیٰ مرزا شہ بیگ کو' کہ جن کا لقب شیخ الاسلام تھا جو علامۂ زماں ایسے تھے کہ سات سو شاگرد اُن کے حلقۂ درس میں تھے ،کہلا بھیجا کہ ایسا معاملہ وقوع میں آیا ہے ۔ضرورت ہے آپ اس معاملۂ مہدویت کی تحقیق فرما کر امرِ حق کو واضح فرمائیں تا کہ اس پر عمل کیا جائے ۔نقل ہے کہ اس استادِ علماء عالی مقام المعروف بلقب شیخ الاسلام نے اپنے تمام شاگردوں کو جمع فرمایا اور سب کتابیں جمع کیں پھر حکم دیا کہ آؤ اس ذات کے بارے میں جس نے مہدیت کا دعویٰ کیا ہے نفی واثبات دونوں پہلوؤں کے دلائل پر غور کریں میں اس ذات کی مہدیت کے اثبات پر دلیل لاتا ہوں اگر تم کو ذاتِ مہدیت کے ثبوت کو توڑنے دلیل ملے تو پیش کرو اس طریق سے حضرت امامِ تحقیق کے بارے میں انھوں نے مناظرہ کر کے دیکھ لیا کہ اس ذاتِ پیغمبر صفات کے دعوے کے اثبات میں کوئی دلیل ہی راجح قرار پاتی ہے۔ پھر شیخ الاسلام نے اپنے تمام شاگردانِ عالی مقام سے کہا کہ میں تمہارا استاد ہوں شائد تم کو میری رعایت ملحوظ ہو اور مدعائے مہدیت کا ثبوت جو میرے دلائل سے ہو اس کی تردید تم سے نہ ہو سکے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اثبات کے دلائل پیش کرو اور میں ان کی تردید پر غور کروں گا اس قرارداد سے دوبارہ مباحثہ محض اللہ کے لئے امام الابرارؑ کی مہدیت کے بارے میں اثبات کے بارے میں ان علماء نے کیا پھر بھی شاگردوں کی دلیل جو اثبات کی صورت رکھتی تھی استاد کی دلیل پر غالب آئی بنا بریں اس استاد مشاہیرِ علماء نے کہا کہ ہر دو درجہ سے اس ذاتِ عالی صفات کی مہدیت کے اثبات کی دلیل ہی قوی ثابت ہوتی ہے غالبًا یہی ذات مہدیٔ موعود ہے۔ان علماء نے کتبِ احادیث کا مطالعہ کیا تو مہدی کے بارے میں جو حدیثیں ہیں ان میں تعارض وتناقص پایا (بعض' بعض کے خلاف میں اور بعض

،بعض کی ضد میں نظر آ ئیں) ان سے آنحضرتؑ کے دعوے کی (جو حکمِ خدا اور کلامِ خدا کی حجت سے تھا) تر دید نہ ہوسکی ،نہایت درجہ انھوں نے کتب اصولِ فقہ سے جو بزرگانِ دین علیہ الرحمۃ و الغفران کی تصانیف سے چار تھیں ۔سوالِ علمی جن پر امام الا برارؑ کی مہدیت کا دار و مدار تھا نکال کر چار شاگردانِ با کمال علماء، باعمل صاحبانِ انصاف وتمیزِ کج روی سے دور رہنے والوں کے ذریعہ جن میں ایک ملاعلی شیروانی تیسرے ملامحمد شیروانی چوتھے ملا درویش ہراوی رضی اللہ عنھم ، تھے آنحضرتؑ کے پاس بھیجے اوران چار سوالوں کی نسبت یہ قرار دیا کہ جواب جیسا چاہیئے کہ سوائے مہدیٔ موعود علیہ السلام کے کوئی اور نہ دے گا ،آخر کار جب یہ چاروں علماء اور دوسرے علماؤں کے ساتھ پائے تخت ہرات سے نکل کر اُس ذاتِ پیغمبر صفاتؑ کے پاس آئے اور ملاقات سے مشرف ہوئے تو اس وقت حضرت خاتمِ ولایتؑ بفرمانِ رب العزّت اس آیتِ شریفہ کا بیان فرمارہے تھے۔''**و لقد زرانا لجهنّم كثيراً مّن الجن و الانس لهم قلوب لا يفقهون بها و لهم اعين لا يبصرون بها و لهم اذن لا يسمعون بها اولئک کالانعام بل هم اضّل اولئک هم الغافِلونo** ترجمہ::اورہم نے پیدا کئے دوزخ کے لئے بہترے جن اورانسان ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ اُن سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ اُن سے سنتے نہیں وہ لوگ چو پایوں کے مانند ہیں ۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ بے خبر ہیں'' جب حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام نے اس آیت کریمہ کی تفسیر اللہ کی مراد، اللہ کی تعلیم سے بندگانِ خدا کے نفع کے لئے بیان فرمائی تو آنحضرتؑ کا یہ بیانِ مبارک سن کر چاروں علماء نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دونوں جہاں کے نفع سے بہرہ منداور آنحضرتؑ کے معتقد ہوئے ۔نقل ہے کہ ملا درویش ہراوی نے اس وقت آنحضرتؑ کے سامنے گھانس کا تنکہ اپنے مُنہ میں لے کر عرض کیا کہ ہم اپنے سب علم ومعرفت کے باوجود حضرت کے روبرو مثلِ چو پایوں کے ہیں ۔اب ہم کو حق تعالیٰ آپ کے قدمِ مبارک کے صدقہ

سے انسانوں کے زمرے میں داخل فرمائے اور چو پایوں کی صفت سے نکالے۔ قصّہ مختصر یہ کہ ملا فیاض علی نے آنخضرتؑ کے حضور میں عرض کیا کہ میرانجی جو کچھ شبہات ہمارے دلوں میں تھے حضور کی ذات شریف کی برکت سے تمام دفع ہو چکے حاجت پوچھنے کی نہیں ہے۔ لیکن اگر رضا ہوتو چار سوال شیخ الاسلام کی جانب سے بھیجے گئے ہیں عرض کئے جاتے ہیں۔

پہلا سوال انھوں نے حضرت مہدیؑ موعود سے کیا یہ تھا کہ حضور خود کو مہدیٔ موعود کس دلیل سے کہلاتے ہیں؟۔ آنخضرتؑ نے جواب میں فرمایا کہ بندہ نہیں کہلاتا ہے حق تعالیٰ کا فرمان امرِ موکد کی صورت میں ہوتا ہے اسی حکم کی بناء پر کہلایا جاتا ہے علماء مذکور نے حضرت امام البرّ والبحور کے جواب کو درست کہا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ حضور (آئمہ مجتہدین کے مذاہب میں سے) کس مذہب کے ساتھ مقید ہیں؟۔ آنخضرتؑ نے جواب دیا کہ ہم کسی مذہب کے ساتھ مقید نہیں ہیں ہمارا مذہب، مذہبِ مصطفیؐ اور اتباعِ کتاب اللہ ہے۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ۔ حضور کس تفسیر پر سے بیان قرآن فرماتے ہیں؟۔ آنخضرتؑ نے جواب میں فرمایا کہ ہم کسی وقت بھی کسی تفسیر کا مطالعہ نہیں کرتے بیان کے وقت جو آیت بے واسطہ سامنے آتی ہے اور اس آیت کا بیان اللہ کی طرف سے سکھایا جاتا ہے اللہ کے امر سے اللہ کی مراد بیان کی جاتی ہے۔ چوتھا سوال یہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کا دیدار اس جہاں میں جائز ہونے پر آپ کیا دلیل رکھتے ہیں؟۔ آنخضرتؑ نے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے دو ثبوت ہیں کہ دلیل دو گواہوں سے ملتی ہے۔ یہیں، محمد رسول اللہ ﷺ اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، آنخضرتؑ نے آنخضرت نے اپنے سیدھے اور بائیں جانب اشارہ کر کے فرمایا موجود ہیں جو اس بات کے گواہ ہیں جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو اس جواب کو سن کر علماء خاموش ہو گئے ان کی دل جمعی حاصل ہوگئی ہر ایک نے اس جواب کو دل سے پسند کیا اور سب کے سب آنخضرتؑ کے مطیع ہوئے اس لئے اُنھوں نے حضرت امام آخر الزماںؑ کی ملاقات سے قبل ہی اُس ذات کے دعویٰ کے اثبات میں ان چار سوالات کے جواباتِ

مذکورہ کو مشخص کرلیا تھا کہ ان سوالات کا جواب مذکورہ جوابات کے سوا جو دے وہ مہدی موعود نہ ہوگا۔ کیونکہ علماء متبحر کے نزدیک یہ امر ظاہر و اظہر تھا کہ مہدیؑ موعود کا دعویٰ خود اُن کی ذات نہ ہوگا بلکہ فرمانِ خدائے تعالیٰ سے ہوگا، دیگر یہ بھی کہ وہ کسی مذہب کے ساتھ مقید نہ ہوں گے اس لئے کہ صاحبِ مذہب ہوں گے نیز یہ بھی کہ اللہ کے کلام کی تفسیر اللہ کے امر سے فرمائیں گے نہ کہ مجتہدین کے کلام کی موافقت میں جس میں خطا و صواب دونوں واقع ہوئے ہیں، چوتھی بات اللہ تعالیٰ کا دیدار دُنیا میں ہونے کے ثبوت کا بیان خاصہ حضرت مہدیؑ ہی کا ہے اگرچہ بعض علماء مذاہب اہلِ سنّت نے بھی جس کو جائز رکھا ہے لیکن اس کے اثابت کے بیان کی کسی میں طاقت نہیں تھی بجز حضرت مہدیؑ کے چنانچہ یہ امر ظاہر ہے۔قصّہ مختصر یہ کہ جب علماء مذکور امام نور، علیٰ نور علیہ السلام کے پاس سے آنحضرتؑ کی اجازت پاکر اٹھے تو بعض علماء نے کہا کہ حضرتؑ امام الابرار نے محمد رسول اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام سے استفسار کئے ہوتے تو بہتر تھا یہ سن کر ملّا علی فیاض نے کہا کہ مقلِد کے لئے مخبرِ صادقؑ کا قول ہی دلیل قطعی ہے اگر ہم اس رتبہ پر ہوتے تو پوچھنے کی حاجت ہی نہیں تھی ہم اسی ساعت اپنی مراد کو پہنچے اور حضرت محمد رسول اللہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کو دیکھ ہی لیتے خدا کا شکر بجالاؤ کہ تم نے استفسار نہیں کیا جو لوگ محمد رسول اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کے حضور میں حاضر تھے (ان میں سے بہت سارے) ان کے مدعا گراں قدر کو سن کر بھی مقصود کو نہیں پہنچ سکے تو اب تو وہ مقامِ لطیف و الطاف عالمِ ارواح میں ہیں ہمیں کیا خبر ہے کہ بعد استفسار کے کیا جواب ملتا اور ہم کیا سمجھتے آخرِ کار ان چاروں علماء کبار نے ہمیشہ کے لئے حضرت امام الابرارؑ کی صحبت از روئے صدق و اخلاص اختیار کی اور آنحضرتؑ کے جلیل القدر مہاجرین میں داخل ہوئے اور اُنھوں نے اپنے استادِ عالی مقام شیخ الاسلام کو لکھا کہ ہماری تمام عمر کی تحصیل اس سید کے علم کے آگے ہم نے ایسی پائی جیسا کہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور اُنھوں نے مضمون چاروں سوالات کے جوابات

لکھ کر کہلایا کہ اگر آپ چاہتے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ذات پیغمبر صفات تابعِ تام وقائم المقام آنحضرتؐ کو جس میں ایک سرِ مو شرع کا خلاف نہ پایا جائے دیکھ لیں اسی ذاتِ گرامی درجات عالی صفات، بابرکات کو دیکھ لیجئے اس گواہی پر تمام علماء عالی مقام اور خود علامۂ زماں شیخ الاسلام نے امام التحقیق علیہ السلام کی تصدیق کی اور امیرِ عادل و عامل بادشاہِ ہرات، پسندیدہ صفات مرزا حسین نے بھی علمائے کاملین کی گواہی کی تصدیق کی اور بہت سارے علماء اور امراٗ اور اکثر و بیشتر خاص و عام اس زمانے کے آنحضرتؑ کے مصدق و معتقد ہوئے خلاصۂ کلام یہ کہ امام تحقیق علیہ السلام کی تصدیق کے بعد شیخ الاسلام نے اس ذات پیغمبر صفات سے ملاقات کا ارادہ کیا اور اس ارادہ سے روانہ ہوئے وسطِ راہ میں موضع سبزوار کے قریب انھوں نے امام الابرارؑ کی رحلت کی خبر سنی بے حد ملول اور غمزدہ ہوکر انھوں نے اپنی دستار زمین پر گرادی اور کہا کہ ہائے میری کم بختی کہ میں اس ذات بزرگوار کا دیدار نہ پاسکا اسی جگہ سے وہ اپنے وطن کو واپس ہوئے اور آنحضرتؑ کی مہدیت کی انھوں نے تصدیق کی و نیز واضح ہو کہ شیخ الاسلام ملا شہ بیگ کے علاوہ خراسان کے اور بھی علماء عامل فقہاء کامل مثلاً شیخ صدرالدین خراسانی نے بھی حضرت مہدی علیہ السلام کی تصدیق کی نیز ملا حاجی محمد فرہی جو کاملین سے تھے جو آنحضرتؑ کے مصدقین میں شہرت رکھتے ہیں اور ملا درویش ہروی عالم و فاضل، عامل و کامل تھے انھوں نے آنحضرتؑ کی مہدیت کے ثبوت میں چند رسائل لکھے ہیں جن میں سے ایک رسالہ حضرت امام الابرارؑ کی مہدیت کی حجت میں ان شہروں میں مشہور ہے۔ نقل ہے کہ ایک روز حضرت امام علیہ السلام تشریف فرما تھے، ملا درویش امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرتؑ نے پوچھا میاں درویش کیا حال رکھتے ہو کہا کہ میرا حال بہت خراب ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے نفس سے کہو کہ لفظ مہدی کو اٹھا کر رکھدے جو کچھ مہدی کا حکم ہے کلامِ خدا اور کلامِ نبیؐ ہی سے ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بہتر ہے جاؤ کلامِ خدا اور

کلامِ مصطفیٰؐ پر عمل کرو اس کے بعد جو کچھ حق ہے تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ملا نے دو تین روز کے بعد حضرت امام علیہ السلام کے حضور میں آ کر بہت معافی مانگی اپنے سست اعتقاد سے رجوع کیا اور آنحضرتؑ کی مہدیت کا اقرار استواری کے ساتھ کیا۔ پس بہت سے علماء پسندیدہ احوال اور صلحاء ستودہ خصال نے دلائل وجلائل کی بناء پر ملک خراسان میں حضرت حبیب ذوالجلال کی مہدیت پر ایمان لایا اور تصدیق سے مشرف ہوئے۔

حضرت امام علیہ السلام فرہ میں تشریف لانے کے بعد نو مہینے حیات رہے حضرات بندگیمیاں سید محمود اور بندگیمیاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہما کے آنے سے قبل تین مہینے اور ان دونوں کے آنے کے بعد آپؑ کی حیات چھ مہینے ہوئی۔ ترسٹھ سال کی عمر میں، میراں علیہ السلام کا وصال ہوا۔ جب امام علیہ السلام خراسان (افغانستان) تشریف لائے تو آنحضرتؑ کے اصحابِ خاص کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسی مقام پر حضرتؑ کی رحلت ہو گی لیکن آنحضرت کے روضہ کی جگہ مشخص نہیں ہوئی تھی مگر ایک دن حضرت مہدی علیہ السلام کا آخری جمعہ تھا خود آنحضرتؑ نے اس صورت سے اپنے روضہ مبارک کی جگہ کو مشخص فرما دیا۔ چنانچہ نقل ہے کہ، ایک روز حضرت امام علیہ السلام بفرمانِ الٰہی اپنی سرأ سے قصبۂ رچ کو روانہ ہوئے اور نماز جمعہ کی ادائی کے لئے جامع مسجد پہنچے۔ آنحضرت امام آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعض مصدقین جو اہلِ خراسان سے ہیں' کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام، شیخ ابونصر فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ شیخ ابوالنصر فراہی بچوں کے ایک معلّم گزرے ہیں۔ بہرصورت جب حضرت ولایت پناہؑ اثنائے راہ میں اس جگہ پر پہنچے جہاں اس وقت حضرتؑ کا روضۂ مبارک واقع ہے تو بفرمانِ الٰہی گھوڑے سے اتر کر ایک گھڑی وہاں توقف فرمایا چونکہ دھوپ سخت تھی بنابریں آنحضرتؑ کے اصحاب نے عرض کیا میرانجی یہاں ٹھیرنے میں کیا مقصود تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ بندہ جب یہاں پہنچا تو حقِ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ

نور ورحمت کے طبق نثار کرتے میں نے دیکھے اور وہیں فرمانِ حق پہنچا کہ اے سید محمدؑ اس جگہ ایک ساعت توقف کرتا کہ تیرے ساتھی اس نور اور ظہورِ رحمت کے فیض سے بہرہ مند ہوں بالآخر آنخضرت کا روضہ اسی جگہ بنا ہے۔غرض آنخضرت اس جگہ سے روانہ ہوئے اور قصبۂ رِچ کی جامع مسجد میں پہنچے۔ یہ بات صاف اور صریح روایت سے ثابت ہے کہ اکثر علمائے فرہ آپ کی تصدیق سے مشرف ہو چکے تھے چند جو رہ گئے تھے انھوں جمع ہو کر قرارداد کیا کہ تھا آج جمعہ کا دن ہے میراں سید محمد کی مہدیت کا ثبوت طلب کرنے کے لئے ہم سب جائیں گے اور تحقیق کر کے تصدیق کریں گے۔ چنانچہ جمعہ کے دن چند علماء اپنے بعضے عوام جو بحث کے منتظر تھے جامع مسجد میں حاضر ہوئے۔اسی وقت حضرت مہدیؑ بھی بفرمانِ خدا جامع مسجد میں تشریف لائے ۔علماء نے کہا کہ ہم تو چاہتے یہی تھے کہ حضرت کے پاس جا کر حضرت سے مہدیت کے بارے میں بحث کریں گے اور بعد نماز مہدیت کی حجت طلب کی جائے گی ۔نماز جمعہ کے بعد آنخضرت علیہ السلام نے نماز وتر کی نیت بہ آواز بلند باندھ کر وتر ادا فرمائی ۔ یہ دیکھ کر اس مجموع میں ایک بڑے عالم دین جوان کے درمیان تھے کہا کہ یہ ذاتِ پیغمبر صفات ہی مہدیٔ موعود ہے۔آپ آئندہ جمعہ تک نہیں رہیں گے۔اس لئے کہ حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے بھی ایسا ہی نماز جمعہ کے بعد وتر ادا فرمائی تھی۔اور دوشنبہ دن جمعہ آنے سے قبل ہی رحلت فرما گئے ۔اب اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی ذاتِ عالی صفات مہدیٔ موعود ہے۔جس نے رسول اللہ کی پیروی کی ہے آئندہ جمعہ تک اس عالَم سے یہ بھی سفر کریں گے یہی حجت و دلیل کافی ہے۔حضرت ولایت پناہ قصبۂ رچ سے بمقام فرہ اپنے دائرہ میں تشریف لائے تو بخار کی زحمت شروع ہوگئی جو چھ یا سات روز رہا اس بخار کی حرارت کی کیفیت بعینہٖ رسول اللہ ﷺ کے بخار کی سی تھی۔نماز ظہر کے وقت بروز پنجشنبہ (جمعرات) بی بی ملکانؓ کے گھر میں بوریئے پر حضرت خاتمِ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بتاریخ ۱۸ / ذیقعدہ ۹۱۰ ہجری مطابق 24 / اپریل 1505ء بروز

پنجشنبہ (جمعرات) اس جہانِ ناپائیدار سے سفر فرمایا۔ جس حالت میں اور جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تھا اسی طرح حالتِ بخار اور فرشِ زمین بوریئے پر آنحضرتؑ کا وصال ہوا۔ چنانچہ کتاب ترمذی کے باب دوم در بیان برہانِ مہدی میں اشارہ ہے کہ ''ارطاۃ سے روایت ہے، کہا انھوں نے نبی علیہ السلام سے یہ روایت آئی ہے کہ مہدی اولاد فاطمہ بنتِ رسول اللہ ﷺ سے ہوں گے جن کی حیات پانچ سال ہوگی پھر وہ اپنے فرش پر وفات پائیں گے پھر ایک مرد اولادِ فاطمہؓ سے نکلے گا جو سیرتِ مہدی پر ہوگا اس کی خلافت کی مدت بیس سال ہوگی، پھر وہ ہتھے ار سے جنگ کر کے شہید ہوگا'' اگر کسی کو اس حدیث میں شک ہو تو وہ کتاب ترمذی میں دیکھ لے۔

امام علیہ السلام کی تجہیز و تکفین آنحضرتؑ ہی کی قیام گاہ پر ہوئی۔ جب جنازہ تیار کر کے نکلے تو شرفائے اہلِ فرہ و رچ کے درمیان سخت اختلاف اور جھگڑے کی صورت نمودار ہوگئی ان دونوں علاقہ کی جماعتیں یہ چاہتی تھیں کہ حضرت کی قبر مبارک ان کے علاقہ کی زمین پر ہو۔ اہلِ فرہ کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت امام علیہ السلام نے ہماری زمین پر اقامت فرمائی ہے جب کہ اہلیانِ رِچ یہ کہتے تھے ولایت پناہؑ نمازِ جمعہ کے لئے رِچ میں تشریف لاتے تھے۔ ہم بھی مصدقین و مخلصین امام ہیں آنخضرتؑ کا روضہ اپنے علاقہ کی زمین میں بنائیں گے۔ بمقابل فرہ رچ کا قبیلہ کافی طاقتور تھا۔ یہ اختلاف و نزاع اس حد تک بڑھا کہ ان دونوں قبائل کے درمیان تلواریں کھنچ گئیں۔ حضرت امام علیہ السلام نے اپنے وصال پر ان دونوں قبائل کے درمیان معرکہ آرائی کی پیشن گوئی کی تھی اور فرمایا کہ میرے جنازے کو ایک اونٹ پر باندھ کر چھوڑ دینا جہاں اونٹ ٹھیر جائے وہیں دفن کر دینا۔ لیکن حضراتِ سیدین سید محمود ثانی مہدی اور سید خوندمیر اور وہاں موجود تمام اصحابِ مہدی رضوان اللہ علیہا نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا جنازہ اٹھا کر روانہ ہوں گے جہاں کہیں حکم ہوگا جنازہ ٹھیر جائے گا روضہ

وہیں بنائیں گے۔ چنانچہ جب جنازہ اٹھا کر فرہ کی قدیم عیدگاہ پہنچے نماز جنازہ ادا کی (اب تک بھی وہ عیدگاہ ملک سکندر حاجی کی سرا اور روضۂ امامنا کے درمیان واقع ہے) یہاں سے حضرت ولایت پناہ مہدی موعود علیہ السلام کا جنازہ اٹھا کر چلے اور جب فرہ اور رچ کے درمیان امام آخرالزماںؑ کا جنازہ اس قدر گران بار ہوگیا کہ کوئی اس کو وہاں سے ہٹا نہ سکا تب سب صحابہ نے قرار دیا کہ آنحضرتؑ کی روضہ کی جگہ یہی ہے۔ اس فیصلہ سے دونوں قبائل نے اتفاق اور خوشی کا اظہار کیا۔ جہاں روضہ ہے وہاں ایک خوشنما اور دلکش باغ واقع تھا مالکِ زمین نے اس کو اپنی خوش بختی خیال کیا اور یہ جگہ راہِ للہ روضہ کے لئے دے دی۔

نعت در شان خاتمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلّم

از علامہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ

ooooo

یـا صَـاحِـبُ الـجَـمَالُ وَ یـاُ سَـیِّـد اَلُبَشَـرُ
مِـنُ وَجُهِکَ الـمُـنِیُـرُ لَـقَـدُ نُـوُرَ الـقَـمَـرُ
لَایَـمُـکِـنُ الثَّـنَـاءُ کَـمَـا کَـانَ حَـقَّـهُ
بَـعُـدُ اَزُ خُـدا تُـو ئـی قِـصَّـهُ مُـخُـتَـصَـرُ

نعت در شان خاتمِ ولایت محمدیہ علیہ السلام

از خان علامہ محمد سعادت اللہ خان صاحب ہوشؔ مندوزئی علیہ الرحمہ

ooooo

یـا صَـاحِـبُ الـوِلَایَة یَـا هَـادِیَ اَلُبَشَـرُ
اَز جَـلُـوَه تُـو جُـمـلَـه جَهَانُ گَشُتَه جَلُوَه گَرُ
لَا یُـدُرِکُـالـعُـقُـوُلُ کَـمَـا کَـانَ وَصُـفَـهُ
هَـم پَـایَـهٔ رَسُـوُلُ تُـوئـی قِـصَّـه مُـخُـتَـصَـرُ

سفرنامہ فرہ مبارک

افغانستان۔۱۳۴۱ ہجری مطابق ۱۹۲۳ء

مصنّف

جناب محمد علی خاں صاحب جالوزئی (گتہ دار)

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿سلام﴾

بہ حضور الانام امامنا حضرت سید محمدؑ مہدیٔ الموعود خلیفۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

از طرف حضرت پیرو مرشد سید محمد حسین شاہ میاں صاحبؒ قبلہ۔ دائرہ نو

سلامے از فقیریؔ بینوائی	حضور مہدیؑ خیر الورائی
سلام بہ نیازی کمترینی	حضور شافعؑ یوم الجزئی
حضور بادشاہِ دین و دُنیا	سلام خاکسارے بے نوائی
غلام کمترینیم از غلاماں	بنامِ پاکِ تو جانم فدائی
گدائی درگہہِ پاکِ تو ہستم	مرا بہر خدا بنما لقائی
فقیرم پُر گناہم شرمسارم	بذاتِ قُدس تو گیرم پناہی
غیر ہم خستہ حالم جانِ زارم	بکن بر حالِ زارِ من نگاہی
غریب خستہ درماں از تو خواہد	خدارا خستہ گانِ راہ دوائی
خدارا رحم کن بر خستہ حالم	کہ تو ہستیؔ جہانِ راہ نمائی
زَ مشکلِ جانِ زارِ من فنا است	بکن حل مشکلم مشکل کشائی
گدائیؔ درگہہِ پاکِ تو ہستم	نگاہی لطف فرما بر گدائی
سلام از عاصیانِ خستہ جاناں	حضور شافعؑ یوم الجزئی
بفضلِ خویش روزِ حشر یا رب	مرا محشور کن زیرِ لوائی
بدامانِ نقد تصدیق تو دارم	ندارم زادِ عقبٰی ما سوائی
شدم قاصر بہ تعمیلِ فرامین	شدم در ماندہ از یادِ خدائی
غلامم اِک نافرمانم آقا	دل دارم دلِ درد آشنائی

مسیحایٔ دلِ بیمار ہستی
دلِ بیمار دارم کن دوائی

ہمی دارم دلِ درد آشنائی
مسیحایٔ ز لُطفی دہ دوائی

فتادم بر درتِ یا مہدیٔ دین
بدہ از نورِ ایمانم عطائی

زَ صرفِ از خُلقِ آحمد بود موصوف
کہ بودی ہم شبیہِ مصطفائی

سلامی از گروہِ پُر شکوہ است
حضور مہدیٔ خیر الورائی

سلامِ مومنانِ ہندیاں است
پیشِ شافعٔ روزِ جزائی

برحمتِ یاد کن ایٔ خواجۂ دین
ز بہر مصطفیٰؐ بہرِ خدائی

سلام از تابعان و اہلِ تبعین
بہ در گاہِ امام الاوٓلیائی

بدِل بِشنِو سلامِ من کہ ہستم
غریبے خستہ حالے بے نوائی

بکن آسان ز لُطفِش مشکلِ دین
امامِ مہدیؑ مشکل کشائی

حسینؔ خستہ دِل لُطفِ تو خواہد
کہ لُطفِ شاہ باید بر گدائی

یہ سلام بتاریخ ۱۶/ذیقعدہ ۱۳۴۱ ہجری مطابق یکم جولائی ۱۹۲۳ء بروز یکشنبہ فرہ مبارک (افغانستان) میں مجموعِ کثیر میں پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿سلام﴾

بہ حضور الانام امامنا حضرت سید محمد مہدیٔ الموعود خلیفۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

منظوم ترجمہ از ڈاکٹر حضرت سید علی اطہر صاحب یداللّٰہی

سلام ہے ایک فقیرِ بے نوا کا		غلامِ مہدیٔ خیر الوریٰ
سلام با نیازِ کمترین ہے		کرم ہو شافعٔ یوم الجزا کا
حضور بادشاہِ دین و دُنیا		سلام ہے خاکسارِ بے نوا کا
غلاموں میں غلام کمترین ہوں		فدائی ہوں شاہِ حق نما کا
رخِ پُر نور کا دیدار بخشیں		سوال ہے بادشاہا اس گدا کا
فقیر پُر گناہ ہوں و شرمسار ہوں		مگر نسبتِ کرم ہے کِبریا کا
فقیر خستہ حال و خستہ جاں ہوں		ہوں محتاج اِک نگاہِ جانفزا کا
فقیر خستہ ہے جویائے درماں		تمہارا عشق درماں ہر بلا کا
خدا کا واسطہ فرمائیے رحم		رہِ حق میں ہوں طالبِ رہنما کا
میرے مشکل کشا ہو آساں		تم ہی ہو آسرا ہر مُبتلا کا
گدا ہوں نگاہِ لُطفِ شاہا		گدا ہوں در گہِ شاہِ ہُدیٰ
سلام عاصیانِ خستہ جاناں		ہو مقبول اس شفیعٔ دوسرا کا
الٰہی حشر میں تیرے کرم سے		رہے سایہ مرے سر پر لِوا کا
تیری تصدیق ہی نقد و متاع ہے		یہی ہے زادِ عقبٰی پُر خطا کا
ہوں تعمیلِ فرامین سے میں قاصر		ادا حق کب کیا یادِ خدا کا
غلام ہوں اور نافرمان آقا		رہے پاس اس دِلِ درد آشنا کا
مسیحا تم دلِ بیمار کے ہو		دلِ بیمار محتاج دوا کا

دلِ درد آشنا رکھتا ہوں آقا	دلِ بیمار طالب ہے دوا کا
مرے مہدیؑ میں در پہ آگیا ہوں	ہوں سائل نورِ ایماں کی عطا کا
تم ہو ہم خُلقِ احمدؐ میرے آقا	مثنّٰی ہو جمالِ مصطفیؐ کا
سلام عرض ہے گروہِ پُرشکوہ کا	کرم ہو مہدیؑ خیرالوریٰ کا
سلامِ مومنانِ ہندیاں ہے	کرم ہو شافعؑ یوم الجزا کا
کریں رحمت سے یاد اۓ خواجۂ دیں	ملے صدقہ رسولؐ و کبریا کا
سلامِ تابعان و پیرواں ہے	ہے نذرانہ امام الاولیا کا
سنو دل سے سلامِ شوق شاہا	فقیرِ خستہ جاں و بے نوا کا
کرم سے کیجئے آساں مشکلِ دین	کرم ہو مہدیؑ مشکل کشا کا
حسینؔ خستہ خواں ہے کرم کا	کہ حق ہے لُطفِ شہِ پر اس گدا کا

کیا ہوں ترجمہ اطہرؔ بہ امّید
کرم مجھ پر بھی ہو شاہِ ہُدیٰ کا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ علٰى سَيِّد الْمُرْسَلِيْنَ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْن رَحْمَة للعالمين مُحَمَّدنِ الْمُصْطفى اَحْمَدنِ الْمُجْتَبىٰ وَ علىٰ سَيِّدنا مُحَمَّدَنِ الْمَهْدِيِّ الْمَوْعُوْدِ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ اِمَامِالْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْن وَ علىٰ آلِهِمَا وَ اَزْوَاجِهِمَا وَ اَصْحَابِهِمَا وَالتَابِعِيْن وَتَبَع الْتَابِعِيْنَ اَجْمَعِيْن.

عرض حال

محترم ارباب ملت ۔ بعد ادائی شکر ذوالجلال وقادرِ مطلق جو دلی مقاصد وتمناؤں کا برلانے والا ہے ۔ بندہ عرض پرداز ہے کہ اکثر برادران قوم کے اصرار پر میں نے اس سفر نامہ کو لکھنے کی جرأت تو کی مگر کم حوصلگی کی وجہ قدم ڈگمگانے لگے ۔ پھر اقتضائے محبت وعقیدت نے میرا حوصلہ بڑھایا۔لہذا میں نے ''السعیٰ مِنّی والا تمام من الله '' کہکر اس کارخیر میں قدم رکھا اور محض افادۂ قوم کو پیش نظر رکھ کر اس کو شروع کیا۔خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس پر بھروسہ کر کے شروع کرنے کی وجہ اس قادر قدیر نے اس مشکل امر کو آسان کر دیا کہ اہل زبان حضرات سے بھی بعض اوقات لغزش ہوجاتی ہے چنانچہ داغ دہلوی لکھتے ہیں کہ۔

نہیں کھیل ائے داغ یاروں سے کہدو
کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے

ایسی صورت میں جبکہ خاکسار اہل زبان تو کجا بلکہ زباندانی میں کچھ بھی استعداد نہ رکھتا ہو تو کیا امید ہوسکتی ہے کہ ایسا شخص کتاب لکھنے کی جرأت کرے اور غلطیاں واقع نہ ہوں ممکن ہے کہ ربط عبارت واصطلاحات ومحاورات وغیرہ میں غلطیاں واقع ہوئی ہوں لہذا آپ

حضرات سے امیدوار ہونگہ براہ کرم نظرانداز فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

حضرات میں نے اس کتاب کو لکھنے کا بیڑا اس وجہ سے اٹھایا ہے کہ سفر فرہ مبارک کے حالات اور وہاں کے چشم دیدہ واقعات کو آپ حضرات کے سامنے جو مشتاقان ذکر میراں علیہ السلام ہیں تفصیل کے ساتھ پیش کروں یوں تو متعدد جلسوں میں یہ واقعات بالا جمال بیان کردئے گئے تھے جن کو اکثر حضرات قوم نے سنا ہے مگر سرسری طور پر سنے ہوئے حالات وواقعات اکثر ذہن سے نکل جاتے ہیں اور نیز جو حضرات ان جلسوں میں شریک نہیں تھے ان کی واقفیت کا اس کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ میں اس سفرنامہ کو برادران قوم کے آگے پیش کرنے کی زیادہ تر اس لئے بھی ضرورت سمجھتا ہوں کہ بعض تجربے جو مجھے خود اس سفر میں ہوئے ہیں ممکن ہے کہ ان سے کچھ نہ کچھ فائدہ ان حضرات کو پہونچے جو آئندہ اس مبارک سفر کا قصد کریں۔

زائرین سلف کے مختصر حالات

ناظرینِ کرام اس سے پیشتر بھی چند عاشقانِ مہدی علیہ السلام' اس زمانے میں جب کہ سفر کے لئے موجودہ سہولتیں نہ تھیں بلکہ راستہ کی حالت مخدوش اور ہر قدم پر جان ومال کا خطرہ تھا۔ پیدل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے حضرتؑ کی زیارت سے سعادت اندوز ہوئے ہیں۔ اس موقع پر ان بزرگوں کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا جن کو حضرت امامؑ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جہاں تک قومی کتب تواریخ سے پتہ چلتا ہے سب سے'

پہلے زائر حضرت بندگی میاں سید برھان الدینؒ

مصنف دفتراول، دوم و شواھد الولایت:-

آپ بندگی میاں سید قاسمؒ مجتہد گروہ کے ہمعصر ہیں۔ آپ زمانہ دراز تک فرہ مبارک میں قیام پذیر رہنے کے بعد بعزم حیدرآباد دکن تشریف لا رہے تھے۔ لیکن ہندوستان

میں یہ معلوم کر کے کہ ۱۰۴۳ھ میں حضرت مجتہد گروہؓ کا وصال ہو گیا۔ آپ نے دکن کا ارادہ فسخ کر دیا اور واپس فرہ مبارک تشریف لے گئے اور وہیں رحلت فرمائی ۔ آپ کی مزارِ مبارک حضرت میانجی صاحبؒ (نیا دائرہ) نے اپنے نقشہ میں گنبد اقدس کے باہر بتلایا ہے (اور یہی صحیح ہے۔ آپ کا مزار امام علیہ السلام کے روضہ باب الداخلہ کی سیدھی جانب ہے) حضرت سید میراںؒ صاحب نے اپنے مکتوب میں برآمدہ کے اندر بتلایا ہے۔ ممکن ہے گنبد کی تعمیر کے وقت بندگیمیاں سید برہان الدینؒ کے مزار کو باہر کر دیا گیا ہوگا۔ نقول سے ثابت ہے کہ آپ کے زمانۂ قیام میں ہزار ہا اہلِ افغان نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ۔

دوسرے زائر حضرت بندگی میاں سید میراںؒ ھیں: ۔

آپ حضرت بندگی میاں سید علیؒ ستون دین صاحبِ حظیرہ مدک پلی، موضع نظام آباد دکن کے پوتے ہیں۔ آپ کا زمانہ حضرت مجتہد گروہؓ کے زمانے سے ربع صدی بعد کا ہے۔ حضرت بندگی میاں سید میراںؒ کا ایک مکتوب جو آپ نے فرہ مبارک سے حضرت بندگی میاں سید یعقوبؒ و حضرت بندگی میاں سید شہاب الدینؒ کے نام روانہ فرمایا تھا۔ حضرت حسین شاہ میاں صاحب قبلہ (دائرہ نو) کے پاس موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے ایک سال وہاں قیام فرمایا اور حضرت امام علیہ السلام کے روضۂ مبارک کی مرمت بھی کروائی اور وہاں باغ وغیرہ بھی لگائے ۔ راستہ کا حال بھی درج فرمایا ہے۔ اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے اس حالیہ سفر میں راستہ کی حالت میں زیادہ تغیر نہیں پایا۔ اُس مکتوب کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ترجمہ از فارسی: قندھار سے قافلہ کے ساتھ بیس روز میں فرہ کو پہنچے۔ راستہ ویران ہے اور قندھار سے فرہ تک اکثر لوگ حضرت امام علیہ السلام کے مرید ہیں اور سنّی ہیں اور شکار پور سے فرہ تک ہرگز بغیر قافلہ کے نہ جائیں ملک قندھار اور فرہ میں چھ ماہ تک بسبب برف باری سفر نہیں کر سکتے۔ فقیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے امامؑ کے قدموں میں ایک سال رہا ہے

اور درگاہِ معلّیٰ کی مرمت اندر اور باہر سے کی گئی۔قدیم رنگ پر قلعی کی گئی تھی۔فقیر نے از سرِ نو کام کیا ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔قدیم درگاہ کے ساتھ انگور، انجیر، اور انار کے باغ تھے۔باغِ انگور کچھ مدت سے ویران ہو گیا تھا اس فقیر نے از سرِ نو اس باغ کو تیار کیا اور انگور و انار کے درخت لگوائے اور اسی نمونہ کے باغ خرید کر درگاہِ معلّیٰ کی نذر کیا جو درگاہ سے متصل ہے۔حضرت اس مکتوب میں تربت میراں علیہ السلام و گنبد وغیرہ کا عرض وطول بھی بتایا ہے۔گنبد کی بلندی بھی درج کی ہے۔گنبدِ اقدس سے قریب جانبِ جنوب کسی بادشا (سلطان یگان شاہ) کا، اپنے لئے بنایا ہوا ایک اور گنبد جو خالی تھا اور اس میں مسافر ٹھیرا کرتے تھے۔چنانچہ حضرت بندگیمیاں سید میرانؒ بھی اسی گنبد میں ایک سال تک قیام پذیر رہے اور اس کی مرمت بھی کروائی لیکن اس وقت یہ گنبد بلکل ناپید ہے۔نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مبارک سفر میں حضرت ممدوح کے ہمراہ آپ کی والدہ ماجدہ اور ایک بی بی جن کا نام حضرۃ صاحبنیؒ صاحبہ تھا اور آپ کے اہل وعیال تھے۔ چنانچہ خط کے آخری فقرہ سے ظاہر ہے۔وہوا ھٰذا ''از طرف حضرت والدہ، صاحبنی بی بیؒ واز فقیر بخدمت پھوپی صاحبہ سلام از طرف اہلِ خانہ بہ معہ فرزندان فقیر قدم بوسی رسید و فرزندانِ شما سلام رسد،،

تیسرے زائر (جماعت) کے ایک مرشد :-

ایک مرشد میاں سید ہاشم، دوسرے میاں سید علی تیسرے فقیر ابراہیم وغیرہ ہیں۔

چوتھے زائر حسین خان صاحب جبہ زئ :-

پانچویں زائر: حضرت ابجی میاں صاحبؒ اہل ہستیرہ نبیرۂ بندگی میاں سید میرانؒ زائر دوم از اولاد بندگی میاں سید علی ستون دین رحمتہ اللہ علیہ۔آپ کے فرہ مبارک جانے کی یہ وجہ ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے گنبد کی کہنگی کی کیفیت زائرین سوم و چہارم کی زبانی حضرت سیدا میاں صاحبؒ (عرف سیدا صاحب۔دائرہ ٹوّ) کو معلوم ہونے پر آپ نے ایک

ہزار پانچ سو روپیہ فراہم کر کے حضرت ابجی میاں صاحب پانچویں زائر کو ان کی حسب خواہش مبارک روانہ فرمایا۔ تیسرے، چوتھے، پانچویں زائرین کی کیفیت حضرت میاں نواز خاں صاحبؒ کو دستیاب ہوئی ہیں اس کا ضروری اقتباس درج ذیل کیا ہے۔

ترجمہ ازفارسی: نقل ہے کہ ایک مرشد میاں سید ہاشم فرزندِ میراں علیہ السلام اور ایک مرشد میاں سید علی فرزندِ بندگیمیاں اور ایک فقیر سید ابراہیم ملکِ دکن سے براہِ حج بیت اللہ شریف پہنچ کر فریضۂ حج ادا کیا اور وہاں سے ملک گجرات آ کر گجرات کی زیارت کرتے ہوئے میراں علیہ السلام کی زیارت کے لئے جیسلمیر ہوتے ہوئے ہسترہ پہنچے براہِ ہسترہ زیارت بندگیمیاں سید نجم الدینؒ دائرہ کلاں آئے برائے ملاقات سیدا میاں صاحب نیا دائرہ تشریف فرما ہوئے اور حج اور زیارت کی کیفیت بیان کی۔ مجاورانِ درگاہ آنحضرتؑ سے نان ریزہ گزرانہ کیا گیا مجاوران نے کہا کہ روضۂ منورہ بہت پرانہ ہوگیا ہے اور مرمت درکار ہے۔

اس نقل کے بعد نقل ہے کہ حسین خاں ولد محراب خاں جبہ زئی ساکن ہسترہ جو گھوڑوں کی تجارت کے لئے قندھار گئے ہوئے تھے اور وہاں سے میراں علیہ السلام کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں میراں علیہ السلام کی عقیدت و محبت کی وجہ سے چند مہینہ درگاہ والا میں کیا اور زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ مجاوران شاہ میر اور دیگر لوگ محمد صادق خواجہ زادہ زمیندار اور حسین خاں صاحب سے بسبب مریدی بہت دوستی اور اخلاص ظاہر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندوستان میں فرزندانِ میراں علیہ السلام مرشدی کرتے ہیں۔ کیا کوئی ہے کہ روضۂ منورہ کی مرمت کروائے۔ اس کے بعد حسین خان صاحب واپس آ کر درگاہ حضرت میراں علیہ السلامؑ و مجاوران میراں علیہ السلام و ملکِ خراسان و ساکنانِ فرہ کی تمام کیفیت حضرت سیدا میاں صاحب کو بتائی۔ حضرت نے فرمایا کہ روضۂ منورہ رسول اللہ اور روضۂ منورہ مہدی مراد اللہ کا کام کرنا دونوں ثواب میں برابر ہیں اور کوئی شخص محبت میں ایسا کرے اس پر

آتشِ دوزخ حرام ہے۔اول دوسوروپیہ اپنے پاس سے دیا اور اپنے لوگوں سے اس معروضہ کا اظہار کیا اپنے فقیروں کو اس مبارک کام (تعمیرِ روضہ) کے لئے فرہ بھیجیں گے اگر کسی کو توفیق ہوتو خوش نصیبی اور ابدی سعادت ہے۔اس کے بعد چار سوروپیہ شہاب خاں دولت زئی اور سو روپیہ داراب خاں دولت زئی اور اسی طرح جن جن کو توفیق ہوئی اپنی حیثیت کے موافق جملہ ایک ہزار پانچ سو کی رقم جمع ہوگئی۔اس کے بعد میاں سید ابجی میاں صاحب نے فرمایا کہ میں روضہ مبارک کی زیارت اور مرمت کیلئے فرہ جاؤں گا۔سیدا میاں صاحب نے فرمایا کہ اگر تم اس کام کے لئے جانا چاہتے ہوتو یہ تمہاری خوش نصیبی ہے عبدالرؤف ومیاں سلیم خاں صاحب اور اسمعیل بھائی پہلے ہی سفر کر چکے تھے۔ابجی میاں ایک ساتھ ہوکر فرہ روانہ ہوئے ۔میاں صاحب میاں نے ایک خط میاں نور محمد مہدوی (ساکنانِ سندھ) کے نام تمام کیفیت اور روضہ مبارک کی مرمت کروانے کے بارے میں ان لوگوں کے ذریعہ روانہ کیا اور ایک خط خواجہ صادق زمیندارِ فرہ اور ایک خط آقا میر مجاور روضۂ مبارک کے نام بھیجا۔اس کے بعد سلیم خاں اور اسمعیل بھائی ،میاں نور محمد سے ملاقات کر کے ان کو خط دیا۔نور محمد نے اپنے ارکان دولت سے کہا کہ ان لوگوں کو ہماری سرکار سے روزانہ دوروپیہ برائے خوراک بھیجدیں ان لوگوں نے قبول نہیں کیا کہ روزانہ ادائی ہمیں منظور نہیں انہوں نے پھر بیس روپیہ بھیجے وہ بھی قبول نہیں کئے۔نور محمد نے کہا آپ کی روش کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم فقیران متوکّل ہیں اگر ہم کسی کے پاس جائیں اور وہ فتوح دے تو ہم قبول نہیں کرتے اور جو کچھ ہمارے دائرے پر اللہ کے نام سے آتا ہے وہی قبول کرتے ہیں۔اس کے بعد ان کے مقام پر اپنے ملازم کے ہاتھ سے بیس روپیہ روانہ کئے اور ان لوگوں کی روانگئی فرہ کے وقت ایک سوروپیہ بھی گزرانے ۔نقل ہے کہ ملکِ خراسان کے ایک بڑے حصّہ میں یہ غلغلہ برپا ہوا کہ ہندوستان سے مہدوی لوگ روضہ منورہ میراں مہدیؑ موعود علیہ السلام کی زیارت اور مرمت کے لئے آئے ہیں۔وہاں کے اکثر

لوگ بہت خوش ہوئے اور بہت خاطر مدارات فرماں برداری کی کیونکہ وہ میراں علیہ السلام کے ارادت مند تھے اور وہاں میّت دفن کرنے لایا کرتے تھے۔

چھٹے زائر: حضرت سید نصرت عرف میانجی صاحبؒ ہیں جو بندگی میاں سید میراںؒ ابن حضرت خاتم المرشدؒ کے پوتے ہوتے ہیں۔آپ نے ایک مختصر سی تحریر حالات فرہ مبارک کے متعلق چھوڑی ہے اس سے واضح ہے کہ آپ ۲۱/ ربیع الاول ۱۲۲۰ھ مطابق 19/ جون 1805ء بروز چہارشنبہ فرہ مبارک پہونچے اور اسی روز زیارت سے مشرف ہوئے آپ کے ہمراہ بارہ (۱۲) اور حضرات بھی تھے جن کے منجملہ اچھوجی میاں صاحب وعارف خان صاحب وعنایت خان صاحب کے نام آپ نے اس خط میں تحریر فرمائے ہیں۔حضرت جس روز فرہ مبارک پہونچے اسی روز وہاں کے ایک ملا صاحب سے جن کا نام حاجی ملا محمد تھا حضرتؑ کے مہدی موعود ہونے کے متعلق ایک دلچسپ مکالمہ ہوا۔حضرت نے ان ملا صاحب کو بعض کتب بھی دی تھیں۔حضرت کی واپسی کے وقت ملا صاحب موصوف مشرف بہ تصدیق ہوئے۔اس مکتوب میں ملا صاحب کی تصدیق کے متعلق جو واقعہ درج ہے اس کا یہاں بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ ملا صاحب مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے لیکن یہ اس وقت تک مرید نہ ہوئے جب تک کہ میں فرہ مبارک سے واپس نہ ہونے لگا اصل واقعہ فارسی میں لکھا ہے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: کہ جب بھی وہ (ملا صاحب) آتے تو مجھ سے بڑی عقدت اور محبت سے پیش آتے اکثر لوگ ان سے کہتے کہ تم میاں صاحب کے مرید کیوں نہیں ہو جاتے ۔جب بندہ روضہ کی سمت چلا تو ملّا صاحب اپنے لئے ایمان کی دعا کے طالب ہوتے کہ خدارا میرا ایماں سلامت رکھے۔میں روضہ مبارک کی طرف رخصت ہوا۔داخلِ روضہ ہوا اور میں نے دعا کی

کہ یا الٰہی بفضلِ لطف وکرم ان (ملا صاحب) کو ایمان وتصدیق مہدیؑ کی توفیق عطا فرما پس اللہ تعالیٰ نے صدقۂ نبیؐ ومہدیؑ کے، دعا قبول کی اور ایسی کی کہ جب بندہ روضہ کے باہر نکلا تو ملا صاحب کو وہاں موجود پایا انہوں نے کہا کہ میں نے میراں علیہ السلام کی تصدیق کی ہے اور ایمان لے آیا پس انہیں روضہ کے اندر لے آیا اور مرید کرنے کے بعد ذکرِ خفی کی تعلیم دی۔ آپ بہ مقام احمد آباد، میاں سید راجو شہیدؒ کے پائین دفن ہیں۔ حضرات یہ واقعہ بزرگان سلف کی دعا کے اثر کا ایک نمونہ ہے۔ سبحان اللہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کے وقت استجابت خود کھڑی آمین کہہ رہی تھی یا یوں کہئے کہ استقبال کے لئے آ رہی تھی۔

اس مکتوب میں حضرت نے یہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ فرہ مبارک کے باشندوں اور اطراف و اکناف کے لوگوں کے علاوہ دور، دور سے لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آتے اور قدم بوسی حاصل کر کے خواستگارِ دعا ہوتے اس وقت کے بادشاہ ہرات کو بھی آپ کے وہاں قیام پذیر ہونے کی اطلاع ہو چکی تھی اور وزیرِ **شام** (سیریا) کے بھائی نے حضرت کے ہمراہیوں سے ملاقات کر کے یہ عرض کی تھی کہ اگر سید یہاں آئیں تو بندہ کے لئے باعثِ کرم ہوگا سید اگر خود یا اپنے ہمراہ ایک سو ساتھیوں کو بھی لے آئیں اور بارہ سال بھی یہاں قیام فرمائیں تو ہم خوش آمدید کہیں گے۔

ساتویں زائر: حضرت عالم اچھا میاں صاحبؒ تھے اور بعض حضرات بھی آپ کے ہمراہ تھے جن کے منجملہ آپ کے صاحبزادے حضرت سید نجم الدین صاحبؒ حضرت خواجہ زادے میاں صاحب اہل ہستیڑہ اور اچھا میاں صاحبؒ تھے واپسی میں مقامی (گجراتی) لوگوں سے اور آپ سے مذہبی نزاع ہوگئی اور حضرت خواجہ زادے میاں صاحب اہل ہستیڑہ وہیں شہید اور مدفون ہوئے۔ آپ کا زمانہ بھی تقریباً ایک صدی قبل کا ہے۔ آپ کا مدفن **دھولخہ** علاقہ گجرات میں ہے۔

آٹھویں زائر: حضرت خواجہ زادے میاں صاحبؒ عم حضرت اللہ بخش میاں صاحب مرحوم سکندر آبادی تھے۔ یہ سفر حضرت ممدوح نے تقریباً ۱۲۹۰ھ میں کیا تھا لیکن **گرشک** تکپہو نچنے کے بعد حضرت سید محمد تاجدار کی زیارت کی (یہ حضرت عہد عباسیہ میں گزرے ہیں لیکن ٹھیک تاریخ معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ آپ کا لقب تاجدار کیوں ہوا) حضرت امامؑ کے ہمنام ہونے کی وجہ حضرت خواجہ زادے میاں صاحبؒ کو یہ خیال ہوا کہ حضرت سیدنا امام علیہ السلام کا یہی مزار مبارک ہے۔ کچھ روپیہ بھی حضرت کے ساتھ تھا جس سے گنبد کی تعمیر کروائی اور وطن لوٹ آئے۔ یہاں آنے کے بعد جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت میراں علیہ السلام کے مزار مبارک پر تو گنبد موجود ہے اور مزار مبارک **گرشک** میں نہیں بلکہ **فرہ** مبارک میں ہے تو سخت ملال ہوا۔ مگر عالی ہمت ایسے تھے کہ تقریباً دس (۱۰) سال کے بعد پھر بہ ارادۂ فرہ مبارک چل کھڑے ہوئے اور اس دوسرے سفر میں ٹھیک منزل مقصود پر پہونچ کر زیارت سے مشرف ہوئے ’’آفرین باد برین ہمت مردانہ تو‘‘ اس سفر میں آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ زادے میاں صاحب اہل سورت بھی ہمراہ تھے۔ اس زمانہ میں ریل سیوی (سبی۔ پنجاب میں ایک مقام کا نام) تک جاری ہو چکی تھی۔ برادران قوم یہ وہ سچے عاشقان مہدی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تھے جنھوں نے حضرت کی زیارت کی شوق میں سہولت سفر کا خیال تو درکنار اپنے جان و مال کی بھی پرواہ نہ کی۔ اُن زمانوں میں تو ذرائع آمد و رفت مفقود اور خطرات کا ہر چہار طرف سے ہجوم تھا۔ چند میل کی مسافت بھی جب خدشہ سے خالی نہ تھی تو کہاں یہ مہینوں کی راہ۔ مگر یہ انہی بزرگوں کی ہمت تھی کہ مصیبتیں برداشت کیں۔ تکالیف اُٹھائیں حتی کہ جانیں تک قربان کیں ایک وقت نہیں دو مرتبہ سفر کیا اور منزل مقصود کو پہونچے۔

☆☆☆

اب میں آپ کو اپنے سفر کا حال سناتا ہوں۔

اب میں آپ کو اپنے سفر کا حال سناتا ہوں۔ابتداً ۱۳۲۳ھ میں چند حضراتِ قوم کو حضرت امام علیہ السلام کی زیارت کا شوق پیدا ہوا جن میں سے اس وقت بجز حضرت پیر و مرشد سید محمد حسین شاہ میاں صاحب قبلہ (دائرہ نو) کے تمام اس دار فانی سے ملک بقا کو سفر کر گئے ہیں۔اس موقع پر ان حضرات کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا یعنی حضرت ممدوح کے علاوہ حضرت حاجی میاں صاحب اہل کالا ڈیرہ، حضرت خواجہ زادے میاں صاحب اہل دائرہ کلاں، حضرت اچھا میاں صاحب اہل ہمناباد، عیسیٰ میاں صاحب ہاتھیوں والے اور فقیر سعدی خان صاحب اس خیال کے شریک تھے چنانچہ اس کے چند روز بعد سوائے حضرت حاجی میاں صاحب کے یہ تمام اصحاب خداوند عالم پر بھروسہ کر کے بلدہ حیدرآباد دکن سے روانہ ہوئے اور چمن (پاکستان' افغانستان کی سرحد) تک تو' بہ سہولت پہونچے۔وہاں سے آگے بڑھنے کے لئے پاسپورٹس کی ضرورت تھی اور حضرت موصوف نے پاسپورٹس حاصل نہیں کئے تھے۔مجبوراً واپس آنا پڑا۔اس وقت سے کئی مرتبہ پاسپورٹس کے لئے درخواست کی گئی لیکن ہر وقت عطائے پاسپورٹس سے انکار ہوتا رہا مگر ان حضرات کو بھی حضرت امام علیہ السلام کی زیارت کا شوق اس درجہ تھا کہ باوجود پیہم انکار کے کبھی کسی موقع پر جب پاسپورٹس کے حاصل ہونے کی کچھ بھی توقع ہوتی ایک جدید درخواست اس کے لئے روانہ کر دیا کرتے۔خدائے قدیر ہر شخص کی دلی تمناؤں کو برلانے والا اور مسبب الاسباب ہے اور اسی پر بھروسہ کیا گیا تھا اور اس کے حبیب کی زیارت کا سچا شوق دل میں جوش زن تھا اس لئے اب تمنائے دیرینہ برآنے کی صورت پیدا ہوئی یعنے اخبار ''الامان'' نگینہ مورخہ ۲۹/ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ م ۳۰ رنومبر ۱۹۲۱ء اس معاہدہ اتحاد باہمی کی نقل دیکھی گئی جو حکومت افغانستان اور سرکار عظمت مدار کے مابین ہوا تھا۔اس نقل کے دیکھنے سے

نہایت مسرت ہوئی اور میں بھی حضرت ممدوح سے ملا اور اپنی خواہش زیارت کا اظہار کیا چنانچہ فوراً ایک درخواست عطائے پاسپورٹس کے متعلق محکمہ معتمد صاحب عدالت وکوتوالی امور عامہ سرکار عالی (ہوم سکریٹری) پر بتاریخ ۵/ اردی بہشت ۱۳۳۱ف م ۹/ رجب ۱۳۴۱ھ مطابق دوشنبہ 26 رفبروری 1923ء پیش کی گئی اور پیروی بھی نہایت دلچسپی سے ہونے لگی محکمہ مذکور سے کارروائی دفتر کوتوالی بلدہ پر تصدیق نیک چلنی کے لئے روانہ کی گئی اور یہاں سے بعد تصدیق معتمدی مذکور کو بھیجی گئی۔ پھر یہاں سے بغرض حصول پاسپورٹس محکمۂ سیاسیات پر منتقل کی گئی اس محکمۂ آخرالذکر سے ہمیں ایک ایک فارم بغرض خانہ پری دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ ہر ایک اپنے فوٹو کی تین تین کاپیاں معہ تین روپیہ سکہ کلدار داخل کرے چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی غرض بعد طے مراتبہ ضابطہ فہمایش نامہ ہوم سکریٹری مورخہ ۴/ آبان ۱۳۳۲ف ملا کہ پاسپورٹس آ گئے ہیں حاصل کر لئے جائیں دفتر صاحب عالی شان بہادر سے ہدایت ہوئی ہے کہ قونصل جنرل افغانستان شملہ یا بمبئی سے پندرہ روپیہ کابلی (آٹھ آنے کلدار) فیس ادا کر کے پاسپورٹس پر تصدیق کرالی جائے حضرات جب خدا کے یہاں سے وقت آتا ہے تو سالہا سال کی کارروائی یوں چند مہینوں میں طے پا جاتی ہے یعنی اس کارروائی کو تاریخ درخواست سے جملہ چھ مہینے کا عرصہ گزرا تھا کہ ہمیں پاسپورٹس (پروانۂ راہداری) مل گئے۔ اب ہمیں اس جانب سے اطمینان تو ہوا لیکن اس بات کی تشویش تھی کہ کونسا موسم اس سفر کے لئے موزوں ہے اور کس راستہ سے جانے میں سہولت ہوگی وغیرہ۔ چنانچہ اس کے متعلق حضرت یعقوب میاں صاحب نے ایک خط جناب سید منور صاحب بی۔ اے مقیم بمبئی کو لکھا اور جناب موصوف نے بتاریخ ۲۴/ سپٹمبر ۱۹۲۲ء مطابق ۱۲/ صفر ۱۳۴۱ھ یہ جواب دیا کہ ''حسب خواہش آپ کے قونصل گیری افغانستان سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ معلوم کرنا چاہیں وہ تحریراً دریافت کر سکتے ہیں جس کی بناء پر میں نے ایک درخواست قونصل گیری مذکور میں بھیج دی ہے جواب آنے پر

اطلاع دی جائے گی‘ صاحب موصوف نے جو درخواست لکھی تھی اس کا اقتباس درج ذیل ہے ’’افغانستان کے اس علاقہ میں موسم سرما کب شروع ہوتا اور کب تک قائم رہتا ہے اور اس میں شدت کب رہتی ہے اور وہ کون مہینے ہیں جن میں عموماً برف باری ہوتی ہے، موسم بہار کب شروع ہوتا اور کب تک قائم رہتا ہے اور کون سے مہینہ دکن کے باشندوں کے لئے موزوں ہونگے کہ وہ سفر کرسکیں، نیز اس جانب موٹر سرویس جاری ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ چند روز انتظار کرنے کے بعد ایک اور درخواست بتاریخ ۲۰/ اکٹوبر ۱۹۲۲ء قونصل گیری پر بطور یاددہانی روانہ کی جس کا جواب تین روز بعد بذریعہ مراسلہ بلا تاریخ یہ ملا کہ آپ کی درخواست مورخہ ۲۰/ اکٹوبر پہونچی اس سے قبل کوئی درخواست آپ کی وصول نہیں ہوئی جو کچھ آپ دریافت کرنا چاہتے ہوں مفصل لکھ کر دریافت کیجئے‘‘ چونکہ مولوی سید منور صاحب نے اپنی درخواست میں صرف یاددہانی کی تھی کوئی تفصیل نہیں بتلائی تھی لہذا ایک اور درخواست بتاریخ ۳/ نومبر ۱۹۲۲ء قونصل گیری مذکور پر پیش کی جس کا مضمون بعینہٖ پہلی درخواست ہی جیسا تھا بعد ازاں انہیں بتاریخ ۲۱/ نومبر ۱۹۲۲ء یہ جواب ملا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو تو کسی روز نو اور گیارہ بجے کے درمیان محکمۂ قونصل گیری افغانستان تک قدم رنجہ فرمائیں تو (لیکن سوائے روز دوشنبہ و جمعہ کے) قونصل صاحب آپ سے بخوشی ملیں گے اگر ممکن ہو تو اطلاع دیجئے کہ آپ کون سے روز تشریف لائیں گے‘‘۔ ’’بندہ ۳۰/ نومبر کو قونصل صاحب سے ملا فرہ مبارک جانے کے لئے تین راستے بتلائے گئے ہیں (۱) وہ کہ جو **کوئٹہ** سے **دُزّآب سیتان، برجندہ، ہرات** ہوتے ہوئے **فرہ** مبارک پہونچتا ہے۔ (۲) وہ جو **پشاور** سے **کابل** ہوتے ہوئے **فرہ** مبارک پہونچتا ہے (۳) وہ راستہ جو **کابل** سے **قندھار** جاکر **فرہ** مبارک پہونچتا ہے۔ موسم کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ اکثر مارچ تک برف باری رہتی ہے اور موسم بہار اور گرما اپریل سے جولائی تک رہتے ہیں۔ پس یہی موسم اہل دکن کے لئے موزوں ہے‘ اور اس خط

میں انہوں نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ’’قونصل صاحب کی یہ رائے ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی ایک مختصر سوانح بزبان فارسی تیار کروا کر روانہ کریں تاکہ حاکم فرہ کو روانہ کی جائے۔ ۳۱/فبروری ۱۹۲۳ء کو ’’مختصر سوانح حضرت امام علیہ السلام‘‘ مولفہ مولوی سید محمد تقی صاحب کی ۱۴ جلدیں صاحب موصوف کی خدمت میں روانہ کیں۔ پھر صاحب موصوف کا ایک خط مورخہ ۳۰/ مارچ ۱۹۲۳ء وصول ہوا کہ آج میں قونصل صاحب سے ملا آپ یہ سن کر خوش ہونگے کہ حاکم فرہ کا جواب آ گیا اور سفیر صاحب پاسپورٹوں پر دستخط کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ موسم برف باری ختم ہوکر موسم بہار شروع ہوگیا ہے۔ میری رائے میں اب آپ دیر نہ کریں اللہ پر بھروسہ کر کے جلد روانہ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ‘‘ ہمیں بھی اس خبر کے سننے سے بہت خوشی ہوئی۔ چونکہ ماہِ رمضان شریف بالکل قریب آ گیا تھا اس لئے یہ مناسب نہیں خیال کیا گیا کہ راستہ میں یہ مہینہ گزارا جائے نیز سفر کی تیاری بھی پوری نہیں ہوئی تھی لہٰذا رمضان شریف میں کامل تیاری کر لی گئی اور بعد عید ۲/ شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ مطابق 19/ مئی 1923ء بروز شنبہ کو ہم اسٹیشن نامپلی (حیدرآباد) سے اپنے مبارک سفر پر روانہ ہوگئے اب میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا۔ سب سے پہلے مرشدنا عالم علم شریعت و معرفت حضرت سید شہاب الدین صاحب قبلہ اور دوسرے عالی جناب سید نجم الدین صاحب برادر حضرت ممدوح نے جو اپنا عزیز وقیمتی وقت اس سفرنامہ کے ملاحظہ وتصحیح میں صرف فرمایا ہے اس کے شکریہ کی ادائی میں ناچیز کی زبان قاصر ہے۔ اب میں اس عرض حال کو ختم کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ بطفیل خاتمینؑ میری اس مذہبی خدمت کو میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنا۔

فقط خادم قوم

محمد علی خان جالوزئی (گتہ دار)

ساکن محلّہ چنچل گوڑہ، حیدرآباد دکن۔ ۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ م ۴/ فبروری سہ شنبہ ۱۹۲۴ء

۲/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۱۹/مئی ۱۹۲۳ء:-

روز شنبہ بوقت ساڑھے پانچ ساعت شام ہم اسٹیشن حیدرآباد نام پلی سے روانہ ہوئے۔ گیارہ بجے واڑی گئے اور ساڑھے گیارہ بجے یہاں سے ٹرین مارچ ہوئی۔

۳/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۰/مئی ۱۹۲۳ء

شب یک شنبہ ۱۱ بجے بمبئی پہنچے۔رات ہونے کی وجہ ہم نے اسٹیشن بوری بندر پر ہی ٹھیر جانا چاہا لیکن پولیس مسافرین کے ٹھہرنے میں سختی سے مانع ہوتی ہے۔مسافر کو چاہیئے کہ کسی ہوٹل یا مسافر خانہ کو چلا جائے۔ ہم یہاں سے مسافر خانہ حاجی اسمٰعیل واقع بھینڈی بازار کو ذریعہ وکٹوریہ فٹن روانہ ہوئے۔اس مسافر خانہ کے نگران کار و منتظم نہایت خلیق آدمی ہیں۔گاڑی سے ہمارا سامان اُتروایا اور ہمارے قیام کے لئے دوسری منزل پر ایک کمرہ مہیا کردیا۔

۴/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۱/مئی ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ کو میں اور سید قاسم صاحب اہل دائرہ نو جناب سفیر صاحب افغانستان کے بنگلہ پر گئے، ملاقات نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ آپ تفریحاً بیرون بمبئی تشریف لے گئے ہیں۔

۵/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۲/مئی ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ کو ہمیں کوئی کام نہ تھا اس وجہ سے جانی میاں صاحب وغیرہ سے (جو بغرض حج بیت اللہ جارہے تھے) ملنے کی غرض سے کموسیٹھ کے مسافر خانہ کو گئے۔

۶/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۳/مئی ۱۹۲۳ء

روز چہارشنبہ کو میں یعقوب میاں صاحب وسید قاسم صاحب ذریعہ ٹرام گرانٹ روڈ گئے اور پھر یہاں سے سفیر صاحب کی قیام گاہ پر پہنچے۔اس وقت سفیر صاحب موجود تھے۔آدمی نے ہمارے آنے کی اطلاع صاحب موصوف کو دی۔جواب میں کہلایا کہ آپ ٹھیرئے میں ابھی آتا ہوں۔معلوم ہوا کہ کسی کام میں مصروف ہیں۔۱۵ منٹ کے بعد تشریف لائے۔ بعد مصافحہ

کرنے کے کرسیوں پر ہم بیٹھ گئے اور اس طرح مختصراً گفتگو ہوئی۔

سفیر صاحب: مزاج شریف

میں: جناب کی عنایت

سفیر صاحب: کہاں کا ارادہ ہے

میں: فرہ مبارک کا جس کی کارروائی جناب کے یہاں سے طے ہوئی ہے

سفیر صاحب: ہاں سید منور صاحب کہاں ہیں

میں: آج کل وہ وطن گئے ہوئے ہیں

سفیر صاحب: آپ کے پاسپورٹس کہاں ہیں

میں: اس وقت ہمارے پاس نہیں ہیں

سفیر صاحب: آپ کے فوٹوز مجھے چاہیئے

میں: ہمارے فوٹوز پاسپورٹس پر چسپاں ہیں

سفیر صاحب: مجھ کو علٰحدہ فوٹوز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ چاروں اصحاب کا ایک گروپ فوٹو بھی ہو تو کافی ہے

میں: پھر ہم کب حاضر ہوں

سفیر صاحب: آپ کل دس بجے مجھ سے مل سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہم سفیر صاحب سے مصافحہ کر کے رخصت ہوئے۔

۷/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۴/مئی ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ کو ہم نے جدید فوٹوز تیار کروا کر وقت مقرر سے کسی قدر پہلے سفیر صاحب کے یہاں پہونچ گئے۔ معتمد صاحب سفارت سے ہماری پہلی ملاقات ہوئی۔ ہمارے آنے کی اطلاع معتمد صاحب نے جناب سفیر صاحب کو دی اس وقت کوئی اور صاحب آئے ہوئے تھے

جن سے سفیر صاحب گفتگو میں مشغول تھے۔اس اثناء میں معتمد صاحب سے ہم نے یہ دریافت کیا کہ حاکم فرہ نے ہماری فرہ آنے کی نسبت کیا جواب ادا کیا ہے۔معتمد صاحب نے فرمایا کہ کوئی تفصیلی جواب نہیں آیا بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ انہیں (یعنی ہمیں) فرہ آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔معتمد صاحب سے ہم نے خواہش ظاہر کی کہ آپ حاکم فرہ کے نام ہمیں تعارفی خط دیجئے تا سہولت بہم پہونچے۔لیکن معتمد صاحب نے سفیر صاحب سے خط کے متعلق کہنے کا وعدہ کر کے کمرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ٹھیک دس بجے سفیر صاحب کمرہ ملاقات میں تشریف لائے ہم نے آپ سے مصافحہ کیا اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔پھر سفیر صاحب نے معتمد صاحب کو بلوایا اور مجھ سے فرمایا کہ آپ کس راستہ سے فرہ جائیں گے۔میں نے عرض کیا کہ جناب جو راستہ مقرر فرمائیں اور جس میں سہولت ہو غالباً سید منور صاحب سے آخری ملاقات میں قندھار کا راستہ بتلایا گیا تھا اور اس سے پہلے **بر جیوند**(جس کو **بیر جان** بھی کہتے ہیں) کا راستہ بھی بتلایا گیا تھا اور ارشاد ہوا تھا کہ کوئٹہ سے روزانہ موٹر بھی جاتی ہے اگر اس راستہ سے فرہ قریب ہوتا ہو تو ہم اسی راستہ سے جانا پسند کرتے ہیں۔معتمد صاحب نے کہا کہ آپ کوئٹہ پہونچنے کے بعد راستہ کی سہولت کے متعلق پورے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں گے۔

سفیر صاحب ہم سے فوٹوز کی کاپیاں لے کر اندر تشریف لے گئے معتمد صاحب نے ہمارے پاسپورٹس پر شرح تصدیق درج کی اور اس پر سفیر صاحب کی دستخط لی۔چونکہ آج کل سکہ کابلی کا نرخ بڑھ گیا ہے اس وجہ سے بجائے (۷) کے (۹) روپیہ سکہ انگریزی فی کس فیس پاسپورٹ لی گئی۔تقریباً دو گھنٹہ کا عرصہ اس کارروائی میں صرف ہوا۔اس اثناء میں ہم محمد فاضل صاحب منشی سفارت خانہ سے گفتگو کرتے رہے۔

جب پاسپورٹس کی کارروائی حسب ضابطہ تکمیل پاچکی تو سفیر صاحب باہر تشریف لائے۔میں نے آپ کا شکریہ ادا کیا۔آپ نے فرمایا خدا آپ کا سفر خیریت سے پورا کر کے واپس

لائے۔اس کے بعد ہم رخصت ہوکر اپنے مقام پر واپس آئے۔ چونکہ اب بمبئی میں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی لہذا اسی روز شام کے ۵ بجے بسواری وکٹوریہ فٹن اسٹیشن کولابہ کو روانہ ہوئے۔ یہ اسٹیشن بھی خاصہ وسیع ہے چونکہ ان دنوں یہاں گرمی زیادہ تھی اس لئے اسٹیشن پر برقی پنکھے چل رہے تھے۔ہم نے یہاں سے راست کوئٹہ کا ٹکٹ لے لیا۔ٹرین ٹھیک ۸ بج کر ۲۰ منٹ پر روانہ ہوئی اور ۸ بج کر ۱۵ منٹ پر صبح احمد آباد پہونچی۔ یہاں سے چھوٹی لائن (میٹر گیج شروع ہوتی ہے اس لئے بمبئی والی بڑی گاڑی چھوڑ دینی پڑی) یہ گاڑی ۹ بجے کر ۱۵ منٹ پر روانہ ہوئی یہاں اس امر کا اظہار کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احمد آباد سے فرسٹ وسکنڈ کا نصف اور تھرڈ کلاس کا ایک پورا ڈبہ ٹرین میں لگایا جاتا ہے جو براہ ''مارواڑ جنکشن'' سیدھے حیدرآباد سندھ وکراچی جاتا ہے اس جانب جانے والے مسافرین کو چاہیئے کہ وہ اس ڈبے میں بیٹھ جائیں۔مارواڑ جنکشن پر گاڑی بدلنے اور سامان منتقل کرنے کی زحمت اٹھانی نہ پڑے۔

بارہ بجے دن کو ہم میسانہ جنکشن پہونچے حضرت حسین شاہ میاں صاحب قبلہ (دائرہ نو) کا ارادہ ''پٹن شریف'' تشریف لے جانے کا تھا اس لئے ہم نے یہ سلسلۂ سفر توڑ کر پٹن کا ارادہ کیا ہمارے ساتھ چونکہ سامان زیادہ تھا جس کی وجہ سے تکلیف ہورہی تھی اسٹیشن کے قریب ہی جو ہوٹل واقع ہے اس میں ہم نے اپنا زائد سامان کچھ کرایہ ادا کرکے رکھوادیا۔ پٹن جانے والی ٹرین تیار کھڑی تھی اور ہمیں سامان رکھوانے میں کسی قدر عرصہ ہوا پس ٹرین چھوٹ گئی۔ ناچار شام کے ۴ بجے تک دوسری ٹرین کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا۔ یہ ہوٹل جس میں ہم نے سامان رکھوایا اور ۴ بجے تک ٹھہرے رہے گو مختصر سا ہے لیکن آرام دہ ہے نیز اور ایک ہوٹل حدود اسٹیشن میں ہی ہے لیکن وہاں سامان رکھنے کا طریقہ نہیں ہے۔ چار بجے کی ٹرین سے ہم روانہ ہوئے اور ۶ بجے پٹن شریف پہونچے۔ شہر پٹن فصیل سے محصور ہے اندرونی آبادی گنجان ہے۔ البتہ بیرونی آبادی انگریزی طرز کی کھلی آبادی ہے مکانات بھی بمبئی کے مکانات کی وضع کے بنے ہیں۔

اسٹیشن سے حظیرہ مبارک (حضرت سید الشہداء بندگی میاں سید خوندمیرؒ) تک دو گاڑیاں کرایہ پر لی گئیں کیونکہ ادھر کی گاڑی بہت چھوٹی ہوتی ہے شہر میں، میں اور یعقوب میاں صاحب بعض ضروری اشیاء کی خریدی کے لئے ٹھہر گئے اور حضرت معہ سید قاسم صاحب کے حظیرہ مبارک کو روانہ ہوئے۔ نماز عصر شہر کی ایک مسجد میں ادا کی اور ضروری اشیاء خرید کر کے روضہ کو ہم بھی روانہ ہوگئے۔ روضہ کی کنجی جو وہاں کے محافظ کے پاس رہتی ہے اس وقت ہمدست نہ ہوسکی کیونکہ محافظ اپنی کسی ضرورت پر شہر گیا ہوا تھا۔ روضہ سے متصل جو باغ ہے اس کا باغبان شہر جا رہا تھا ہم نے اس کے ذریعہ محافظ روضہ سے کنجی منگوائی جورات کے دس بجے لائی گئی طویل سفر کی وجہ سے ہم لوگ بہت تھک گئے تھے بعد نماز عشاء رات بھر خوب گہری نیند سوئے۔

پٹن شریف کے زائرین کو اپنے ہمراہ زیادہ سامان رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں اگر صرف بستر ہی رکھیں تو کافی ہے کیونکہ حضرت خوب میاں صاحب پالن پوری نے زائرین کے آرام کے لئے سب ضروری سامان مہیا کر رکھا ہے۔ چنانچہ ہم کو بھی اس سے بہت آرام ملا۔ اس وقت روضۂ مبارک کی باؤلی میں پانی کم ہوگیا تھا اس لئے متصلہ باغ سے ہم نے پانی لیا۔ اس باغ کی باؤلی کے ساتھ ایک وسیع اور خوش وضع حوض بنا ہے جس کی وجہ سے پانی لینے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔ مزار مبارک پر چڑھانے کے لئے اس باغ میں پھول علی العموم مل سکتے ہیں۔

۸/ شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۵/ مئی ۱۹۲۳ء

روز جمعہ کو ہم پٹن پہونچے تھے اور ۱۰/ شوال کو یہاں سے سویرے روانہ ہوئے اُسی روز ۱۰ بجے میسانہ جنکشن پہونچ گئے۔ اور پھر بارہ بجے یہاں سے اپنے اصلی سفر پر روانہ ہوئے۔

ٹرین میں احمد آباد سے پالن پور تک مسافرین کی کثرت تھی۔ زیادتی سامان کی وجہ سے ہمیں بھی تکلیف محسوس ہورہی تھی۔ اس ٹرین میں پالن پور جانے والے دو تین مسافر ہم سے ملے اُن میں ایک صاحب مسمّی ولی محمد بن حاجی رسول بھی تھے۔ ہم نے اُن سے کہا کہ اگر آپ

ہمارا ایک صندوق (جوزائدازضرورت خیال کیا گیا) جناب دادامیاں صاحب ساکن پالن پور کے یہاں پہونچا دیں تو مہربانی ہوگی۔اس پر وہ صاحب از راہ کرم رضا مند ہوگئے۔لہذا ہم نے صندوق معہ اخراجات بار برداری اُن کے حوالہ کردیا۔گاڑی ۲ بجے پالن پور پہونچی اور وہ صاحب ہم سے رخصت ہوئے۔

مکان سے رخصت ہوتے وقت ہم نے یہ خیال کر کے کہ اگر زیادہ سامان ساتھ رکھا جائے تو آرام بھی زیادہ ملے گا،ضروری غیر ضروری بہت سامان رکھ لیا تھا۔لیکن بجائے آرام کے تکلیف اُٹھانی پڑی۔اخراجات بھی زیادہ لاحق ہوئے۔زائرین کو چاہیئے کہ حتی الامکان اپنے ساتھ ضروری اور مختصر سامان رکھیں۔

ڈھائی بجے ٹرین پالن پور سے روانہ ہوئی یہاں سے کوہ آبو(Mount Abu Rajisthan) قریب نظر آرہا تھا۔یہ اسٹیشن خوش نما اور کافی وسیع ہے۔روٹی سالن چائے وغیرہ اس قسم کی خوردونوش کی اشیاء اسٹیشن پر ملتی ہیں۔آخر ہماری ٹرین چھ بجے مارواڑ جنکشن پہونچی۔ یہاں پر اُن مسافرین کوڈبے بدلنا پڑتا ہے جوحیدرآباد سندھ جانے والے ڈبہ میں سوار نہ ہوگئے ہوں۔کیونکہ یہ ٹرین سیدھے دِلی چلی جاتی ہے۔ہم نے نماز عصر مغرب جنکشن پر ہی ادا کی اور ۷ بجے کے بعد اُس ٹرین میں سوار ہوگئے جو حیدرآباد سندھ جاتی ہے۔اس ٹرین میں ہمارے ساتھ کوئٹہ چلنے والے چند پٹھان بھی سوار ہوئے۔یہ اصحاب نہایت خلیق تھے جوحضرت حسین شاہ میاں صاحب قبلہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور درخواستگار دعا ہوتے تھے۔

۱۱/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۸/مئی ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ کو ہم بوقت ظہر حیدرآباد سندھ پہونچے۔یہ صوبہ سندھ کا صدر مقام ہے۔شہر کی آبادی بہت گنجان ہے۔یہاں گرمی بہت شدت سے ہوتی ہے۔گرمی کے سبب تمام مکانوں پر ہوا کے لئے ہوادان یا چمنیاں (وینٹیلیٹرس) بنائی جاتی ہیں۔یہاں زیادہ عرصہ ٹھہرنے کا ہمیں

موقع نہیں ملا اس وجہ سے میں اس شہر کی نسبت کچھ زیادہ لکھ نہیں سکتا۔ یہاں سے کراچی کوئٹہ کی گاڑی پر سوار ہو کر براہ ''رٹھوری جنکشن''، و، سکھر سیبی کو گئے۔

۱۲/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲۹/مئی ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ کو صبح کے پانچ بجے ''**سیبی**'' پہونچے اس مقام کو یہاں کے لوگ سیوی کہتے ہیں لیکن انگریزی کتب اور نقشہ جات میں سیبی لکھا جاتا ہے۔ نہ معلوم صحیح نام کیا ہے۔ یہاں بھی گرمی نہایت شدت کی تھی۔ اس مقام پر پہلی مرتبہ عہدیداران سی۔ آئی۔ ڈی (خفیہ پولیس) نے ہمارے پاسپورٹس کی تنقیح کی۔ ایک گھنٹہ کے بعد ٹرین جانب ''کوئٹہ'' روانہ ہوئی اور شام کے چار بجے کوئٹہ پہونچی۔ سیبی سے **کوئٹہ** تک پہاڑ کی چڑھائی ہے۔ اسٹیشن ''**آب گم**'' سے ٹرین کو دو انجن لگائے جاتے ہیں اس پر بھی رفتار بہت سست رہتی ہے۔ متعدد مقامات پر بڑی بڑی سرنگیں (Tunnels) پہاڑوں میں کاٹی گئی ہیں شائد آخری سرنگ کا نمبر ۲۲ تھا۔ بعض سرنگوں کے دونوں دہانوں پر آہنی پھاٹک نصب کئے گئے ہیں جو بلحاظ ضرورت کھولے اور بند کئے جاتے ہیں۔ اُن پھاٹکوں پر سنتری بھی متعین ہیں۔ باوجود دو انجن لگائے جانے کے بھی بعض بلند مقامات پر ٹرین دس دس پانچ پانچ منٹ کھڑی ہو جاتی ہے اور انجن پھر زور کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ اکثر مقامات میں ایسا کیا گیا ہے کہ اُس پٹری کے علاوہ جس پر ٹرین چلتی ہے ایک اور پٹری اس کے بازو بازو اونچی سطح کے لیول میں کچھ فاصلہ تک مسطح بنائی گئی ہے۔ جب انجنوں کی طاقت ٹرین کو بلندی پر چڑھانے میں ناکافی ثابت ہوتی ہے تو ٹرین کو پیچھے ہٹا کر اس مسطح پٹری پر لایا جاتا اور پھر یہاں سے آگے بلندی پر چڑھایا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ یہاں ٹرین اُس آسانی سے نہیں چڑھ جاتی جیسی کہ کھنڈالا گھاٹ یا دوسری معمولی بلندیوں سے گزر جاتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن گھاٹیوں کی بہ نسبت یہ چڑھائی بہت زیادہ ہے۔ اس راستہ کا منظر اور نشیب و فراز دیکھنے سے اللہ کی قدرت کا ایک عجیب و غریب نظارہ آنکھوں

میں پھر جاتا ہے۔ان پہاڑی گھاٹیوں میں بعض بعض مقامات پر خانہ بدوش گروہ بھی نظر آتے ہیں ۔ یہ راستہ طے کرنے کے بعد کوئٹہ پہونچے جو بڑا پر فضاء مقام ہے یہاں موسم سرما میں کثرت سے برف باری ہوتی ہے۔تمام پہاڑ برف سے ڈھنک جاتے ہیں جب ہم یہاں پہونچے ہیں تو باوجود موسم گرما ہونے کے اس قدر سردی تھی جیسی کہ موسم سرما میں حیدرآباد میں ہوتی ہے۔

یہاں کے باشندوں سے سنا گیا کہ زمانہ برف باری میں دو ماہ کے لئے لوگ سبی چلے جاتے ہیں ۔اس مقام پر گورنمنٹ برطانیہ کی فوجی چھاؤنی ہے ۔ ہوائی جہازوں کا بیڑا جابجا مشق پرواز کرتا نظر آ رہا تھا ۔ یہاں کے باشندے پشتو ۔بلوچی ۔اُردو ۔فارسی وغیرہ مختلف زبانیں بولتے ہیں ۔ یہاں بھی محکمہ سی ۔آئی ۔ڈی کے آفیسروں نے ہمارے پاسپورٹس کی تنقیح کی ۔ اُنہیں افسروں نے سواری کے لئے ہمیں ٹانگے لے دئے اور ٹانگے والوں سے ہمیں سرائے میں اُتارنے کے لئے کہا۔اسٹیشن پر بکثرت ٹانگے کھڑے رہتے ہیں جن میں نہایت عمدہ تیز رفتار گھوڑے جُتے ہوتے ہیں ۔ یہاں ایک سرکاری سرائے اسٹیشن سے متصل بنی ہے جو بہت خوش نما اور دومنزلہ ہے ۔صفائی کا انتظام بھی معقول ہے ۔پہلی منزل کے کمرہ کا کرایہ ۲۴ گھنٹے کے لئے ۴/ (چارآنے) اور دوسری منزل کے کمرہ کا آٹھ آنے لیا جاتا ہے کیونکہ اس ثانی الذکر کمرہ میں مختصر سا فرنیچر بھی رہتا ہے۔

شہر بہت خوبصورت ہے سڑکیں وسیع ہیں جن کی دونوں جانب سایہ دار درخت لگائے گئے ہیں ۔ یہ مقام قالین اور میوہ جات کی تجارت کی منڈی ہے جو ایران اور افغانستان سے درآمد ہوتے ہیں ۔

۱۳/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۳۰/مئی ۱۹۲۳ء

روز چہارشنبہ کو میں اور یعقوب میاں صاحب محکمۂ سی ۔آئی ۔ڈی (خفیہ پولیس) کو

پاسپورٹس تصدیق کرالانے گئے۔افسران متعلقہ نے حضرت حسین شاہ میاں صاحب قبلہ وسید قاسم صاحب کوبھی دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔چونکہ ہماری قیام گاہ سے یہ محکمہ کچھ زیادہ دورنہیں تھااس لئے یعقوب میاں صاحب فوراًجاکرحضرات ممدوح کواپنے ساتھ یہاں لائے۔ہماری تصاویر کے ساتھ ہمارامقابلہ اورشناخت کرلی گئی۔اور پاسپورٹس پرضروری تصدیق کردی گئی۔ ہمارے روبروشہرفرہ کامحل وقوع فاصلہ وغیرہ بھی نقشہ پردیکھا گیا۔اس کے بعدہمیں آگے روانہ ہونے کی اجازت ملی۔

۱۴/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م۳۱/مئی ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ کوہم کوئٹہ سے جانب چمن روانہ ہوئے۔روانگی کے وقت جمعدارسی۔آئی۔ڈی نے اہالیان ریلوے سے کہاکہ یہ میرے مرشدین ہیں اورتاکیدکی کہ انہیں سفرمیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیں۔پانچ بجے ہم چمن پہونچے یہ سرحدافغانستان پرریلوے کاانتہائی اسٹیشن ہے۔ہمارے پہونچتے ہی پولیس نے پاسپورٹس کی تنقیح کی۔یہاں بھی مسافرین کے واسطے سرائے بنی ہوئی ہے جواسٹیشن سے قریب ہی واقع ہے۔اس سرائے کاانتظام اورصفائی ہمیں کچھ اچھی نہ معلوم ہوئی۔اس واسطے ہمیں اپنے قیام کے لئے کسی دوسرے مقام کی تلاش ہوئی۔ اسی تلاش میں' میں اوریعقوب میاں صاحب بازارگئے۔ایک جوان پولیس نے کہاکہ آپ یہاں کے حاکم صاحب سے ملئے جوصاحب اخلاق ہیں ممکن ہے وہ آپ کے ٹھہرنے کاکوئی انتظام کردیں۔پس ہم حاکم موصوف کے یہاں پہونچے بعدسلام علیک ہم بیٹھ گئے صاحب موصوف انفصال مقدمات میں مصروف تھے۔کام ختم کرکے ہماری جانب متوجہ ہوئے مزاج پُرسی کے بعدآنے کی غرض دریافت کی۔میں نے مختصرطورپراپنے سفرکی غایت کااظہارکیااور ہمارے ٹھہرنے کے لئے کسی مناسب مقام کاانتظام کردینے کی درخواست کی۔صاحب موصوف نے بھی یہی کہاکہ مسجدمیں ٹھہرنامناسب ہوگاکیونکہ اس وقت یہاں مکان ملنے کی امیدنہیں۔

ایک خان صاحب جو وہاں موجود تھے کہا کہ میرا مکان حاضر ہے۔آپ وہاں قیام فرما سکتے ہیں ۔حاکم صاحب اور میں نے خان صاحب کی اس مسافر نوازی کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ حاکم صاحب نے معذرت کی کہ وہ ہماری کوئی خدمت نہ کر سکے۔اس کے بعد از راہ کرم چائے سے ہماری تواضح کی ۔ چائے پینے کے بعد یہ ملاقات ختم ہوئی۔ہم خان صاحب موصوف کے ساتھ اُن کے مکان پر گئے ، کچھ عرصہ بعد حضرت اور سید قاسم صاحب بھی وہیں آ گئے ۔ خان صاحب نے مکان کے قریب ایک سرائے تھی جس کا پتہ ہمیں اس وقت تک نہ ملا تھا۔ اس سرائے کا انتظام نہایت اچھا ہے اس کے مالک مرزا فیض محمد صاحب ہیں جو کاروبار ایجنسی کرتے ہیں ۔سرائے کا کرایہ چوبیس گھنٹے کے لئے معہ خوراک فی کس ایک روپیہ لیا جاتا ہے۔ مرزا فیض محمد صاحب مالک سرائے ذی مروت شخص ہیں جن سے ۱۵/شوال کو ہماری ملاقات ہوئی ۔انہوں نے جناب عبدالصمد خان صاحب مدیر امور خارجہ قندھار کے نام ہمیں ایک کھلا خط دیا جس کی تفصیل درجِ ذیل کی جاتی ہے۔

از چمن ۔مورخہ ۱۵/شوال ۱۳۴۱ھ

ترجمہ از فارسی:

جنابِ مکرّم معظم و مہربان سردار عبدالصمد خاں صاحب مدیرِ اُمورِ خارجہ زاد عمرہُ

بعد از دعائے دین و دولت علیہ متعلقہ افغانستان' عرض ہے کہ حاجی محمد علی خاں صاحب ' حاجی سید محمد حسین شاہ میاں' حاجی سید قاسم و حاجی سید یعقوب جو حیدر آباد دکن کے ساکن ہیں قندھار میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور دستاویزاتِ سفر بمبئی کے قونصل خانہ کے ساتھ رکھتے ہیں مجھے امید ہے کہ جناب والا ان کی مدد فرمائیں گے ۔اگر وہ دو تین دن رہنا چاہیں تو انہیں کوئی جائے سکونت فرہم کریں وہ ولوگ حضرت سید محمد تاجدار (وضاحت ان بزرگ کا مقبرہ گرشک اور فرہ کے درمیان واقع ہے) کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں

۔بندہ کے لائق کوئی خدمت ہوتو معلوم کریں اورشاد فرمائیں ۔

فقط شرح دستخط مرزا فیض محمد کمیشن ایجنٹ افغانستان و بلوچستان

چمن میں کھانے پینے کی ہر چیز تقریباً میسر آتی ہے اور عادت کے موافق بازار میں اکثر ہوٹلیں بھی ہیں ۔لیکن اُن میں جو کھانے تیار ملتے ہیں وہ ہمارے مذاق کے موافق نہیں ہوتے ۔

یہاں اُردو، فارسی، پشتو وغیرہ زبانیں بولی جاتی ہیں ۔ یہاں اشیاء بہ نسبت فرہ مبارک کے ازراں ملتی ہیں ۔ چونکہ یہ ریلوئ کا آخری مقام ہے اس وجہ سے ہر وہ چیز مل سکتی ہے جو بالعموم فرہ میں نہیں مل سکتی ۔مثلاً مٹی کا تیل، دیا سلائی، قند وغیرہ ۔ہم نے یہاں سے دوگھوڑے اور دو گدھے قندھار تک کے لئے کرایہ پر لئے ان جانوروں کے مالک کو یہاں خرکار وکرایہ کش کہتے ہیں سرکاری سرشہسوار کے روبرو پیش کر کے مرزا فیض محمد صاحب کے ذریعہ اطمینان کرلیا گیا۔

بعد نماز ظہر تقریباً تین بجے چمن سے جانب قندھار روانہ ہوئے ۔چمن کی آبادی سے ایک میل کے فاصلہ پر افغانستان کی سرحد شروع ہوجاتی ہے عین خط سرحد پر علامت حد کے پتھر نصب ہیں اس مقام سے تین میل آگے ایک قلعہ ہے جو قلعہ جدید کے نام سے موسوم ہے ۔ہم پانچ بجے قلعے پر پہونچے ۔قلعہ سے باہر ایک چھوٹی سی راوٹی قائم ہے جہاں حدود افغانستان میں داخل ہونے والے مسافروں کے پاسپورٹس کی تنقیح کی جاتی ہے ۔ پاسپورٹ کو فارسی زبان میں تذکرہ کہتے ہیں جیسا کہ مرزا فیض محمد صاحب نے اپنے خط مذکورۂ بالا میں ’’تذکرہ ہائے قونصل گری بمبئ‘‘ لکھتا ہے قلعہ کے باہر ایک بازار، مسجد اور چند سرکاری مکانات واقع ہیں ۔ ایک مکان کے صحن میں بڑا حوض ہے لیکن اس حوض کا پانی ناصاف تھا مجبوراً یہی پانی استعمال کیا جاتا ہے ۔ کیونکہ یہاں پانی کی بہت قلت ہے ۔ پاسپورٹس کی تنقیح کے لئے ہمیں کرنل صاحب کے پاس لے جایا گیا کرنل صاحب نے ہمیں اپنے پاس اندر بلوالیا ۔ بعد سلام علیک ہماری مزاج پرسی کی ۔آپ ایک نوجوان اور خلیق آدمی ہیں ۔ہم سے فرمایا کہ میں آپ کی اردو زبان

بول سکتا ہوں۔آپ اُردو میں گفتگو فرمائیں۔کچھ دیر تک مختلف عنوانوں پر ہم سے گفتگو کرتے رہے۔فی الواقع آپ بے تکلف اُردو بولتے ہیں یعقوب میاں صاحب نے نام دریافت کیا لیکن آپ کو نام بتلانے میں تامل ہوا اور کہا کہ آپ کی واپسی کے وقت نام بتاؤنگا۔

یہاں ٹہرنے کیلئے ہمیں کوئی سایہ دار جگہ نہیں ملی۔سب قافلہ کے ساتھ زیر سماں ٹہرنا پڑا۔ اگر آگے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا تو ممکن تھا کہ جناب کرنل صاحب کی تائید سے کوئی جگہ شب باشی کے لئے مل جاتی۔اگر اس قلعہ پر رات میں ٹہرنا ہو تو چمن سے روانگی کے وقت اپنے ساتھ پانی رکھ لیا جائے تو آرام ملے گا ورنہ اُسی حوض کا ناصاف پانی استعمال کرنا پڑے گا۔

۱۶/ شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۲/ جون ۱۹۲۳ء

روز شنبہ کی صبح میں محکمۂ چنگی کے ملازمین نے ہمارے سب سامان کی جھڑتی لی۔ چونکہ ہمارے پاس قابل ادائی محصول کوئی چیز نہ تھی اس وجہ سے ۱۵ منٹ میں رہائی مل گئی اور ہم آگے روانہ ہوئے یہاں سے ہمارا سفر پورا پورا حدود افغانستان میں ہونے لگا۔اس راستہ پر رباط یعنے کاروان سرائے ہرات تک بنے ہوئے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ یہ رباط سابق اعلیٰ حضرت سراج الملتہ والدین امیر حبیب اللہ خاں نے اپنے عہد حکومت میں مسافروں کے آرام کے لئے بنائے ہیں۔ایک رباط سے دوسری رباط تک کا فاصلہ غیر معین ہے۔میرے اندازہ میں ایک سے دوسری رباط کا فاصلہ کم سے کم (۵) کوس اور زیادہ سے زیادہ (۹) کوس کا ہے۔قافلہ کبھی ایک ہی رباط پہونچ کر ٹہر جاتا ہے اور کبھی ایک رباط درمیان چھوڑ کر دوسری پر قیام کرتا ہے جو اہل قافلہ کی مرضی پر موقوف ہے۔چمن سے قندھار تک چار رباط ہیں جو تین روز میں طے کئے جاتے ہیں۔ہم ایک بجے پہلی رباط موضع ڈبوری پہونچے اس وقت افغانی فوج اس رباط میں ٹہری ہوئی تھی قافلہ بیرون رباط ٹہرا۔اس روز میرا مزاج ناساز تھا رباط میں جگہ نہ ملنے کی وجہ تشویش ہوئی کہ اب زیر سما ٹہرنا ہوگا۔اسی تشویش میں یعقوب میاں صاحب نے بعض فوجیوں

سے کہا کہ براہ کرم ایک کمرہ رباط میں ہم مسافروں کے لئے خالی کر دیں لیکن انہوں نے عذر کیا کہ ہم بلاحکم عہدہ دار مجاز کوئی کمرہ خالی نہیں کر سکتے۔مگر ایک اور شخص نے جو فوجی معلوم ہوتا تھا وہیں ہم سے ملا اور ٹھیکہ دار رباط کو بلوا کر ہمارے واسطے ایک مقفل کمرہ خالی کروادیا جو اچھا خاصہ بڑا تھا۔ہم اس مسافر نواز شخص کے بہت ممنون ہوئے ۔ یہاں بھی پانی کی بہت قلت تھی صرف ایک کنواں رباط کے روبرو ہے۔قافلے بہت زیادہ تعداد میں اترا کرتے ہیں۔ان دنوں تو فوج کا پڑاؤ ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ قلت آب ہوگئی تھی ۔حضرت حسین شاہ میاں صاحب قبلہ نے ایک فوجی آدمی سے پانی لادینے کے لئے کہا اس نے فوراً چھاگل لے لی اور پانی لینے چلا گیا۔اس کے جانے کے بعد ایک صاحب سید محمد نامی جو ہمارے ساتھ چمن سے ہوئے تھے کہا کہ حضرت یہاں سب پٹھان ہیں کسی کا کام کرنے کو عیب سمجھتے ہیں ۔حضرت نے جواب دیا کہ عیب کی کیا بات ہے ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اُس شخص نے جواب میں کہا کہ آپ بجائے میرے پدر کے ہیں اس کے بعد اس فوجی شخص نے بجائے عار سمجھنے کے یہاں تک ہماری خدمت کی کہ گھی چاول وغیرہ ٹھیکیدار سے منگوائے ہر وقت اُن فوجیوں میں سے دس بیس ہمارے پاس بیٹھے رہتے اور حضرت سے خواستگار دعا ہوتے ۔ یہاں سے رات کے گیارہ بجے روانہ ہوئے۔

۱۷/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۳/ جون ۱۹۲۳ء:

روز یکشنبہ کی صبح آٹھ بجے رباط موسومہ تختہ پُل پہونچے ۔رباط اول الذکر سے اس رباط تک راستہ ناصاف ہے پہاڑ کثرت سے ہیں۔اس رباط سے قریب ہی ایک نالہ بہتا ہے جس کا پانی کسی قدر رکھارا ہے۔یہاں روٹی ، گوشت ،موسمی ،میوے وغیرہ بھی ملتے ہیں۔ان رباطوں کی ظاہری صورت ہمارے یہاں کی گڑھیوں (کوٹلہ) کے جیسی ہوتی ہے۔ان کے اندرونی جانب تین سمت تو کمرے بنائے جاتے ہیں اور چوتھی سمت جانور باندھنے کے لئے اصطبل کے

طور پر رکھ چھوڑتے ہیں اور وسط میں مسجد بنی ہوتی ہے۔ رباطوں کا انتظام ٹھیکہ داروں کے ذمہ ہوا کرتا ہے۔ صفائی کا انتظام کچھ قابل تحسین نظر نہیں آیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ قافلہ کے جانور یہاں کثرت سے باندھے جاتے ہیں اور ان کے بول و براز سے گندگی پیدا ہوتی ہے۔ ٹھیکہ دار رباط کا کرایہ فی کس ایک پیسہ اور فی جانور تین پیسے کابلی لیتا ہے۔ یہاں سے قافلہ رات کے گیارہ بجے روانہ ہوا۔

۱۸/شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۴/ جون ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ کی صبح دس بجے ہم قندھار پہونچے۔ سب سے پہلے ہمارا سامان چنگی خانہ لے جایا گیا (چنگی گمرک کہتے ہیں) یہ چنگی خانہ شہر کے دُرّانی دروازہ کے باہر واقع ہے۔ یہاں ہمارے سامان کی پھر تنقیح ہوئی۔ سردار عبدالصمد خان صاحب جن کے نام ہم نے تعارفی رقعہ لایا تھا وہ حسن اتفاق سے یہیں موجود تھے۔ میں نے آپ سے پہلے ملاقات کی پھر یعقوب میاں صاحب بھی ملے۔ جب ہم نے اپنے سفر کی غرض زیارت روضہ حضرت امامؑ بیان کی تو آپ نے امام علیہ السلام کا نام سن کر فرمایا کہ حضرت کا مزار تو گرشک میں ہے۔ یعقوب میاں صاحب نے حضرت مہدی موعودؑ کی گنبد کا پتہ شہر فرہ کے حوالے سے بصراحت بتلایا۔ سردار صاحب اُردو، فارسی تو کہتے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ تُرکی، انگریزی، جرمنی بھی خوب اچھی طرح بولتے ہیں۔

حاکم گمرک سے فارسی میں ہمارے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔ ہم نے درخواست کی کہ چنگی خانہ میں ہمارے قیام کے لئے کوئی جگہ بتلائی جائے۔ انہوں نے کہا کہ چنگی خانہ کا مقام تجارت پیشہ کے لئے مخصوص ہے۔ آپ سرائے حاجی یعقوب میں قیام کریں وہاں پانی وغیرہ کا بھی آرام ہوگا۔ یہ سرائے چنگی خانہ کے قریب ہی واقع ہے اور بڑی سرائے ہے۔ اس میں مسافر کثرت سے ٹھہرتے ہیں۔ اس کے روبرو سے ایک سڑک کابل جاتی ہے۔ متصل ہی نہر بہتی ہے

اور کنواں بھی ہے اس کنویں کا پانی برف آب کے جیسا سرد تھا۔ اسی کنویں کا پانی لوگ پیتے ہیں ۔ ہم جب یہاں پہونچے ہیں تو موسم گرما تھا۔ اس موسم میں لوگ چھانچ (لسی) اور کھیرا باہم ملا کر پیتے ہیں اور روغن زرد کا استعمال بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔

مسکہ نکالنے کی عجیب ترکیب دیکھی گئی یعنے چمڑے کی مشک میں دہی بھر کر کئی روز تک ہلایا جاتا ہے جس سے مسکہ تو نکل آتا ہے لیکن چمڑے کی مشک میں کئی روز تک رہنے سے بو متغیر ہو جاتی ہے ۔ روغن زرد میں شیرۂ انگور بھی ملاتے ہیں جو ہم ہندوستانیوں کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے ۔ ادھر جانے والے اشخاص اگر اپنے ہمراہ گجرات یا کوئٹہ سے ضرورت کے موافق گھی لے جائیں تو مناسب ہوگا۔ یہاں اسپغول کی پیداوار بہت ہے اور آب و ہوا کے لحاظ سے اس کا روزانہ استعمال بھی مناسب ہے۔ ۱۸/ شوال کو ہی ہم شہر قندھار میں داخل ہوئے۔

شہر قندھار کی اندرون آبادی بہت گنجان ہے۔ بیان کیا گیا کہ خانہ شماری بارہ ہزار ہے جس میں صرف ایک ہزار مکان اہل تشیع کے ہیں اور چند سندھی ہندو مذہب، باقی سب حنفی المذہب۔ شہر کے چھ دروازے ہیں۔ وسط شہر میں ایک عمارت چار کمانوں کی (محراب دار عمارت) چارسو کے نام سے موسوم ہے ۔ اس عمارت سے چار سڑکیں چاروں سمت نکلتی ہیں ۔ غربی سڑک ہراتی دروازہ کو، شرقی کابلی دروازہ کو، شمالی عیدگاہ اور سرکاری عمارات کو جاتی ہے جو دربار کے نام سے مشہور ہیں ۔ انہیں مکانات میں سے ایک میں دولت برطانیہ کا سفارت خانہ ہے اور وہ مکان بھی یہیں ہے جس میں حضرت سرور کائناتﷺ کا جبہ شریف رکھا گیا ہے۔ اس مکان کا دروازہ روز پنجشنبہ بعد نماز ظہر کھولا اور دوسرے روز بعد نماز جمعہ بند کیا جاتا ہے۔ یہاں سرو کے درخت ایسے تناور دیکھنے میں آئے کہ اُن کے تنہ کا دور چار گز سے کم نہ ہوگا۔ جنوبی راستہ شکار پوری دروازہ کو جاتا ہے۔ اس دروازہ سے چمن کو سڑک گئی ہے۔

علاوہ اس ے دُرّانی دروازہ اور توپ خانہ کا دروازہ بھی ہے ۔ اسی دروازہ سے حضرت

مہدی موعود علیہ السلام شہر میں تشریف فرما ہوئے تھے۔بعض کتب تواریخ میں اس کو صرف در قلعہ لکھا ہے۔

اس شہر کی سڑکیں زیادہ وسیع نہیں ہیں تاہم دونوں جانب سایہ دار درخت لگے ہیں اور نہریں جاری ہیں اور پگ ڈنڈی (فٹ پاتھ) راستہ بھی بنے ہیں۔اِن فٹ پاتھ راستوں کے بعد دوانات ہیں اور بڑی بڑی نہریں بھی شہر میں جاری ہیں۔اطراف شہر یعنی بیرون فصیل شہر کے لئے جدید سڑکیں تیار ہوئی ہیں جو وسیع ہیں۔یہاں بھی نہریں جاری ہیں۔سڑکوں پر روشنی کا کوئی انتظام نظر نہیں آیا۔مغرب کے بعد ہی سب دوکانیں بند ہوجاتی ہیں۔گویا رات میں کاروبار تجارت نہیں ہوتا۔کابل سے سلسلۂ ٹیلیفون جاری ہوچکا ہے۔ٹیلیفون کا تار چوبی ستونوں پر نصب نظر آیا اور اطراف قندھار میں باغات ونہریں بکثرت ہیں۔سفیر صاحب انگریزی کے شہر میں موجود ہونے کی اطلاع ملنے پر میں اور سید قاسم صاحب ملاقات کی غرض سے سفارت خانہ پر گئے۔سفارت خانہ کے دروازہ پر انگریزی پرچم (یونین جاک) لہرا رہا تھا۔سفیر صاحب موجود تھے ملاقات ہوئی نہایت اخلاق سے پیش آئے۔آپ ڈیرۂ اسمٰعیل خاکے باشندے ہیں آپ کا نام نواب محمود علی خان ہے اور آپ کے منشی صاحب جو اجمیر شریف کے رہنے والے ہیں یہ بھی بہت خلیق آدمی ہیں۔

جناب سفیر صاحب نے ہم سے غایت سفر دریافت فرمایا جس کے جواب میں میں نے کہا ہم لوگ بغرض زیارت حضرت میر سید محمد صاحب فرہ مبارک جارہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ آپ کی اس عالی ہمتی پر آفریں ہے۔پھر فرمایا کہ اجازت ملنے کے بعد بھی ہندوستان سے جو لوگ آئے ہیں وہ قندھار سے آگے نہیں بڑھے، آپ لوگ جو فرہ مبارک تک سفر کررہے ہیں ہندوستانیوں میں پہلے مسافر ہیں اور فرمایا کہ باوجود راستہ کی مخدوش حالت ہونے کے آپ لوگ اس قدر تکلیف اُٹھا کر صرف زیارت کی غرض سے دور ودراز سے آئے ہیں تو وہی

حضرت آپ کی مدد کریں گے جن کی زیارت کے لئے آپ جا رہے ہیں۔ اس قدر گفتگو ہونے کے بعد سفیر صاحب سے رخصت ہو کر میں اور سید قاسم صاحب اپنے مقام پر آ گئے۔

۲۲/ شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ م ۸/ جون ۱۹۲۳ء

روز جمعہ کو پھر مکرر سفیر صاحب سے ملاقات کی مختلف باتیں ہوئیں بر سبیل تذکرہ سفیر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے مرتبہ میں بڑھ کر کوئی بزرگ نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں ہندوستان میں تو حضرت ممدوح کو ہی اکثر لوگ بزرگ مانتے ہیں اور ہم بھی بزرگ مانتے ہیں لیکن ہمارے حضرت جن کی زیارت کو ہم جا رہے ہیں ہمارے پاس نہایت افضل واعلیٰ ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ آپ ہی کی ذات امام مہدیؑ آخر الزماں ہے۔ سفیر صاحب نے کہا کہ امام مہدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ تو الگ ہوگا میں نے کہا کہ دو خلیفتہ اللہ ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے جب ایک خلیفتہ اللہ سے زمانہ دور ہو جاتا ہے اور اُمت میں گمراہی پھیل جاتی ہے تو اُس کی ہدایت کے لئے دوسرے خلیفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے اِذَا بُوْیِعَ الْخَلِیْفَتَانِ فَا قْتُلُوْا آخِرَهُمَا۔ ترجمہ: جب دو خلیفہ ایک وقت جمع ہوں تو دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اس پر وہ درست درست فرماتے رہے۔ یعقوب میاں صاحب نے ورود مہدی علیہ السلام کے متعلق اختلاف احادیث بتلا کر اس حدیث کو سنایا کَیْفَ تَھْلِکُ اُمَّتِیْ الخ ترجمہ یہ ہے کہ ''اول میں ہوں، آخر میں عیسیٰؑ اور درمیان میں مہدیؑ ہیں پھر میری امت کیسے ہلاک ہوگی'' سفیر صاحب نے کہا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بھی تو دعویٰ مہدیت کیا ہے۔ یعقوب میاں صاحب نے کہا کہ مہدیؑ کا بنی فاطمہؓ ہونا احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے لیکن مرزا صاحب میں یہ پہلی صفت ہی مفقود ہے۔ سفیر صاحب نے کہا بے شک میں نے حضرت امامنا علیہ السلام کے حالات زمانۂ ولادت سے وفات تک بالاجمال سنائے اور خراسان میں باذِن اللہ تشریف لانا

مرزا شاہ بیگ، میر ذوالنون، سلطان حسین خراسانی وعلماء وغیرہ کا تصدیق مہدی کرنا، سلطان حسین خراسانی کے انتقال کی خبر دینا اور سلطان کی میت پر غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمانا وغیرہ حالات بیان کئے اور بعض کتابیں بھی دیں۔ہم نے اپنا کچھ سامان اور روپیہ جوزائد از ضرورت خیال کیا گیا سفیر صاحب کے یہاں امانتاً رکھدیا گیا۔صاحب موصوف نے از راہ کرم سامان رکھ لیا اور روپیہ کی رسید لکھدی نیز ہمارا پتہ بھی پورا پورا لکھ لیا۔گمرک قندھار میں ہم نے دریافت کیا کہ آیا کوئی قافلہ ہرات یا فرہ سے آیا ہوا ہے یا نہیں اس پر ایک شخص نے محمد شاہ خان صاحب سوداگر فرہ کے آنے کا پتہ دیا ہم نے صاحب موصوف کی تلاش کی اور اُن کے فرزند کے مکان پر اُن سے ملاقات کی۔ یہاں ایک غلط فہمی پیدا ہوئی وہ یہ کہ ہم نے جس کسی سے حضرت امام علیہ السلام کے نام کے ساتھ تاجدار کا لفظ شامل کر کے ذکر کیا تو وہ اُن بزرگ کا پتہ دیتے جن کا مزار گرشک میں ہے اور سید محمد تاجدار کے لقب سے مشہور ہیں کوئی شخص فرہ کا پتہ نہ دیتا تھا جس سے ہم حیران تھے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے جب محمد شاہ خان صاحب سے ملاقات ہو چکی اور ہم نے اس اختلاف مقام کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ فرہ میں جو مزار ہے وہ میر سید محمد آقا کا ہے اور گرشک میں سید محمد تاجدار کا اور علاوہ اس کے اُنہوں نے حضرت کے حالات بتلائے۔

حضرت میاں جی صاحبؒ مرحوم کا مکتوب ونقشہ جو ہمارے ساتھ تھا خان صاحب موصوف کو دکھلایا گیا جس کو دیکھ کر آپ نے اس کی تصدیق کی کہ بالکل مطابق ہے صرف ایک یہ فرق ہے کہ اس میں میراں ہے اور ہم میر بولتے ہیں ہم نے خان صاحب سے کہا کہ یہاں سے فرہ مبارک روپیہ ذریعہ ہنڈی روانہ کرنے کی کوئی ضرورت ہو سکتی ہے یا نہیں تو انہوں نے کہا کہ ہنڈی کا طریقہ تو رائج نہیں البتہ آپ جس قدر روپیہ مجھے یہاں ادا کریں اُس کی چٹھی اپنے لڑکے کے نام دیدوں گا جو فرہ میں کاروبار کرتا ہے وہ روپیہ آپ کو وہاں ادا کردے گا اور ہر طرح کی خدمت گزاری کو حاضر رہے گا۔روپیہ اس طرح آسانی کے ساتھ منتقل ہو جانے سے

بڑا اطمینان حاصل ہوا اور ساتھ ہی خان صاحب موصوف کو روپیہ ادا کر کے چٹھی لکھوا لی گئی خان صاحب موصوف نے از راہ کرم ہمارے لئے اُس قافلہ کے ساربانوں سے جو مقام بکوا سے آئے تھے بحساب فی کس پندرہ روپیہ کرایہ فرہ مبارک پہونچا دینے کا مقرر کر دیا اور پندرہ روپیہ بیعانہ بھی دلوا دیا لیکن یہ ساربان ہماری زبان بالکل سمجھ نہ سکتے تھے اور اُن کا قافلہ بھی آگے نکل گیا تھا۔ اُن کو کھٹولے اونٹوں پر باندھنا نہ آنے سے، لیا ہوا بیعانہ ہمیں واپس کر کے چلے گئے۔ پھر ہم نے گھوڑوں کی تلاش شروع کی جس کسی سے گھوڑے کا کرایہ دریافت کیا فی کس سو روپیہ بیان کیا آخرِ کار عبدالرحیم صاحب ایجنٹ خرکاران جن کی دوکان شکار پوری بازار میں واقع ہے ان کی سعیٔ سے فی اسپ (گھوڑا) ۵۵ روپیہ کرایہ پر چار گھوڑے لئے گئے اور شرط یہ ٹھیری کہ ہمیں واپس چمن لا کر پہونچا دیں اس جانب سے بے فکری ہوگئی اب قافلہ کی روانگی کا انتظار تھا۔ جس کا یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۶/ جون ۱۹۲۳ء کو روانہ ہونا قرار پایا۔

ہم نے چاہا کہ گھوڑوں پر کھٹولے (یعنی چار پائی جو اونٹ کی پشت پر باندھی جاتی ہے) باندھے جائیں لیکن خرکار نے عذر کیا کہ گھوڑوں پر کھٹولے باندھنے کی عادت نہیں اگر باندھو گے تو راستہ میں تکلیف کا سامنا ہوگا اس لئے مناسب ہے کہ کجاوے باندھے جائیں ہم اس پر رضا مند ہوگئے اور وہ کھٹولے جو خریدے گئے تھے چار روپیہ کی کمی سے پھر واپس کر دئے گئے۔

یکم ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۶/ جون ۱۹۲۳ء

روز شنبہ کی صبح قافلہ گمرک سے روانہ ہوگیا اور ہمارے مقرر کردہ گھوڑے ندارد۔ ہم بہت پریشان ہوئے اور بار بار ایجنٹ خرکاراں پر تقاضہ کرنے لگے خدا خدا کر کے بارہ بجے تین گھوڑے آئے جن میں سے دو پر کاوے باندھے گئے اور ایک پر سامان بار کیا گیا۔ ان گھوڑوں پر ہم چار آدمی اس طرح بیٹھ گئے جیسے اونٹوں پر کجاوے میں بیٹھتے ہیں غرض چودھویں روز قندھار سے جانب فرہ مبارک روانہ ہوگئے چونکہ قافلہ صبح روانہ ہو چکا تھا اور ہم تنہا تھے اس وجہ

سے کسی قدر پریشانی رہی لیکن اللہ کے فضل سے خیریت کے ساتھ چار بجے کے قریب رُودِارغندا پر قافلہ سے جا ملے۔

میں یہاں تھوڑی سی کیفیت ہیئتِ قافلہ کی بیان کرنا چاہتا ہوں قافلہ کے لئے آدمیوں یا گھوڑوں وغیرہ کی کوئی تعداد معین نہیں۔ ہم جس قافلہ میں شامل تھے اُس میں روانی کے وقت گھوڑے، خچر، گدھے ملا کر تقریباً سو کی تعداد تھی اور چند مسافر پیادہ پا بھی تھے۔ عام طور پر ان جانوروں پر پالان باندھے جاتے ہیں۔ پالان حقیقت میں ایک گدیلہ ہے جو گھوڑے کی گردن سے پیچھے تک ڈالا جاتا ہے۔ اس پالان کو رکاب نہیں ہوتے البتہ تنگ کسا جاتا ہے نیزہ دُمچی کے طور پر بجائے ایک بند کے دو بند نیچے اوپر لگائے جاتے ہیں تا پالان آگے پیچھے نہ ہو سکے۔ ان جانوروں کی پشت اور ہر دو پہلوؤں پر جملہ سامان باربرداری لادا جاتا ہے جیسا کہ عام طریقہ ہے۔ مسافرین اپنا سامان لادنے کے علاوہ اپنی نشست کی جگہ بھی نکال لیتے ہیں۔ البتہ کجاوہ کی صورت علیحدہ ہے یہ بالکل **شغدف** (یعنی اونٹ کے دو کوہان کی طرح بیچ میں جگہ خالی ہوتی ہے) کی وضع کے ہوتے ہیں اگر فرق ہے تو یہ ہے شغدف بڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ چھوٹے جس میں آدمی صرف بیٹھ سکتا ہے لیٹنے کی گنجائش نہیں ہوتی اس پر سایہ بھی نہیں ہوتا اگر کوئی شخص سایہ کرنا چاہے تو اپنے ساتھ سایہ کرنے کے قابل کپڑا رکھ لے کیونکہ باریک لکڑیوں کی چھت بنی ہوتی ہے۔ گھوڑوں کے گلوں میں آہنی و برنجی گھنٹے باندھے جاتے ہیں۔ قافلہ سالار گھوڑے پر (قافلہ سالار یہاں اصطلاح میں پیش روگھوڑے کو کہتے ہیں) تو متعدد اور بڑے بڑے گھنٹے ہوتے ہیں اور اس گھوڑے کو خاص طور پر بہت آراستہ کیا جاتا ہے۔ یہ گھوڑا قافلہ کے سب گھوڑوں سے زیادہ تیز ہوتا ہے اور کسی دوسرے گھوڑے کو اپنے سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ بعض قافلے ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف گدھے ہی ہوتے ہیں دوسرے جانور نہیں ہوتے۔ قافلہ کا وہ حصہ جو آگے ہوتا ہے پیشین اور آخر کا حصہ دنبالہ کہلاتا ہے۔ دنبالہ اصل قافلہ سے کسی

قدر فاصلہ پر رکھا جاتا ہے تاکہ کوئی مسافر یا جانور یا سامان وغیرہ پیچھے چھوٹ جائے تو اہل دنبالہ اس کو اپنے ساتھ لے لیں۔

اب میں پھر اصل سفر کے حالات بیان کروں گا **رود اغندا** (رُوڈ یعنی دریا) کے کنارے تمام رات زیر سما مقام رہا۔ رودارغندا میں اس وقت گھوڑوں کے گھٹنوں سے اوپر پانی بہہ رہا تھا۔ سنا ہے کہ موسم بہار میں جبکہ برف پگھل کر بہتی ہے اس دریا کو بجز کشتی کے عبور نہیں کر سکتے۔ قندھار واطراف قندھار اسی کی نہریں جاری ہیں۔

۲/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۷/ جون ۱۹۲۳ء

روز یکشنبہ کو صبح کے پانچ بجے قافلہ ''**رودار غندا**'' سے روانہ ہوا اور دس بجے **سنگسار** پر مقام کیا۔ یہاں رباط موجود ہے لیکن ہم بیرون رباط درختوں کے سایہ میں نہر کے کنارے زیر دیوار باغ ٹھیرے۔ اب میں ناظرین کو تھوڑی دیر کے لئے اس باغ کی سیر کرانا چاہتا ہوں جو منجملہ قندھار کے باغوں کے ایک ہے جس میں ہمارا گزر ہوا۔ علاوہ سایہ دار درختوں کے مختلف میوہ جات کے درخت سیب، انگور، انجیر وغیرہ بے شمار ہیں۔ شاخوں پر میوہ کی اس قدر کثرت تھی کہ ڈالیاں ٹوٹ رہی تھیں۔ اقسام کا میوہ یعنی زردآلو، آلوچہ وغیرہ بچھونا بن گیا تھا اور رنگ برنگ کے پھول ناظرین کے غنچہ دل کو کھلا رہے تھے۔ کہیں پھولوں کی مہکار ہے تو کہیں چڑیوں کی چہکار۔ کہیں بلبل زار گل پر نثار ہے تو کہیں فاختہ کی کوکو سے ہو کا اظہار۔ کہیں پپیہا اپنے پیا کی یاد کو تازہ کر رہی ہے تو کہیں قمری اپنی زبان سے فدائت وحدۂ لاشریک کا راگ گا رہی ہے۔ سبزی کی یہ حالت ہے کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے فرش مخمل نظر آتا ہے اور نہریں جابجا جاری، پانی نہایت شیریں اور رنگ دودھ کے مشابہ ہے اور نہروں کے اندر درختوں کا عکس نمونۂ قدرت کو دکھلا رہا تھا اُس صانع حقیقی کی صنعت کو دیکھ کر فوراً یہ شعر بے ساختہ زبان پر آیا۔

اگر فردوس بر روے زمین است
ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست

یہاں سے اصل سفر کی طرف لوٹتا ہوں ۔ قافلہ میں ہمارے ساتھ ایک صاحب مسمی عبدالقادر قندھاری اور دوسرے صاحب محمد یعقوب ہراتی سوداگر قالین بھی تھے جو کوئٹہ سے ہرات واپس جارہے تھے۔ یہ دونوں صاحب اکثر ہمارے پاس آ کر بیٹھتے اور حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ، آنکھوں سے لگاتے ہمیں اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو حتی الامکان فراہم کردیتے۔ رات میں ہمارے آگے پیچھے رہتے ۔ اور اکثر لوگ ہمیں جو ملے ان کا بھی تقریباً یہی حال تھا۔

۳/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۸/ جون ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ کو قافلہ **سنگسار** سے بارہ بجے رات کو روانہ ہوا اور نو (۹) بجے صبح رباط **خاک چوبہ**، پہونچا۔ یہاں سید قاسم صاحب کی ملاقات ایک شخص مسمی سلیمان صاحب سے ہوئی جو فرہ مبارک سے چمن جارہے تھے ۔ اثناءِ گفتگو میں جب اُنہیں معلوم ہوا کہ ہم زیارت کی غرض سے فرہ مبارک جارہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت آقا میر سید محمد کے مزار مقدس پر عیدین کے زمانہ میں بہت بڑا عرس (میلا) ہوتا ہے اور قریباً لاکھ پچھتر ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں ۔لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے مہدیت کا دعویٰ کیا تھا اور علمائے ہرات سے بحث بھی ہوئی تھی اور بہت سارے علماء نے آپ کے دعویٰ کی تصدیق بھی کی تھی۔ بعد میں سلیمان صاحب نے سید قاسم صاحب سے ان کے والد بزرگوار سے ملنے کا وعدہ کیا اور آ کر ملے۔ حضرت سے بھی وہی تقریر کی جو سید قاسم صاحب سے کی تھی ۔حضرت حسین شاہ میاں صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ جو بزرگ گرشک میں سید محمد نامی دفن ہیں اُن کے اور ہمارے حضرت سید محمد کے نام میں یہاں کے لوگ کیا امتیاز کرتے ہیں ۔انہوں نے جواب دیا کہ اول

الذکر کو ہم تاجدار کے نام سے اور حضرت کو میر سید محمد آقا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۴/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۹/ جون ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ کو اس رباط (کاروان سرا) سے قافلہ رات کے بارہ بجے روانہ ہوا۔ یہاں آفتاب آٹھ بجے غروب ہوتا اور پانچ بجے طلوع ہو جاتا ہے۔اس حساب سے رات کے بارہ بجے نصف شب نہیں ہوتی۔نماز کے اوقات بھی اسی لحاظ سے متعین کئے جائیں گے۔ یہ راستہ بہت چڑھائی کا تھا۔قافلہ تھوڑی دور چلا تھا کہ حضرت کا گھوڑا سست ہو گیا اور چلتے چلتے رک گیا۔خرکار نے جو ساتھ تھا قافلہ کے کسی آدمی کو آواز دی آواز کے ساتھ ہی ایک شخص آموجود ہوا اس نے گھوڑے کی پشت سے کجاوا اتارا اور دوسرے گھوڑے پر رکھ دیا۔اس اثناء میں ایک اور شخص بھی آ گیا اس اُتار چڑھاؤ میں ہمیں کچھ عرصہ لگا اور قافلہ آگے نکل گیا اور یہ دونوں آدمی جو آئے تھے مسلح تھے تھوڑی دیر تک تو ہمارے ساتھ ٹھیرے رہے اور پھر دنبالہ کی خبر لینے چلے گئے۔اب ہماری چھوٹی سی جماعت تنہا رہ گئی جس سے خدشہ پیدا ہوا۔ایک لڑکا مسمی جلال الدین جو ساتھ تھا اس نے ہمیں اور بھی پریشان کیا کہ یہاں ڈاکوؤں کا ڈر ہے خاموش رہو۔ یہ سن کر حضرت نے محمد عمر خرکار سے کہا کیا آپ نے ہمیں اسی لئے لائے تھے کہ راستہ میں تنہا چھوڑ دیں حضرت کے اس ارشاد پر پھر محمد عمر نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔حضرت نے سید قاسم صاحب کو تسبیح دینے کہا، تسبیح دی گئی خدا کی قدرت کہ تسبیح کے ساتھ ہی قافلہ کی گھنٹیوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

۵/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۰/ جون ۱۹۲۳ء

روز چہار شنبہ کو صبح آٹھ بجے قافلہ دریائے **ھلمند** پر پہنچا کشتی فوراً نہ ملنے کی وجہ سے قافلہ ٹھیرا رہا کیونکہ کشتی ایک ہی تھی جو دوسرے مسافروں کو لے جانے میں مصروف تھی کہیں بارہ بجے ہماری باری آئی ہم کشتی پر سوار ہو کر دوسرے کنارہ پر اُترے۔اس دریا میں پانی قریباً ایک

فرلانگ عرض پر بہہ رہا تھا۔جس کا عمق (گہرائی) سات فیٹ سے کم نہ ہوگا ہم یہاں سے چل کر رباط قصبۂ گرشک میں جاٹھیرے۔یہ مختصر سا قصبہ ہے لیکن خورد ونوش کی سب اشیاء مل سکتی ہیں اور میوہ بھی کثرت سے دستیاب ہوتا ہے۔

یہاں ہم نے حضرت تاجدار کی زیارت سے بہرہ یاب ہوئے۔گنبد بنا ہوا ہے، دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ گنبد پچاس سال قبل ایک بزرگ نے تعمیر کروایا ہے۔جو سرزمین دکن سے تشریف لائے تھے۔ہم سمجھ گئے کہ یہ بزرگ حضرت خواجہ زادے میاںؒ اہل پنگوڑی (ضلع ترناولی صوبہ مدراس) ہی ہیں۔ **گرشک** میں علی زئی پٹھانوں کے اکثر قبائل آباد ہیں۔ یہاں دوروز ہمارا قیام ہوا اس کی یہ وجہ ہوئی کہ قافلہ کے مسافر تو دریا عبور کرآئے لیکن سامان اور جانور دوروز تک بتدریج دریا پار ہوتے رہے۔

۶/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۱/ جون ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ کو بعد مغرب (۹) بجے قافلہ روانہ ہوا اور ڈھائی بجے شب کے قلعہ **بی بی** پر مقام کیا۔یہ راستہ قریباً میدانی ہے گرشک سے اس کا فاصلہ تقریباً پانچ کوس ہوگا۔

۷/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۲/ جون ۱۹۲۳ء

روز جمعہ (۹) بجے شب کے قریب قافلہ یہاں سے روانہ ہوا۔صبح ساڑھے چار بجے **اجرم** پر مقام کیا۔تقریباً اس کا بھی راستہ میدانی ہے اور اس کا فاصلہ تخمیناً قلعہ بی بی سے نو (۹) کوس ہوگا۔

۸/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۳/ جون ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ نو (۹) بجے شب کے ہم یہاں سے روانہ ہوئے اور صبح ساڑھے پانچ بجے بارہ پہونچے اجرم اور بارہ کا درمیانی راستہ نہایت پتھریلہ اور دشوار گزار ہے نیز نشیب وفراز بھی بہت ہے اور یہ راستہ پگڈنڈی ہے۔

۹/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۴/ جون ۱۹۲۳ء

روز یکشنبہ کو پھر یہاں سے دس (۱۰) بجے رات کو روانہ ہوئے اور چھ (۶) بجے صبح **خاش رود** پہونچے۔ یہ دریا بڑا ہے اس کی ہر دو جانب بلند پہاڑ واقع ہیں۔ علی الخصوص ایک پہاڑ تو بہت بلند ہے جس کو **کوہِ دُزد** (چوروں کا پہاڑ) کہتے ہیں۔ نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ چوروں اور ڈاکوؤں کا مسکن ہے۔ اس مقام پر رات میں جو ہوا چل رہی تھی بہت گرم تھی شائد اس کی یہ وجہ ہے کہ پہاڑ دن بھر کی جذب کردہ گرمی رات کو خارج کرتے رہتے ہیں۔ یہاں کی آبادی علی العموم خانہ بدوش ہے۔

۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۵/ جون ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ ساڑھے نو بجے رات کو یہاں سے روانہ ہوئے جس وقت دلارام پر نظر پڑی حضرت امامنؒا کا یہ شعر یاد آیا۔

ہر کہ دلآرام دید از دلش آرام رفت
باز نیاید پدید ہر کہ درین دارم رفت

اور یہ مقام ہمارے قیام **خاش رود** سے تخمیناً دو فرلانگ ہوگا۔ صبح چھ (۶) بجے مقام **بکوا** پہونچے۔

۱۱/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۶/ جون ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ کو شب کے گیارہ بجے بکوا سے روانہ ہوئے اور صبح پانچ بجے سلطانی بکوا پہونچے۔ ان منازل میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جو قابل بیان ہو البتہ کہیں کہیں خانہ بدوش گروہوں کے پڑاؤ نظر آتے ہیں۔ قافلہ ان مقامات پر جانوروں کے لئے چارہ پانی کی جگہ منتخب کر کے اُتر پڑتا ہے جس کی وجہ سے دن بھر دھوپ میں اپنے کجاؤں پر کپڑوں کا سایہ کر کے گزارنا ہوتا ہے۔

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۷/ جون ۱۹۲۳ء

روز چہارشنبہ کو قافلہ شب کے ساڑھے نو بجے سلطانی بکوا سے روانہ ہوا اور صبح سات (۷) بجے **خُر مالک** پہونچا یہاں رباط میں قیام ہوا جس کی وجہ دھوپ سے آرام ملا۔

۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۸/ جون ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ کو نو (۹) بجے شب قافلہ یہاں سے روانہ ہو کر ۱۴/ ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ کو ۷ بجے صبح فرہ مبارک پہونچا۔ ہمیں قندھار سے چلے ہوئے آج چودھواں روز تھا۔ گو قندھار سے فرہ مبارک تک (۱۶) رباط ہیں لیکن یہ منازل بارہ روز میں طے ہوئیں اور دو روز دریائے ہلمند کو عبور کرنے میں صرف ہوئے۔ شہر فرہ اب کچھ آباد نہیں ہے۔ اندرون شہر پناہ افغانی فوج اور بازار کے سوا کوئی دوسری آبادی نہیں ہے۔ بلکہ بیرون شہر پناہ آبادی ہے۔ خود حاکم فرہ کی قیام گاہ بھی فیصل شہر سے باہر ہے۔ اس قیام گاہ (گورنمنٹ ہوز) پر سیاہ افغانی پرچم لہرا رہا تھا۔ فصیل دور سے نہایت خوش نما دکھائی دیتی ہے۔ شہر پناہ کے صرف دو دروازے ہیں ایک جانب شمال دوسرا جانب جنوب۔ ہم جنوبی دروازہ سے داخل ہوئے اور شمالی دروازہ سے نکل گئے۔ میری یہ رائے ہوئی کہ یہاں قیام کئے بغیر سیدھے روضۂ مبارک چلے چلیں۔ اس پر خرکار بھی رضا مند ہو گیا۔ جب ہم شہر سے باہر ہوئے تو ایک شخص سے روضہ کا راستہ دریافت کیا لیکن اُس کے بتائے ہوئے راستہ سے ایک غلط راہ پر پڑ گئے اور تھوڑی دیر تک پریشانی اٹھانی پڑی پھر یہاں سے ایک اور شخص کو جو خاص وہیں کا باشندہ تھا ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ اس شخص نے ہمیں شہر فرہ سے باہر رُود فرہ (دریائے فرہ) کے کنارے پر لا چھوڑا یہ ندی بھی بڑی ہے اس میں اس وقت باوجود پایاب ہونے کے کوئی ڈھائی تین فیٹ گہرا پانی بہہ رہا تھا۔ ہم نے اس کو گھوڑوں ہی کے ذریعہ عبور کیا۔ اس ندی میں جس قدر پتھر پڑے نظر آئے ان کی نسبت معلوم ہوا کہ یہ سب چھری چاقو وغیرہ تیز کرنے کے لئے کار آمد ہوتے ہیں۔ اس ندی سے روضۂ

مبارک تخمیناً دو کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شہر فرہ سے روضۂ شریف کو کوئی پختہ سڑک نہیں گئی ہے بلکہ میدانی معمولی راستہ ہے اور مسافت بھی تین کوس سے کم نہ ہوگی۔ اس حصہ میں زمینات کل مزروعہ ہیں جن میں گندم و جو کے کھیت کھڑے تھے اور باغات بھی بکثرت ہیں، نہریں جابجا جاری تھیں، دیہات ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ قندھار سے یہاں تک کسی مقام پر دیہات اس قدر قریب دیکھے نہیں گئے۔ تقریباً ایک میل کے فاصلہ سے گنبد شریف نظر آتا ہے۔ ہماری گنبد شریف پر پڑتے ہیں ہم سب پا پیادہ ہوگئے اور روضۂ مبارک کو (۱۰) بجے پہونچے۔ دیکھا تو یہاں مسافرین کے ٹھیرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ گنبد مبارک سے پچاس ساٹھ قدم کے فاصلہ پر شمال مربی گوشہ میں ایک مسقّف حوض واقع ہے اس حوض کے دو جانب کمان دار حجرے بنے ہوئے ہیں۔ انہیں حجروں میں ہم نے اپنا سامان رکھوادیا اور ٹھیر گئے۔ یہ حوض مستطیل شکل کا ہے جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا عمیق (گہرائی) پانچ فیٹ سے کم نہ ہوگا۔ حوض پر گنبد نما چھت بنی ہوئی ہے۔ پانی نہایت درجہ سرد اور خوشگوار تھا۔ حوض کا نقشہ صفحہ اول پر ملاحظہ ہو۔ خرکار نے مجاور کو آواز دی جو حوض کے روبرو تھوڑے فاصلہ پر بیٹھا ہوا اپنے گیہوں صاف کر رہا تھا۔ آواز سنتے ہی نزدیک آیا، خرکار نے اپنے لئے روٹی لا دینے کو کہا اس نے فوراً ہی روٹی اور چھاچھ لا دی پھر ہم سے کہا کہ میں اپنے گیہوں صاف کر رہا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو اس کام کو ختم کر آتا ہوں۔ ہم نے کہا کہ بہتر ہے تم اپنا کام ختم کرلو۔ چونکہ اس روز ہم نے روزہ رکھا تھا اس وجہ سے سرِ دست ہمیں کھانے پینے کی ضرورت بھی نہ تھی تاہم اس کے واپس آنے پر ایک روپیہ دیا کہ ہمارے افطار کا کچھ سامان کردے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ہم نے حوض میں حمام کیا اور زیارت اقدس سے بہرہ اندوز ہوئے۔

ہمارے قیام پذیر ہونے کے ساتھ ہی مقامی اشخاص آ گے گئے جو نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے اور مصافحہ کرتے اور حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے، آنکھوں سے لگاتے اور

طالب دعا ہوتے۔ اسی دن ایک صاحب نے آ کر ہمیں دعوت دی ہم نے بہت کچھ عذر و معذرت کی لیکن انکا اصرار ایسا تھا کہ ہمیں ناچار ان کی دعوت قبول کرنا ہی پڑا۔ انہوں نے کہا میں ناواقف ہوں کہ آپ کس قسم کا کھانا پسند کرتے، آپ جس طرح کا فرمائیں اُسی طرح کا کھانا تیار کراتا ہوں ہم نے کہا آپ جو کھلانا پسند کریں ہم اُسے بخوشی کھالیں گے۔ وہ یہ سن کر چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد دو مرغیاں لادیں اور کہا کہ آپ انہیں اپنی خواہش کے موافق پکائیں۔ یعقوب میاں صاحب نے شام میں ان کا سالن تیار کیا وہ صاحب بھی روٹی اور دہی اپنے ساتھ لے آئے جب ہم کھا چکے تو وہ واپس چلے گئے۔

۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۳۰/ جون ۱۹۲۳ء

روز شنبہ کی صبح سے گرد و نواح کے لوگ آنے شروع ہوئے۔ ہر شخص نہایت احترام سے ملتا اور حضرت سے طالب دعا ہوتا۔ حضرت امام علیہ السلام کے تفصیلی حالات زندگی و نسب وغیرہ معلوم کرنا چاہتا تھا کیونکہ اُن لوگوں کو تفصیلی حالات معلوم نہیں تھے ہم ان کی خواہش پر حالات بیان کرتے اور ہمارے ساتھ جو چند نسخہ ہائے مختصر سوانح و آسامی المصدقین و قصیدۂ نعتیہ موسوم بہ جواہر الکلام وغیرہ تھے خواہشمندوں کو دئے۔ چند ذی علم بھی آئے۔ یہاں ملاؤں کی کوئی کمی نہیں ہے ہر چھوٹی سی آبادی کے لئے ایک ملا ضرور ہے۔ جو لوگ آتے وہ اپنے ساتھ انگور، انجیر وغیرہ بطور تحفہ لاتے (ان تحائف کو حضرت اُسی وقت حاضرین پر تقسیم کر دیتے) اور اکثر ہمارے ساتھ نماز میں شریک رہتے تھے۔ چنانچہ آج کے روز لوگوں کی بہت کثرت رہی۔ رات کے دس بجے تک فرصت نہ مل سکی۔ ملا عبدالحکیم صاحب جو آبادی روضہ مبارک کے رہنے والے ہیں انہوں نے ہمیں دعوت دی لیکن ہم بعض وجوہ سے دعوت قبول نہ کر سکے بلکہ تا قیام فرہ مبارک اپنے خورد و نوش کا انتظام انہی صاحب کے ذریعہ سے کروایا۔ یہ ہم سے اخراجات خوراک لینے سے انکار کرتے رہے لیکن اُنہیں باصرار تمام کچھ رقم دی گئی اور کہا کہ جب یہ ختم

ہو جائے پھر ہم سے لے لیں ۔ ہمیں روزانہ روٹی اور دہی لا دیا کرتے ۔ ایک روز گوشت بھی لا دیا کیونکہ روضہ کی آبادی میں ہر چیز یں نہیں ملتی ہر چیز شہر فرہ سے لانی ہوتی ہے ۔ اسی روز میں اور یعقوب میاں صاحب ، محمد انور خاں صاحب فرزند محمد شاہ خان صاحب سے روپیہ حاصل کرنے شہر فرہ گئے جب شہر میں داخل ہوئے تو اطلاع ملنے پر کوتوال صاحب نے ہمیں بلوایا ۔ چونکہ ہم شہر میں جاتے ہوئے ٹھیرے نہیں تھے بلکہ سیدھے روضۂ مبارک چلے گئے تھے اس وجہ سے پاسپورٹس اُنہیں دکھلانے کا موقع نہیں ملا تھا ۔ کوتوال صاحب نے اس وقت پاسپورٹس دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن یہ اس وقت ہمارے پاس موجود نہ تھے لیکن سردار عبدالصمد خاں صاحب مدیر امور خارجہ کا رقعہ موسومہ حاکم فرہ موجود تھا یہی پیش کر دیا گیا اس رقعہ کے دیکھنے سے کوتوال صاحب کو اطمینان ہو گیا ۔ ہم نے چاہا کہ اس رقعہ کو حاکم فرہ کے روبرو پیش کر دیں لیکن کوتوال صاحب نے کہا کہ روضہ سے جب آپ واپس ہونگے اسوقت میں خود آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور رقعہ بھی پیش کروں گا اس مشورہ کو ہم نے منظور کر لیا ۔

محمد شاہ خان صاحب کے دونوں فرزند محمد انور خان صاحب و محمد اکبر خان صاحب جو اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے ہم نے اُن سے ملاقات کی ۔ محمد اکبر خان صاحب نے کہا کہ ہمیں قبلہ گاہی کا خط وصول ہوا ۔ چار پانچ روز ہوئے اس میں آپ کے وُرود (آنے) کا حال لکھا تھا جس کی بناء پر میں آپ کے لئے چشم براہ تھا ۔ پھر محمد اکبر خان صاحب ہمیں دوکان سے اپنے مکان کو لے گئے جو بیرون شہر واقع ہے اور کہا کہ آپ میرے مکان پر قیام فرمائیں لیکن ہم نے عذر کیا کہ ہم روضۂ شریف میں اتر چکے ہیں اور ہمارے دو ساتھی بھی اس وقت وہیں موجود ہیں اگر ہم واپس نہ جائیں تو وہ پریشان ہونگے ۔ جب یہ ہمیں دوکان سے مکان لے چلے تو ہم نے خیال کیا کہ شائد روپیہ دوکان میں موجود نہیں ہے مکان پر ادا کرنا چاہتے ہیں لیکن اُن کے اس بیان سے واضح ہوا کہ وہ ہمیں مکان پر ٹھیرانے کے لئے لے آئے تھے ۔

انہوں نے جب دیکھا کہ ہم یہاں ٹھیرنا نہیں چاہتے تو آدمی سے کہا کہ ہمارے لئے چائے لائے اس پر میں نے عذر کیا کہ گرمی بہت ہے مجھے معاف فرمایا جائے تو پھر اسبغول کا شربت طلب کیا۔شربت ایک شاہ کاسہ بھر کر تھا۔اس پر تو مجھے عذر کا کوئی موقعہ نہ تھا البتہ یعقوب میاں صاحب جو روزہ تھے وہ قبول نہ کر سکے۔ یہاں سے ہم پھر ان کے ساتھ دوکان آ گئے اور حسب ضرورت روپیہ لے کر روضۂ شریف کو واپس ہوئے۔ واپس ہوتے ہوئے۔ہم نے ان دونوں بھائیوں کو معہ ان کے عزیز واقارب کے حضرت کے عرس مبارک کی دعوت دی۔ انہوں نے دعوت قبول کی اور آنے کا وعدہ کیا۔

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م یکم جولائی ۱۹۲۳ء

روز یکشنبہ کی صبح کو بعد زیارت روضہ مبارک میں حضرت نے اپنا طبع زاد فارسی سلام پڑھا (جو ابتدائے سفر نامہ پر درج ہے) اور میں نے قمر صاحب کا قصیدہ پڑھا اور علاّمہ سعادت اللہ خان صاحب المتخلص بہ عدمؔ کی نظم پڑھی گئی۔آج بھی لوگوں کا پھر وہی ہجوم رہا اس ہجوم میں سے ایک نوجوان کا ذکر خاص طور پر کرتا ہوں جو ہم سے دور حوض پر بیٹھا ہوا تھا اور لوگ ہم سے جو گفتگو کر رہے تھے وہ سن رہا تھا۔ جب مجمع کچھ کم ہو گیا تو وہ وہاں سے اُٹھ کر حضرت کے پاس آیا اور کہا کہ آقا میں آپ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔حضرت نے کہا کہ بھائی کہو کیا دریافت کرنا چاہتے ہو۔اُس نے کہا کہ میں تنہائی چاہتا ہوں اس پر حضرت اور یعقوب میاں صاحب گنبد مبارک کی غربی جانب کھیت میں اُس کو ساتھ لے گئے۔اس نوجوان نے اپنا نام عبدالحئی بتلایا اور اپنا ایک خواب بیان کیا۔حضرت نے خواب سنا اور یعقوب میاں صاحب سے تعبیر خواب کہنے کے لئے فرمایا۔یعقوب میاں صاحب نے خواب کی تعبیر کہی۔عبدالحئی نے بیان کیا کہ وہ طالب علم ہے اس پر اس سے کہا گیا کہ وہ اگر ہمارے ساتھ حیدر آباد چلے تو وہاں خاطر خواہ تعلیم ہو سکے گی۔اُس نے کہا کہ آج میں اپنے مکان کو جاتا ہوں اگر میرے عزیز و

اقارب اجازت دیں تو آپ کے ہمراہ چلونگا نیز یہ بھی کہا کہ میرے ایک بزرگ ہیں اگر آپ فرمائیں تو انہیں پرسوں بروز پنجشنبہ اپنے ہمراہ لاؤں گا تا کہ ان سے حضرت اما علیہ السلام کے مطعلق گفتگو ہو حضرت نے کہا پنجشنبہ کو تم بھی آؤ اور اپنے بزرگ کو بھی ساتھ لاؤ اور اس روز کھانا بھی ہمارے یہاں کھالو۔ پنجشنبہ کو حضرت امام علیہ السلام کا عرس مبارک تھا دوڈھائی سوآدمی کی دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔

۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲/ جولائی ۱۹۲۳ء

بروز دوشنبہ کو آج بھی لوگ آتے رہے اور دوپہر میں عورتیں زیادہ تعداد میں جمع ہوگئیں تھیں۔ اس وقت میں ایک درخت کے سایہ میں کسی قدر فاصلہ سے علیحدہ بیٹھا ہوا تھا اکثر عورتیں میرے پاس آتیں اور میری دست بوسی کرتی تھیں تو میں نے انہیں حضرت کا نشان دیا اور انہوں نے حضرت سے ملنے کی خواہش ظاہر کیں چونکہ یہاں پردہ کا رواج ہے۔ عورتیں برقعہ پہن کر باہر نکلا کرتی ہیں۔ یہ برقعہ ایسا ہوتا ہے کہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آسکتا۔ باوجود برقع پوش ہونے کی مردوں کے مجمع سے دور رہتی ہیں۔ ان عورتوں کو میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا جو نہایت عقیدت سے حضرت کی دست بوسی کرتیں اور اپنے بچوں کو پیش کر کے طالب دعا ہوتی تھیں اور کبھی رومال کو لے کر آنکھوں سے لگاتیں اور مُنہ سے ملتی تھیں۔

ہم نے آج گنبد مبارک کی پیائش کی اور ایک نقشہ تیار کیا (قدیم سفرنامہ میں موجود نقشہ جات، حظیرہ، روضۂ مبارک کے آرٹسٹ حضرت سردار خاں صاحب حسین زئی تھے) حضرت امام علیہ السلام کی گنبد مبارک کے تحت ایک باغ ہے اس میں انجیر، انگور، سیب اور دیگر میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور کچھ زمین معافی کی بھی ہے جس پر گندم اور کپاس وغیرہ کی کاشت ہوا کرتی ہے۔ مجاور صاحب اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ وہ حضرت کے حالات سے بالکل واقف نہیں ہیں جیسے چاہئے صفائی کا انتظام بھی نہیں ہے۔ گنبد

وغیرہ کی تعمیر وترمیم تو کجا گنبد مبارک کے قریب کسی زمانہ میں مسجد، خانقاہ، باورچی خانہ وغیرہ موجود تھے۔اب خانقاہ کے آثار میں صرف ایک حجرہ اوردالان موجود ہےاوران کی حالت بھی خستہ ہے۔ وہ زمین جس پر مسجد واقع ہے موجودہ باغ میں شریک ہوگئی ہے اور باورچی خانہ وغیرہ کی زمین ایک دوسرے متصلہ باغ میں شامل کر لی گئی ہے۔

گنبد مبارک کے اندرونی حصہ میں بھی صفائی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔گنبد فرش (اینٹ) ناہموار ہوگیا ہےاور چوز کی استرکاری اینٹوں سے علیحدہ ہوکر نکل چکی ہے۔گنبد مبارک کی تعمیر تقریباً چارسواکتیس (۴۳۱) سال قبل شاہ اسمٰعیل شاہ سرخ گلاہ (حاکم فرہ) نے کی تھی جواینٹ چوز کی ہے دوسری روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ قاسم عراقی (حاکم فرہ) مصدق حضرت امامؑ (بعہد شہاب الحق، آپ کا عہد کتاب انتخاب المواليد میں ۹۴۵ سے ۱۰۰۲ھ تک بتلایا گیا ہے) نے تعمیر شروع کی اور سلطان یکان (حاکم فرہ) کے زمانہ میں ختم ہوئی۔تاریخ سلیمانی جلداول گلشن چہارم چمن دوم میں تعمیر گنبد کے متعلق اس طرح لکھا ہے۔

ترجمہ از تاریخ سلیمانی: قمری تاریخ سے چھ ماہ بعداورصحیح تر قول کے مطابق ایک سال بعد اسمٰعیل یوسف سُرخ گلاہ زبردست فوج کے ساتھ جلیل القدر سادات سنّت الجامعت کے مزاروں کی بے حرمتی کرتے ہوئے روضۂ مقدسہ امام علیہ السلام پر پہنچا تمام اہلِ سنّت اورصحابہ اس بات کا ارادہ کر چکے تھے کہ اپنے خاکی وجود کوامام ذی احترام کے قدموں پر نثار کردیں گے حضرتؑ کی روح پُرفتوح سے حکم ہوا کہ اس جگہ سے نقلِ مکانی کیجئے کہ وہ جنگی فوج کے ساتھ آتا ہے۔پس تمام نے نقلِ مکان کیا۔اس جگہ مغل مذکور پہنچا اور شدید دردِ شکم میں مبتلا ہوا اور سزا پائی۔توبہ کر کے مرقد کو گُلاب اور خوشبوؤں سے دھویا۔تفصیلی نقل حضرت ثانی مہدیؑ کے بارے میں آ چکی ہے۔اور یہ بھی روایت ہے کہ اسمٰعیل سُرخ گُلاہ پانچ سو، سوار روضۂ شریف کوشہید کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ان پر قہر بادوباراں اورساعقہ نازل ہوا اورسب فنا ہو

گئے۔قاسم عراقی کے قول کے مطابق اسماعیل سرخ کلاہ نے امامؒ کی تصدیق کی اور تعمیر روضہ کا کام اس کے بعد شروع ہوا اور سلطان شاہ حاکم فرہ نے اس کی تکمیل کی۔

گنبدِ مبارک کا اندرونی بیرونی چونہ بھی جا بجا سے جھڑ گیا ہے اور کمانوں میں جو جالیاں بنی تھیں اُن کے اکثر حصے ٹوٹ گئے ہیں۔گنبد کے ہر گوشہ میں بڑے بڑے شگاف آ گئے ہیں۔ موجودہ حالت ظاہری ہمارے لئے نہایت درجہ اندوہ گین ہے۔ اگر اب باوجود ذرائع آمدورفت مہیا ہونے اور پاسپورٹ بسہولت ملنے کے بھی ہم اس جانب توجہ نہ کریں تو اندیشہ ہے کہ گنبد مبارک شہید ہو جائے۔باوجود اس خستہ حال وظاہری تجمل وشوکت نہ ہونے کے وہ مقام ایسا فرحت افزا اور دلفریب ہے کہ بھیانک رات میں بھی وہاں سے جی ہٹنا پسند نہیں کرتا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ خدائے پاک اپنے خلیفہ کی گنبد پر دن رات اپنے انوار تجلیات نازل کرتا رہتا ہے۔حضرات اگر آپ کو میرے بیان کا یقین نہ ہو تو اس کا ثبوت دلانے کے لئے ایک نقل شواہد الولایت کے اٹھائیسویں سے ایک نقل درج کی جاتی ہے۔

ترجمہ از فارسی: ایک روز امام علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ادائی نمازِ جمعہ کے لئے جامعۂ مسجد قصبۂ **دِچ** کو تشریف لے گئے تھے۔مصدقانِ امامؒ جو اہلِ خراسان سے تھے، کہتے ہیں کہ شیخ ابونصر فراہی کی زیارت کے لئے گئے تھے لیکن اول روایت ہی صحیح ہے۔بہر حال حضرت امیر راستہ میں جہاں روضہ مقدسّہ ہے اس مقام پر کچھ دیر کے لئے توقف فرمائے۔آفتاب گرم اور دھوپ تیز تھی۔صحابہ نے عرض کیا کہ اس مقام پر کچھ دیر ٹہرنے کا مقصد کیا تھا،آپؑ نے فرمایا بندہ اس جگہ پہنچا حق تعالیٰ کی طرف سے ہزاروں طبقۂ نور و رحمت کے فرشتہ یہاں نچھاور کر رہے تھے کہ اللہ کا فرمان ہوا 'اے سید محمد یہاں ٹہر جاؤ تاکہ تمہارے اصحابؓ اس بارانِ نور کے فیض سے مستفیض ہو جائیں۔آخر الامر آنحضرتؑ کا روضہ مبارک اس جگہ تعمیر ہوا۔

۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۳/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ کو عبدالحیٔ وہ نوجوان جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ایک ملا صاحب کو اپنے ہمراہ لائے ملا صاحب نے باوجود دریافت اپنا نام ہمیں نہیں بتلایا اُن سے حضرت مہدی موعودؑ کے متعلق بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ بار بار یہی کہتے تھے کہ آقا میر سید محمد نے حالت جذب میں دعویٰ مہدیت کا فرمایا تھا اور ساتھ ساتھ ان احادیث کا بھی حوالہ دیتے تھے یعنی عیسیٰؑ اور مہدیؑ کا زمانہ ایک ہوگا اور مہدیؑ تمام روئے زمین کا بادشاہ ہوگا (انہوں نے بادشاہت ظاہری لیا ہے) ہم نے بہت کچھ کوشش اُنہیں سمجھانے اور کتب سیر وتواریخ بتلانے کی کی لیکن وہ ہماری کوئی کتاب دیکھنا ہی نہیں چاہتے تھے اور نہ گفتگو سننا اور غور کرنا پسند کرتے۔ اگر کبھی لاجواب ہوتے تو کہتے کہ سب دروغ ہے غرض اسی قسم کی جوش بھری گفتگو کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے ان کے جانے کے بعد حاضرین نے (روضہ مبارک کے اکثر باشندے موجود تھے) ان پر بہت لعنت ملامت کی اور جو لوگ اس وقت موجود نہ تھے وہ بھی اس کیفیت کو سن کر بہت غضب ناک ہوئے کہ ناحق کج بحثی کی کسی کتاب کو دیکھا اور نہ کسی دلیل کو سنا۔

آج حضرت کے بہرۂ عام کا روز تھا ہم صبح ابوالنصر فراہی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کو گئے (کتب سیر سے ثابت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام آپ کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے) آپ کا مزار مبارک **دچ** کی آبادی سے بالکل ملحق اور ایک چبوترے پر واقع ہے۔ بعد فراغت زیارت روضہ مبارک واپس آئے اور شب میں شکر تقسیم کر کے تسبیح دی۔ ہم روضہ مقدسہ میں پانچ شب چھ روز مقیم رہے۔ روزانہ صبح وشام زیارت مزار انور سے سعادت اندوز ہوا کئے ۔

۱۹/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۴/ جولائی ۱۹۲۳ء

بروز عرس مبارک بعد فراغت طعام شہر فرہ کو واپس آ گئے کیونکہ خیال تھا کہ روضہ مبارک

میں ٹھیرے رہنے کی صورت میں کوئی قافلہ واپسی کے لئے نہیں ملے گا تاوقتیکہ شہر میں قیام کر کے انتظار نہ کریں۔شہر واپس آنے کے بعد کوتوال وحاکم فرہ سے جو گفتگو ہوئی وہ مختصراً بیان کی جاتی ہے۔

۲۰/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۵/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ کو کوتوال صاحب سے ملاقات ہوئی ہم نے اُن کے روبرو سردار عبدالصمد خاں صاحب مدیر خارجیہ کا رقعہ جو حاکم فرہ کا موسومہ تھا پیش کیا تا کہ وہ حاکم صاحب کو پہونچادیں رقعہ مذکور چونکہ ہمیں کھلا ہوا دیا تھا اوراس میں کوئی خانگی ذکر بھی نہ تھا اس لئے اس کی نقل لے لی گئی۔رقعہ کا مضمون حسب ذیل تھا۔اس فارسی رقعہ کا ترجمہ پیش ہے۔

جناب قوم معظم والاشیم ع۔ص جناب متشار در پیش است تنظیمہ فرہ زاداللہ احترام

بعداز دعائی گوعرض ہے کہ چندلوگ (حضرات) سید محمد آقا' سید قاسم آقا وسید حاجی محمد علی خاں حضرت تاجدار آقا (یہاں اکثر لوگ سید محمد مہدیٔ موعود کو ہی نام کی مناسبت سے سید محمد تاجدار سمجھتے ہیں یہ دوسرے ولی ان کی زیارتوں کی تفصیل ان اسفار میں درج ہے) کی زیارت کی نیت سے دکن سے آئے ہوئے ہیں وہ فرہ کا ارادہ رکھتے ہیں اوران کے ساتھ پاسپورٹ بھی ہیں جس پر قونصل خانہ بمبئی سے ویزہ کا اجراء بھی ہوا ہے۔نہایت دین دار' پاکیزہ اور صادق مسلمان ہیں امید کہ جنابِ عالی ان کی مسافرت میں آسانی اورسہولت کے لئے اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے۔حق سبحانہٗ تعالیٰ عزت داریں۔

کوتوال صاحب نے عذر کیا کہ آج جمعہ ہے کل بروز شنبہ صبح کو معہ رقعہ کے آپ کو حاکم صاحب کے پاس لے چلونگا۔اس کے بعد کوتوال صاحب نے کہا سنا گیا ہے کہ آپ کے پاس کچھ کتابیں بھی ہیں جنہیں آپ تقسیم کرتے ہیں اگر موجود ہوں تو مجھے بھی دیجئے۔میں نے کہا کہ ہاں سفیر صاحب بمبئی کی فرمائش پر کچھ مختصر حالات حضرت آقا میر سید محمد کے طبع کروائے

گئے تھے منجملہ اس کے چند نسخے ہمارے پاس تھے نیز دوسرے رسالہ جات بھی تھے جو روضہ شریف میں لوگوں کی خواہش پر تقسیم کردئے گئے اب کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ پھر کہا کہ کیا آپ لوگ یہاں قیام کرنے کی غرض سے آئے ہیں یا اور کوئی غرض ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ صرف زیارت کی غرض سے آنا ہوا ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ آپ یہاں کچھ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہاں ہمارا خیال ہے کہ روضہ مقدس جس کو تعمیر ہوئے بہت عرصہ گزرا ہے مرمت طلب ہوگیا ہے ہم وطن جانے کے بعد حضرت کے معتقدین جو بکثرت ہیں اُن سے تحریک کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ خاطر خواہ تعمیر ہوجائے گی۔ اس کے بعد ہم رخصت ہوئے۔ اسی روز سہ پہر میں منشی صاحب حاکم فرہ چند ملا صاحبوں کے ساتھ ہمارے یہاں آئے اور حضرت سے دیر تک ثبوت مہدیؑ میں گفتگو کرتے رہے۔

۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۶/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز جمعہ کو کوتوال صاحب نے ہمیں بلوایا۔ میں یعقوب میاں صاحب سید قاسم صاحب روانہ ہوئے۔ جس وقت ہم پہونچے اس وقت قاضی صاحب کے منشی نے دو کتابیں کوتوال صاحب کو لادیں جس میں اسامی المصدقین اور دوسری جواہر الکلام تھی۔ یہاں سے ہم کوتوال صاحب کی معیت میں موکتب مذکورہ کے حاکم فرہ کے بنگلہ پر پہونچے۔ کوتوال صاحب نے کتابیں ان کے ملاحظہ میں پیش کیں۔ ان کا نام عبدالرحمٰن خان صاحب ہے بعد سلام علیک و خیریت پرسی ہمیں اپنے بازو بٹھلایا۔ اس وقت یہاں قاضی صاحب و منشی صاحب شہر اور دیگر ۲۵۔۱۳۰ اشخاص موجود تھے۔ حاکم صاحب نے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کو یہاں کسی سے کسی قسم کی تکلیف تو نہیں پہونچی۔ میں نے کہا ہمیں جناب کے حُسن انتظام کی بدولت بجز آرام کے کوئی تکلیف نہیں پہونچی پھر فرمایا کہ کیا آپ لوگ چند دن یہاں ٹھیریں گے میں نے عرض کیا کہ ہم صرف زیارت سے مشرف ہونے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے۔ بفضل خدا ہماری غرض

پوری ہوچکی قافلہ کا انتظار ہے۔قافلہ آتے ہی ہم اپنے وطن روانہ ہوجائیں گے۔اگر جناب کی توجہ سے بدرقہ (رہبر، رہنما) کے طور پر دوسوار ہمیں مل جائیں تو پھر قافلہ کی انتظار کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی۔سوار ملنے کی صورت میں جواخراجات ان کے ہوں ہم ادا کرنے آمادہ ہیں۔جواب میں کہا کہ آپ کوتوال صاحب سے کہئے وہ آپ کے لئے کوئی انتظام کردیں گے میں نے کہا کہ کوتوال صاحب سے کہا گیا تھا وہ فرماتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا جائے۔اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر قافلہ جلد نہ آئے تو پھر میں اور کوتوال صاحب کوئی مناسب تجویز کردیں گے۔اس کے بعد فرمایا کہ کیا آپ پاس حضرتؑ کی مفصل سوانح یا تصنیف موجود ہے؟ میں نے کہا ہاں مفصل تو نہیں لیکن چند نسخہ مختصر سوانح کے موجود تو تھے جو خواہش مندوں میں تقسیم کردیئے گئے اب کوئی جلد باقی نہیں رہی۔حاکم صاحب نے دریافت کیا کہ حضرتؑ کہاں سے تشریف لائے اور یہاں کیسے آنا ہوا تھا۔میں نے عرض کیا حضرت کا مقام پیدائش شہر جونپور ہے۔سن رشد کو پہونچنے کے بعد سے آپ نے کسی خاص مقام پر مقام نہیں فرمایا بلکہ تبلیغ فرماتے ہوئے۔ہروقت ہجرت میں رہے یہاں بھی بہ حکم خداوندی ہجرت کناں تشریف فرما ہوئے۔ اس زمانہ میں حاکم قندھار مرزا شہ بیگ اور حاکم فرہ میر ذوالنون تھے نیز ہرات میں سلطان حسین خراسانی کی حکومت تھی ان سبھوں نے حضرت کی تصدیق کی اور بہت سارے علماء وفضلا بھی تصدیق سے مشرف ہوئے۔حضرت نے دعویٰ موکد ۹۰۵ھ میں فرمایا اور وصال ۹۱۰ھ میں ہوا۔ میں نے یہاں تک حالات بالاجمال بیان کئے۔ پھر یعقوب میاں صاحب نے حضرت کی پیدائش سے دعویٰ ''من اتبعنی فہو مومن '' تک کا احوال سنایا۔اس پر حاکم صاحب نے پھر دریافت کیا کہ آپ حضرت کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔میں نے کہا جناب ہمیں حضرت کے مہدی موعودؑ ہونے کی پوری تحقیق ہوچکی ہے پس ہم حضرت کو مہدی موعودؑ مانتے ہیں۔حاکم صاحب نے فرمایا کہ ہمارا قصد تھا کہ ایک مجلس مناظرہ منعقد کرکے حضرت

کے پورے حالات تحقیق کریں لیکن اب آپ لوگ جانے والے ہیں ٹھیرنے میں تکلیف ہوگی اس وجہ سے مناظرہ کیا جانا مناسب نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مناظرہ کے لئے ذی علم حضرات کی ضرورت ہوتی ہے ہم میں اس وقت کوئی مناظرہ کے قابل نہیں۔ ہمارے یہاں اکثر علماء فضلا موجود ہیں جن کے منجملہ میں نے جناب مولانا مولوی سید اشرف صاحب شمسیؔ کا نام لیا اور کہا کہ جو نعتیہ قصیدہ آپ کے روبرو اس وقت موجود ہے وہ صاحب موصوف کا مصنفہ ہے۔ اس پر حاکم صاحب نے کہا کہ ہاں تو ہمارے امیر صاحب نے راستہ کھولدیا ہے۔ آپ کے اکثر حضرات جن میں علماء وغیرہ بھی ہونگے آئندہ یہاں آئیں گے تو ان سے بآسانی تحقیق ہوسکے گی۔ یعقوب میاں صاحب نے کہا کہ مناظرہ سے کبھی تصفیہ کی صورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ حمیت بیجا بڑھ جاتی ہے۔ میرے خیال میں تو مناسب بھی ہوگا کہ آپ اپنے شکوک قلمبند فرما کر ان کے جواب حاصل کریں اس کا کوئی جواب حاکم صاحب نے ادا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو اردو یا فارسی جو کتابیں حضرت کے دیکھے ہیں اب پوری طور سے واقف ہونا چاہتا ہوں اس کے بعد گفتگو ختم ہوگئی اور ہم رخصت حاصل کرکے اپنی قیام گاہ پر واپس آنے کے لئے اُٹھے۔ حاکم صاحب نے تعظیماً نیم ایستادہ ہوے اور سب سے مصافحہ کرکے یعقوب میاں صاحب سے کہا کہ آقا (حسین شاہ میاں صاحب) کو میرا سلام کہیئے۔ اس کے بعد معلم صاحب کے ہمراہ کئی روز کے بعد اپنے دونوں فرزند کو حضرت کے پاس روانہ کرکے خواستگار دعا ہوئے۔

۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۷/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز یکشنبہ کو آج قاضی عبدالمنان صاحب و منشی صاحب ہمارے یہاں تشریف لائے اور کچھ عرصہ تک حضرت کی مہدیت کے متعلق گفتگو رہی۔

۲۳/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۸/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز یکشنبہ آج یہی قاضی صاحب و مفتی صاحب تشریف لائے۔ حضرت حسین شاہ میاں

صاحب قبلہ سے گفتگو رہی اور حضرت امام علیہ السلام کے تصنیفات دریافت کئے اس کے جواب میں میں نے کہا کہ حضرت کے کوئی تصنیفات نہیں ہیں ۔ آپ ہمیشہ قرآن کا بیان فرماتے رہے، آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے اقوال جمع کئے ہیں جیسے سرور کائنات حضرت رسولؐ خدا کے بعد صحابہ نے احادیث جمع کئے ہیں حضرت امام علیہ السلام کے اقوال نقلیات کے نام سے مشہور ہیں۔

۲۴/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۹/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ قاضی عبدالمنان صاحب (آپ صیغہ مرافعہ کے قاضی ہیں) ۔معہ قاضی عبداللہ خاں صاحب (آپ مقدمات کے قاضی ہیں) تشریف لائے اور حضرت سے عبداللہ خان صاحب کی ملاقات کرائی اور حضرت امام علیہ السلام کے حالات بہت دیر تک سنتے رہے۔

۲۵/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۰/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ کوتوال صاحب نے جواب دیدیا کہ بدرقہ کے سوار نہیں مل سکتے آپ کو قافلہ کا انتظار کرنا چاہیئے ۔

۲۶/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۰/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز چہارشنبہ آج کوئی امر قابل ذکر پیش نہیں آیا۔اس لئے میں بیان کرنا نہیں چاہتا۔

۲۷/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۱/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ آج کے روز جناب قاضی عبدالمنان صاحب کے ہمراہ کرنل صاحب فوج شہر فرہ حضرت حسین شاہ میاں صاحب قبلہ سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لائے ۔ جناب کرنل صاحب نے کہا مجھے حضرت کی ملاقات کا شوق تھا۔حضرت نے فرمایا آپ نے مہربانی کی جو یہاں تک تکلیف فرمائی۔کرنل صاحب نے کہا کہ خدا کا شکر آپ کا ارادہ پورا ہوا جو اپنے جد بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔حضرت نے فرمایا مدت سے آرزو تھی خداوند کریم کا

لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری اس دیرینہ آرزو کو پوری کیا۔ کرنل صاحب نے کہا ہماری اصطلاح میں سید کو بادشاہ کہتے ہیں، دوسرے آقا، تیسرے شیخ۔ حضرت نے فرمایا شیخ بزرگ کو کہتے ہیں میں غریب فقیر ہوں قاضی صاحب نے کہا نہیں آپ بادشاہ اور شیخ اولادرسولؐ ہیں۔ حضرت نے کہا اگر رسول خداﷺ ہم کو اپنی اولاد فرمائیں تو موجب ناز ہے اگر وہ اولاد نہ فرمائیں تو ہمارا اولاد کہہ لینا فائدہ نہ دے گا اس پر ایک نقل بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی فرمائی کہ جب حضرت بایزید بسطامیؒ کا انتقال ہوا آپ کو دفن کیا گیا نکیرین قبر میں آئے اور سوال کیا کہ تمہارا خدا کون ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے تمہیں یہاں بھیجا ہے اُسے جا کر پوچھو اگر وہ اپنا بندہ کہے تو بس ہے پھر یہاں آنے کی ضرورت نہیں میرے کہنے سے کیا فائدہ اس پر وہ چلے گئے پھر واپس نہیں آئے۔ کرنل صاحب ہمیں آپ کی خدمت کرنا چار، وجہ سے فرض ہے۔ ایک سید دوسرے ریش سفید، تیسرے غریب الوطن، چوتھی مہمان۔ حضرت نے فرمایا آپ سے یہی امید ہے خدا آپ کی اور امیر صاحب کی عمر میں ترقی عطا فرمائے۔ یہ سلطنت اسلامی ہے، تمام نے آمین کہا کرنل صاحب نے اجازت چاہی اور رخصت ہوئے۔

۲۸/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۳/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز جمعہ کو جناب قاضی صاحب صیغہ مرافعہ کے ہمراہ کرنل (یہ امر قابل یادداشت ہے کہ یہاں کرنل کا عہدہ محض فوج سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کرنل سول Civil بھی ہوتے ہیں) ملکی جناب عمر خان صاحب بارک زئی معہ برادر تشریف لائے اور قریباً آپ سے بھی ویسے ہی گفتگو رہی جیسے کہ کرنل صاحب فوجی سے ہوئی تھی۔ جب بایزید بسطامیؒ کی نقل کا اعادہ آپ کے روبرو ہوا تو کرنل صاحب کے برادر پر اس کا بہت اثر ہوا۔ حتی کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر ہم سہ پہر میں فاتحہ کیلئے حضرت امام علیہ السلام کے روضۂ مبارک کو گئے شب میں وہیں قیام رہا بعد نماز صبح واپس آئے۔

۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ م ۱۴/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز شنبہ مفتی صاحب شہر فرہ آئے اور حضرت سے کہا کہ ایک مولوی صاحب قندھاری جو مستشار صاحب (حاکم) کے بچوں کے معلم ہیں ان کا ارادہ بھی قندھار جانے کا ہے میں نے اُنہیں آپ کا نام بتلایا ہے اور کہا ہے کہ آپ کے ہمراہ جائیں۔ اگر راستہ میں چور بھی آئیں تو ان کے قدموں پر گر جائیں گے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی چنانچہ سہ پہر میں معلم صاحب موصوف مستشار صاحب (حاکم) کے بچوں کو لے کر ہمارے پاس آئے اور معہ بچوں کے حضرت کی خدمت میں پیش ہو کر خواستگار دعا ہوئے۔ اسی طرح اور لوگ بھی ملاقات کو آتے رہے۔

یکم ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۱۶/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ ہرات سے قافلہ آ گیا اور قاضی عبداللہ خان صاحب ابتدائی ساکن روضہ مقدسہ دوبارہ ملاقات کو آئے اور کتابیں روانہ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت نے فرمایا کہ کتابیں تو روانہ کرونگا لیکن آپ ان کو تعصب سے نہیں بلکہ انصاف کی نظر سے دیکھیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ حق تعصب سے ظاہر نہیں ہوتا میں بے تعصبی سے دیکھوں گا یہی نہیں بلکہ میں آپ کی طرف سے وکالت بھی کروں گا۔ دوپہر کے کھانے میں قاضی عبدالمنان صاحب و برادر قاضی صاحب و منشی صاحب و مفتی صاحب اور اُن کے ملازمین ہمارے ساتھ شریک رہے اور خوش ہو ہو کر بار بار یہ کہتے تھے کہ ہمارے ملازم اس قسم کے کھانے نہیں پکاتے اُس روز ہمارے یہاں دہی کا قورمہ پکا تھا حالانکہ اس قورمہ میں وہ مصالحے نہیں تھے جو عموماً ڈالے جاتے ہیں تاہم اس پر بھی وہ حضرات اس کی تعریف کر رہے تھے۔ کیونکہ یہاں گوشت کا شوربا صرف نمک و گرم مصالحہ سے تیار کر لیا جاتا ہے وجہ یہ کہ ادرک اور سبز مصالحہ وغیرہ یہاں ملتا ہی نہیں ہے۔ اسی روز سہ پہر میں یعقوب میاں صاحب نے قاضی صاحب سے

فرمایا کہ آپ جماعت سے نماز کیوں نہیں ادا کرتے جوفرداًفرداًادا کرتے ہیں باوجوداس کے جماعت کی سخت تاکید ہے انہوں نے وعدہ کیا کہ میں آئندہ جماعت سے نماز ادا کرونگا۔ یہ ان کی صداقت اور بے نفسی پر دال ہے کہ نیک مشورہ کے قبول کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

حضرات اس موقع پر میں یہاں کے لوگوں کے اعتقادات و مذہبی حالات کو اجمالی طور پر قلم بند کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس روزانہ لوگ جوق در جوق آتے اور جو بات انہیں دریافت طلب معلوم ہوتی ہم سے دریافت کرتے ہم لوگ حتی الامکان ان کی تفہیم کرتے۔ ان کی سمجھ میں آنے کے بعد درست و بجا کہتے بعض اشخاص ایسے بھی ملے جو حضرت امام علیہ السلام کے دعوی کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ دو تین اشخاص جو ہمارے پاس بغرض ملاقات آئے تھے اثنائے گفتگو میں ایک شخص نے دوسرے کی طرف اشارہ کر کے ہم سے کہا کہ ان کے والد جو عمر رسیدہ اور بڑے عالم تھے ان کے مقابل کا کوئی عالم اطراف و جوانب میں نہیں تھا اور وہ حضرت امام علیہ السلام کے حالات سے بخوبی واقف تھے اور بیان کرتے تھے کہ حضرتؑ نے دعوئ مہدیت حالت صحت میں فرمایا تھا اور آپ کی تصدیق مہدیت ہزار ہا لوگوں نے کی۔ حضرت حسین شاہ میاں صاحب قبلہ نے ان میں سے ایک سے دریافت فرمایا کہ آپ حضرتؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ میں حضرتؑ کو بقاباللہ جانتا ہوں پھر میں نے آگے بڑھ کر صاحب موصوف سے دریافت کیا کہ جناب آپ مسئلہ مہدیت میں کیا کہتے ہیں کہا کہ میں حضرتؑ کو مہدی موعود خلیفۃ اللہ آخرالزماں جانتا ہوں چنانچہ میں نے اپنے والد بزرگوار کے زبانی یہی سنا ہے۔ ہم لوگ روضہ مبارک سے شہر واپس ہونے کے بعد ایک ملا صاحب حضرت کی ملاقات کو آئے اور حضرتؑ کی مہدیت کی تصدیق کی اور کہا کہ اکثر لوگوں کا یہی اعتقاد ہے کہ حضرت کی ذات مہدی موعودؑ آخرالزماں ہے۔ علاوہ بریں ایک اور صاحب نے بھی جو حضرت کی ملاقات کی غرض سے آئے تھے حضرتؑ کے مہدی موعودؑ ہونے کی

تصدیق کی۔معلوم نہیں اور کتنے لوگ اطراف واکناف میں اس خیال کے ہیں کیونکہ نہ تو ہمارا قیام زیادہ رہااور نہ اس قلیل عرصہ میں وہاں کی پوری پوری حالت معلوم ہوسکی۔علاوہ اُن کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو حضرت کے دعوی مہدیت کا انکار تو نہیں کرتے البتہ دعوی کو حالت سکر میں ہونا بتلاتے ہیں۔چنانچہ ایک شخص نے اسی قسم کی گفتگو کی اور دعویٰ کو حالت سکر کی طرف محول کیا۔غرض دعویٰ مہدیت کے تو عام لوگ قائل ہیں مگر اکثر دعویٰ حالت صحت میں ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور بعض حالت سکر کی طرف محول رکھتے ہیں لہذا ان لوگوں کے حالات کو مدنظر رکھتے اور ان کے اعتقادات کا خیال کرتے ہوئے اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں مقیمان روضہ مبارک اور اطراف واکناف کے آباد دیہات میں قریب قریب سب لوگ مہدوی المذہب تھے اور اب بھی انہیں اسلاف کے اخلاف موجود ہیں جو حضرت کے پکے معتقد ہیں مگر زمانہ دراز گزر جانے سے یہ لوگ اپنے بزرگوں کے پورے مقلد اور حضرتؑ کے حالات سے بھی بخوبی واقف نہیں معلوم ہوتے۔باوجود اس کے حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے نام مبارک پر اس قدر عاشق وفدا ہیں جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔

۲/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۱۷/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ قاضی صاحب نے آج ہماری دعوت کی اور دعوت کا سب سامان فراہم کرادیا اور یہ فرمایا کہ آپ میرے ملازمین سے اپنی نگرانی میں پکوائیے کیونکہ یہ ملازمین آپ کے مذاق کے موافق کھانا پکانا نہیں جانتے۔ہم نے اپنی نگرانی میں پلاؤ پکوایا لیکن وہ سامان میسر نہ آسکا جو پلاؤ کے لئے ضروری ہے۔علی الخصوص ادرک تو وہاں ملتی ہی نہیں۔جب یہ پلاؤ بے مصالحہ تیار ہو چکا تو ہم اور ان سب لوگوں نے مل کر کھایا اس پلاؤ کی اُنہوں نے بہت تعریف کی۔اس میں سے تھوڑا سا پلاؤ ایک رکابی میں حضرت کی طرف سے حاکم فرہ کے پاس روانہ کیا اور پھر کہلا بھیجا کہ یہ کھانا ہمارے سیدوں کا ہے چونکہ یہ کھانا جو حاکم صاحب کو بھیجا گیا تھا وہ

بالکل قلیل مقدار میں تھا اس وجہ سے ہم کو بہت شرم آتی رہی۔ لیکن قاضی صاحب نے ایک نہ مانی بلکہ وہی تھوڑا سا کھانا روانہ کر دیا اور کہا کہ یہ تبرک ہے اس کی بہت عزت کی جائے گی ہم جس مکان میں ٹھیرے تھے وہ مکان محمد شاہ خان صاحب سوداگر فرہ کا تھا جو بیرون شہر جانب جنوب واقع ہے یہ بہت بڑا مکان ہے اُس کا بیرونی حصہ خانہ باغ کے طور پر ہے جس میں سے ایک نہر گزرتی ہے اس خانہ باغ میں شہتوت وانجیر وگلاب وغیرہ کے درخت ہیں شہتوت کے درختوں کا سایہ بہت گہرا تھا صحن کا ایک حصہ ایسا ہے جس میں درخت نصب نہیں ہیں بلکہ بالکل صاف میدان سا ہے اس حصہ میں دو کمرے ایک دوسرے سے کسی قدر فاصلہ سے بنے ہیں جن میں سے ایک میں ہم اور دوسرے میں قاضی صاحب فروکش تھے۔ اس مکان کے قریب ہی محمد شاہ خان صاحب نے ایک بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی ہے۔ ان کے دونوں فرزنداں نہایت خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ روزانہ ہماری خیریت پرسی کرتے اور صبح شام اپنے یہاں سے روٹی روانہ کرتے اگر روٹی قبول کرنے میں ہم تامل کرتے تو وہ رنجیدہ ہوتے۔ جب ہم فرہ سے روانہ ہونے لگے تو ان دونوں بھائیوں نے ہمارے لئے توشہ تیار کیا جس میں بہت سی میٹھی روٹی تھی۔ ہم نے توشہ قبول کرنے سے انکار کیا (کیونکہ خواہ مخواہ انہیں تکلیف دینا تھا) تو وہ بہت ناراض ہوئے ان کی ناراضی کے خیال سے آخر مجبوراً ہمیں لینا ہی پڑا مجھے وہ ہر وقت کا کا پکارا کرتے اور کہتے کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو مکان سے منگوا لیجئے خدا کا دیا دودھ دہی وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ چہارشنبہ بعد نماز مغرب روانگی کی تیاری شروع ہوئی۔ یہ دونوں بھائی اور قاضی صاحب وغیرہ نے اپنے ہاتھوں سے کجاوے اٹھا کر گھوڑوں پر باندھے اور قافلہ تک پہونچانے آئے۔ چونکہ قافلہ کی روانگی کو ابھی عرصہ تھا وہ بھی ہمارے ساتھ ٹھیرے رہے کہ قافلہ کے روانہ ہونے پر ہم کو وداع کریں لیکن ہم نے بہ اصرار اُنہیں قبل روانگی قافلہ رخصت کیا۔ بعد نماز عشاء قافلہ روانہ ہوا قاضی صاحب مرافعہ نے ایک میل کے فاصلہ پر مکرر آ کر ملاقات کی

اور حضرت سے طالب دعا ہو کر رخصت ہوئے۔

۳/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۱۸/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز چہار شنبہ نماز صبح کے وقت **خرمالک** پہونچے تمام دن رباط میں قیام رہا۔

۴/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۱۹/ جولائی ۱۹۲۳ء

شب پنجشنبہ **خرمالک** سے گیارہ (۱۱) ساعت شب کو روانہ ہوئے اور صبح رباط **سیاہ بابا** میں قیام ہوا۔

۵/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۰/ جولائی ۱۹۲۳ء

شب جمعہ کو رباط سیاہ بابا سے روانہ ہو کر صبح رباط **بکوا** میں قیام کیا گیا۔

۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۱/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز شنبہ **خاش رود** کے کنارے میدان میں قیام کرنا پڑا کیونکہ رباط **دلارام** بند تھی۔

۷/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۲/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز یک شنبہ علاقہ **واشیر** مقام قرعہ واڑی کنارہ کاریزہ (نہر) میدان میں قیام کرنا پڑا یہاں کا پانی قابل تعریف ہے جو نہایت صاف وشیریں اور خنک ہے کہ اس جیسا پانی کسی مقام پر دیکھنے میں نہیں آیا۔ اُس ملک کی اصطلاح میں **کاریزور** اس کو کہتے ہیں جو نہر پہاڑ کھود کر نکالی جاتی ہے۔

۸/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۲/ جولائی ۱۹۲۳ء

دوشنبہ کو بھی وہیں قیام کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس مقام (قرعہ واڑی) کی چند عورتیں گم ہوگئیں۔ وہاں کے حاکم کا حکم ہوا کہ قافلہ ایک روز کے لئے ٹھیر جائے پھر دوسرے روز روانگی کی اجازت مل گئی۔

۹/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۴/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ رباط **بی بانک** میں قیام رہا۔خلیفہ نامی ایک شخص جو راستہ میں دردسول کی شدت سے رہ گیا تھا صبح اس کے ساتھی جا کر لے آئے۔ہم نے علاج کیا فائدہ ہوا۔

۱۰/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۵/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز چہار شنبہ رباط سادات میں ٹھیرے رہے۔اگر چہ کہ میں خرکار کو بیرون رباط نہر کے کنارے ٹھیرنے کے لئے کہا لیکن وہ نہ مان کر قافلہ کے ہمراہ رباط ہی میں قیام کیا۔

۱۱/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۶/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ **گرشک** داخل ہوئے یہاں بھی ایک روز قیام رہا۔حسب عادت یہاں سے شب کو کوچ نہیں ہوا کیونکہ دریائے ہلمند جو یہاں سے متصل ہے عبور کرنا تھا۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۷/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز جمعہ بعد فراغت طعام صبح دریائے ہلمند عبور کر کے اسی کے متقل ایک نالہ کے کنارے جہاں پن چکی چل رہی تھی ٹھیر گئے اس وقت دریائے ہلمند کو گھوڑوں پر بیٹھ کر ہی عبور کیا کیونکہ پایاب ہو چکی تھی۔جس مقام سے ہم نے عبور کیا تین فٹ عمیق (گہرائی) کے قریب پانی بہہ رہا تھا

۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۸/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز شنبہ **کشک نخود** پہونچے نہر کے کنارہ درختوں کے سایہ میں قیام کیا کہ **ھوجہ** سے کہ رباط بند ہونے کی خبر ملی تھی لیکن بعد میں یہ خبر غلط ثابت ہوئی کیونکہ اور مسافر جو ہمارے ساتھ **مشھد** سے آرہے تھے انہوں نے اسی رباط میں قیام کیا۔

۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲۹/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز یک شنبہ **رودارغندا** کے متصل ایک نہر کے کنارہ مقام ہوا اور یہاں سے ہم شب کے بارہ بجے روانہ ہوئے۔

۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۳۰/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ کو نماز صبح کے وقت قندھار داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہر طرف سے صدائے اللہ اکبر کے نعرے خواب غفلت میں مست سونے والوں کو چونکا رہے ہیں ۔ کیا جوان ، کیا بوڑھا، کیا بچہ جوق جوق مسجدوں کی طرف جا رہے ہیں ۔کوئی تو نہروں پر وضو کر رہا ہے اور کوئی مسجدوں میں اپنے معبود حقیقی کے روبرو سربہ سجود ہے ۔کوئی قیام و رکوع میں مصروف تو کوئی قاعدہ میں مشغول بہرصورت اپنے رب کی طرف لو لگائے ہوئے تھے جس سے اسلامی عبادات وخدا پرستی کی شان ظاہر ہورہی تھی علی العموم افغانستان کے کل باشندوں کی مذہبی حالت یہی ہے اور سچائی کوٹ کوٹ کران میں بھری ہے ۔حتی الامکان کذب (جھوٹ) ومعصیت سے مجتنب (بیگانہ) رہتے ہیں ۔خرید وفروخت میں اکثر دیکھا گیا کہ سچ سچ کہنا پسند ہے ۔اور حدیث وفقہ کا بے حد شوق اور عقیدت مندی ایسی کہ سادات کے نام پر مثل پروانوں کے شیداء ہیں اور لباس بھی سیدھا سادھا۔ ایک افغانی ڈھیلا پاجامہ اور کرتا ، سر پر شملہ علاوہ اس کے کندھے پر ایک چادر جیسی کہ ہمارے مشائخین وفقراء رکھا کرتے تھے۔

سرکاری قانون کا دارومدار شریعت پر ہے، سچ تو یہ ہے کہ وہاں قانون اور شریعت جدا جدا چیزیں نہیں ہیں۔ ہر جرم کی سزا شرعی احکام کے موافق دی جاتی ہے ۔رعایا بھی نہایت ہی سختی سے ان احکام کی پابندی کرتی ہیں۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ تو ہم کو بھی ہمارے افغانی بھائیوں کی طرح مذہب کا فدائی اور احکام مذہب کا پابند بنا۔محمد عمر خرکار کو قندھار کے قریب اطلاع ملی کہ اس کی لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے وہ ہمیں حاجی یعقوب کی سرا میں پہونچا کر مغموم وحزین اپنے مقام کو چلا گیا۔

یہاں خرکاروں کی نسبت چند سطور لکھ دینا مناسب خیال کرتا ہوں جب ابتداً خرکاروں سے کرایہ وغیرہ کی نسبت گفتگو ہوتی ہے تو اس وقت یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم آپ کی ہر

طرح خدمت بجا لائیں گے بلکہ یہاں تک کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو آپ کا کھانا بھی ہم پکا دیں گے لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ اُن کی یہ سب باتیں جانوروں کی نگہداشت و ذاتی کاروبار کی وجہ پوری نہیں ہونے پاتیں۔ اُلٹے خود ہمیں ان کی خدمت کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات تو تکلیف بھی اٹھانی پڑی وہ اس طرح کہ منزل پر ہم کسی مناسب اور سایہ دار مقام پر قافلہ سے کسی قدر علیحدہ ٹھیرنے کی خواہش کرتے تو وہ اس پر بالکل اعتنا نہ کرتے بلکہ قافلہ کے ساتھ کھلے میدان میں اُتار دیتے جہاں کہ انہیں خود آرام ہوتا۔ اسی روز ہم لوگ سفیر صاحب برطانیہ کے یہاں جا کر اپنا روپیہ اور سامان واپس لے لئے۔

۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۳۱/ جولائی ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ محمد یوسف خان صاحب زمیندار کابل سے یعقوب میاں صاحب کی ملاقات ہوئی انہوں نے بیان کیا کہ چمن سے قندھار تک موٹر کے لئے سڑک کی منظوری آ چکی۔ چنانچہ گتہ دار بھی مقرر ہو گئے ہیں اگر یہ سڑک تیار ہو کر موٹر سروس جاری ہو جائے تو مسافرین کو ایک حد تک آرام ہو جائے گا۔

۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م یکم اگسٹ ۱۹۲۳ء

روز چہارشنبہ مکرر محمد یوسف خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا مدیر صاحب خارجیہ کے یہاں آپ کا ذکر ہو رہا تھا۔ حالات سفر دریافت کرتے وقت ان کے اس بیان پر اسی روز میں اور یعقوب میاں صاحب مل کر مدیر صاحب کے مکان پر گئے لیکن صاحب موصوف مکان پر موجود نہ تھے ہم یہاں سے واپس ہو کر خطوط کی دریافت کے لئے سفارت خانہ برطانیہ پر گئے اتفاقاً مدیر صاحب خارجیہ بھی وہیں موجود تھے بعد سلام علیک و خیریت پرسی حالات سفر کا تذکرہ رہا۔ اس کے بعد ان کے عنایات کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اثناء گفتگو میں رویت کا مسئلہ چھڑ گیا۔ سفیر صاحب نے کہا دار دنیا میں رویت کیسے وہ تو ناممکن ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو

جواب ملا کہ لَنْ تَرَانِیْ یعقوب میاں صاحب نے جواب میں فرمایا کہ محققین کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ رویت دار دنیا میں جائز ہے اور کل اہل تسنن بھی اس پر متفق ہیں کہ معراج میں حضرت رسول خدا ﷺ کو دیدار ہوا میں نے بھی کہا کہ اگر رویت ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰؑ جیسے الوالعزم پیغمبر اس کی آرزو نہ کرتے اور جو جواب ملا وہ بھی قابل غور ہے اس کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطی کی ہے یعنی خداوند عالم تو یہ فرماتا ہے اے موسیٰ تو مجھ کو دیکھ نہیں سکتا یہ ارشاد نہیں ہوا کہ میں دِکھ نہیں سکتا اس میں یہ راز ہے کہ تو باقی رہ کر دیکھ نہیں سکتا۔ اپنے کو فنا کر کے تو دیکھ سکتا ہے اس پر مولانا روم کا یہ شعر پڑھا گیا۔

تو مباش اصلا کمال انیست و بس
تو درد گم شو وصال ایں است و بس

اس پر سفیر صاحب و مدیر صاحب بہت خوب بہت خوب کہہ کر خاموش ہو گئے۔

۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۲/ اگست ۱۹۲۳ء

پھر روز پنجشنبہ یعقوب میاں صاحب و سید قاسم صاحب سفیر صاحب کے پاس خطوط کی دریافت کے لئے گئے ان کے پاس کرنل صاحب قندھار بھی موجود تھے سفیر صاحب نے کرنل صاحب سے زبان فارسی میں ہمارا تعارف کرایا اور ہمارا زیارت کی غرض سے آنا بیان کیا اس پر کرنل صاحب تحسین و آفرین کرنے لگے اور یہ کہا کہ مرحبا آپ لوگوں نے اتنی دور سے محض زیارت کی غرض سے یہ تکلیف گوارا کی ہے۔ ہم پر نفرین ہے کہ باوجود اس قدر نزدیکی کے ایک مرتبہ بھی نہیں گئے اُس کے بعد کرنل صاحب نے بتوسط سفیر صاحب دعا کے خواستگار ہوئے۔ میں نے یعقوب میاں صاحب و سید قاسم صاحب کی طرف اشارہ کیا تھوڑے توقف کے بعد سفیر صاحب نے ارشاد فرمایا کہ کیوں صاحب آپ ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں فرماتے یہ فرمانے کے بعد کچھ دیر سکوت رہا آخر میں نے کہا کہ آپ حضرات یعقوب میاں صاحب و سید قاسم صاحب

کا منشاء یہ ہے کہ مقام دعا دل ہے ہمارا دل دعا دے رہا ہے اور کہا کہ ہمارے یہاں ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں مانگی جاتی چنانچہ نص قرآن اس کی دلیل ہے اُدْعُوا رَبَّکُم تَضَرُّعًا وَّ خُفیَہ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ترجمہ پکارو تم اپنے رب کو روکر اور چھپ کر بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اس پر بے شک بے شک کہ کر ہر دو صاحب خاموش ہو رہے اور ہم لوگ رخصت ہو کر اپنے مقام کو واپس چلے آئے۔ ان دنوں تر میوہ کی کثرت تھی مثلاً انگور، انجیر، شفتالو، شلیل، امرود، سیب، خربوزہ، تربوزہ، کھیرا (بادرنگ) وغیرہ کے انبار بازاروں میں لگے تھے اور جب ہم لوگ روانگی فرہ کے وقت داخل قندھار ہوئے تو اس وقت زرد آلو (خوبانی) آلوچہ، آلو بخارا اور کھیرا (باد، رنگ) کی کثرت تھی اور خشک میوہ مثلاً چار مغز جس کو اخروٹ کہتے ہیں، بادام معمولی اور کاغذی و کشمش، منقی، شکر پارہ وغیرہ یہ تو ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ کاغذی بادام کا ذکر کیا گیا وہ حیدر آباد دکن میں نہایت کمیاب ہے اس کا وصف یہ ہے کہ اس کا خول اس قدر نرم ہوتا ہے کہ ہاتھ سے بآسانی ٹوٹ سکتا ہے۔ شیرینی ولذت میں معمولی بادام سے بدرجہا بڑھا ہوتا ہے۔ اُس میں کوئی کڑوا بادام دیکھا نہیں گیا۔ علی العموم میوۂ تر کا نرخ کم و بیش فی من قندھاری ایک قرن کے ہوتا ہے۔ قرن گویا کابلی آٹھ آنے ہیں جو پانچ آنے کلدار کے برابر ہوتے ہیں اور من قندھاری انگریزی ساڑھے چار سیر کے برابر ہوتا ہے۔ (کابلی قرن، چاندی کا سکہ ہے) ۵ کلدار کے برابر۔ ایرانی قرن ۵ کلدار کے برابر۔ قندھاری روپیہ ٦ روپیہ کلدار کے برابر دو قرن کا ایک کابلی روپیہ دو قرن ایرانی کا ایک ایرانی روپیہ جو قاجاری کہلاتا ہے۔ قندھار میں کابلی ایرانی سکہ کا چلن ہے۔ کلدار نوٹ کا بھی لین دین ہوتا ہے۔ ایرانی اور کابلی سکہ قیمت میں برابر ہے۔ اور قندھاری روپیہ کابلی ایک قرن چھ پیسہ کے برابر ہے۔ کابلی روپیہ میں پندرہ گنڈہ ہوتے ہیں۔ پیسہ کو پُل (پول) کہتے ہیں اور تین پیسے کو شاہی۔ پندرہ پُل کا نصف قرن اور بیس پُل کا ایک تنگا اور تین تنگے کا ایک ایرانی یا کابلی روپیہ ہوتا

ہے۔سکوں کا نرخ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے جب ارزاں ہوتا ہے تو آٹھ آنے انگریزی کے مساوی ایک روپیہ کابلی ہوجاتا ہے اور گراں ہوتا ہے تو گیارہ آنے انگریزی کے برابر ہوتا ہے۔اوزان اس طرح سے ہیں۔

نوتولہ کا ایک سیر قندھاری، دس سیر قندھاری کا ایک چاق، چار چاق کا ایک من قندھاری اور ایک من قندھاری ساڑھے چار سیر انگریزی کے برابر ہے۔حساب مذکورہ بالا کی رو سے میں نے اجناس ذیل خرید کیے جس سے نرخ کا پتہ چل سکتا ہے۔

تین قرن کے برنج (چاول) مرنجانی ایک من قندھاری۔ چھ پیسے کا نمک ایک چاق (یہاں کا نمک ہمارے یہاں کے نمک کے جیسا باریک نہیں ہوتا بلکہ بڑے بڑے ٹکڑے سخت پتھر کے مانند ہوتے ہیں) دو روپیہ کابلی کی شکر (قند) ایک چارق۔ چودہ آنے کا گوشت دُنبہ ایک چارق۔ تین روپیہ کابلی کے بادام معمولی ایک من قندھاری۔ چھ روپیہ کابلی کے بادام کاغذی ایک من قندھاری، دو روپیہ کابلی کی کشمش ایک من قندھاری۔دو روپیہ کی شکر پارہ (خوبانی) ایک من قندھاری، ایک روپیہ کے زرد آلو ایک من قندھاری۔دو روپیہ کا منقی ایک من قندھاری، سات روپیہ کا چار مغز (اخروٹ) ایک ہزار دانہ۔سبز پیاز ایک کٹا جو تقریباً آدہ سیر ہوتا ہے۔دو پیسہ میں ملا (یہاں کی پیاز کا رنگ نہایت سرخ ہمارے یہاں کے شلغم کے مشابہ ہوتا ہے) ہم جس وقت یہاں پہونچے وہاں کے موسم کے لحاظ سے موسم گرما تھا۔ان دنوں ہمارے یہاں موسم گرما ختم ہوکر باران شروع ہوگیا تھا جس کی تفصیل آگے مہینوں سے مطابقت کر کے بتلائی جائے گی لیکن گرمی نسبتاً حیدرآباد کی گرمی سے کم معلوم ہوئی اور فرہ مبارک میں بہ نسبت قندھار کے کسی قدر زیادہ تھی۔غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اطراف میں پہاڑ واقع ہیں جو گرمی کو زیادہ جذب کرتے ہیں۔دریافت سے معلوم ہوا کہ یہاں سال چار موسموں پر منقسم ہے۔

۱۔سرطان۔اسد۔سنبلہ: جون، جولائی، آگسٹ۔بادِگرم یعنی گرم ہوا(موسم گرما)

۲۔میزان۔عقرب۔قوس: سپٹمبر، اکٹوبر، نومبر۔ترمان اس موسم میں رات کو سردی اوردن میں گرمی ہوتی ہے۔

۳۔جدی۔دلو۔حوت: ڈسمبر، جنوری، فبروری۔موسمِ سرما، ان شہور(مہینوں) میں کبھی برف باری بھی ہوتی ہے ورنہ فی الحقیقت یہ موسم بارش کا ہے۔یہ کیفیت قندھار اور فرہ کی ہے۔باقی کُل علاقہ افغانستان میں انہیں شہور(مہینوں) میں کثرت سے برف باری ہوتی ہے۔

٤۔حمل۔ثور۔جوزہ۔:مارچ، اپریل، مئی موسمِ بہار۔

اب ہم پھر اپنی واپسی کا سلسلہ بیان شروع کرتے ہیں۔یعنی ۱۸ ذی الحجہ روز پنجشنبہ کی سہ پہر کو محمد عمر خرکار گھوڑے لے کر آ گیا۔بعد مغرب سامان بار کر کے روانہ ہوئے۔شکار پور دروازہ کے باہر ایک قافلہ جو چمن جانے والا تھا اُس کے قریب آ ٹھیرے۔رات کے بارہ بجے قافلہ روانہ ہوا اور ہم بھی ساتھ ہو لئے۔

۱۹/ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۳/اگسٹ ۱۹۲۳ء

روز جمعہ تختہ پل پر مقام ہوا۔راستہ میں میرا گھوڑا لنگڑا ہو گیا اور ٹھوکریں کھانے لگا تین مرتبہ گرا لیکن بفضل خدا کوئی چوٹ نہیں آئی۔حسب عادت بعد نماز عشاء تختہ پل سے روانہ ہوئے۔

۲۰/ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۴/اگسٹ ۱۹۲۳ء

روز شنبہ صبح ۱۰ بجے ڈبوری پہونچے۔دن بھر قیام رہا بعد نماز عشاء کوچ کر کے بوقت نماز صبح قلعہ جدید میں داخل ہوئے۔

۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۵/ اگست ۱۹۲۳ء

روز یکشنبہ یہاں ہمارے پاسپورٹس کی تنقیح کی گئی اور کہا گیا کہ افغانی سرحد سے باہر جانے کے لئے فیس داخل کر کے افغانی تذکرہ لینا چاہیئے۔ ہم نے کہا کہ چونکہ ہم آپ کی رعایا نہیں ہیں اس لئے ہم پر جدید تذکرہ لینا لازم نہیں کیونکہ ہم خود ہندوستان سے تین ماہ کی مدت کے لئے آپ کے ملک میں آئے تھے اس جواب کے بعد اجازت دے دی گئی۔ بعد تنقیح سامان و پاسپورٹس روانہ ہوکر ساڑھے آٹھ کے قریب چمن پہونچے۔ اس روز وہاں مقام کر کے۔

۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۶/ اگست ۱۹۲۳ء

روز دوشنبہ ساڑھے نو بجے کی ٹرین سے جانب بمبئی روانہ ہوئے۔ اور کچھ سامان بریک میں رکھوا دیا تا آرام سے بیٹھ جائیں۔ چار بجے کوئٹہ پہونچے۔ ٹرین تیار تھی اسی وقت روانہ ہوگئے۔ یہاں سے کچھ آثار بارش نظر آنے لگے۔ آگے بڑھنے کے بعد کچھ سے پورے آثار بارش شروع ہوگئے۔ وہاں سے جیکب آباد شکار پور سکر ہوتے ہوئے رہوڑی جنکشن پہونچے۔ رہوڑی و سکر کے درمیان دریائے سندھ واقع ہے یہ دریا بہت عمیق و وسیع ہے اس پر ریلوے کا جو پل ہے وہ نہایت بلند اور آہنی ہے۔ بیان کیا گیا کہ یہ پل بلا ستونوں کے معلق بنایا گیا ہے کہ صرف دریا کے کناروں پر دو سرے قائم ہیں۔ چونکہ ریل میں بیٹھے ہوئے آدمی کو پل کا زیرین حصہ نظر نہیں آسکتا اس وجہ سے ہم بھی اس پل کی بنیاد دیکھ نہ سکے کہ کس طرح قائم ہے۔ یہاں بارش بالکل نہیں تھی۔ اور سندھ کے علاقہ میں بارش کی ضرورت بھی نہیں پائی جاتی۔ اکثر زمینات اسی دریاء کی نہروں سے سیراب ہوتی ہیں۔

۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۷/ اگست ۱۹۲۳ء

روز سہ شنبہ دن کے دو بجے سندھ حیدر آباد پہونچے اور ساڑھے چار بجے جی۔ بی (جودھ پور بیکانیر) ریلوے سے روانہ ہوئے اور **بالوترا** ہوتے ہوئے

۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۸/ اگست ۱۹۲۳ء

روز چہارشنبہ ۱۱ بجے دن کے مارواڑ جنکشن پہونچے۔ یہاں سے گاڑی تبدیل کر کے بمبئی۔ بڑودہ ریلوے پر سوار ہوئے۔ یہ گاڑی ساڑھے بارہ بجے روانہ ہوئی۔ راستہ میں ٹکٹ کلکٹر نے ٹکٹوں کی تنقیح کی اور ہم سے مبلغ سات روپیہ وصول کیا۔ اس وجہ سے کہ جس ٹرین میں ہم سوار تھے وہ میل ٹرین تھی اور اسٹیشن ماسٹر چمن نے غلطی سے یا عمداً ہمیں پاسنجر ٹرین کے ٹکٹ دیدئے حالانکہ کرایہ میل ٹرین کا ہم سے لیا تھا۔ غرض براہ پالن پور احمد آباد ہوتے ہوئے

۲۵/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۹/ اگست ۱۹۲۳ء

روز پنجشنبہ دن کے گیارہ بجے بمبئی کے اسٹیشن گرانٹ روڈ پر اترے اور مسافر خانہ حاجی اسمٰعیل میں داخل ہوئے۔ سہ پہر میں سید منور صاحب سے ملاقات کی گئی۔

۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۱۰/ اگست ۱۹۲۳ء

روز جمعہ آج سید منور صاحب مسافر خانہ سے ہمارا سامان اٹھوا کر اپنے مکان پر لے گئے۔ جب وہ مسافر خانہ میں تشریف لاکر سامان اٹھوا لے گئے ہیں اس وقت میں اور یعقوب میاں صاحب بازار گئے ہوئے تھے واپس آنے پر منتظم مسافر خانہ نے ہمیں سید منور صاحب کا کارڈ دیا ہم اس پتہ سے صاحب موصوف کے مکان پر گئے صاحب موصوف نے نہایت پُر تکلف مہمانداری کا انتظام کیا تھا جس سے ہم کو بے حد آرام ملا۔ ابھی رات کے کھانے کی تیاری ہی ہو رہی تھی کہ سید محمود صاحب اہل سورت ہمیں تلاش کرتے ہوئے تشریف لائے اور کہا کہ میں صبح سے آپ لوگوں کی تلاش میں حیران ہوں اور بطور گلہ کہا کہ آپ حضرات میرے مکان پر کیوں نہیں اُترے۔ ہم نے ان سے معافی مانگی اور دسترخوان بچھایا گیا۔ سید منور صاحب کے اصرار پر وہ بھی ہمارے ساتھ شریک طعام رہے۔ بعد فراغت طعام بارہ (۱۲) بجے شب کی ٹرین سے جانے کا ذکر کیا اس پر سید محمود صاحب نے بے حد رنج ظاہر کر کے ہمیں صبح آٹھ بجے

کی گاڑی سے جانے کے لئے مجبور کیا اور صبح کچھ دعوت دی۔ مجبوراً شب کی روانگی کو ملتوی کرنا پڑا۔ حالانکہ سید منور صاحب کا تار بھی حیدرآباد روانہ ہو چکا تھا کہ ہم لوگ رات کی ٹرین سے راہی حیدرآباد روانہ ہونے والے ہیں۔

۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۱۱/ اگسٹ ۱۹۲۳ء

روز شنبہ صبح ہم اور سید منور صاحب جناب سید محمود صاحب کی دعوت میں گئے صاحب موصوف نے نہایت پرتکلف دسترخوان آراستہ کیا تھا۔ ہمارے کھانے سے فارغ ہونے تک صاحب موصوف نے خود ہی سامان کے لگیج اور ٹکٹوں کا انتظام بھی کروادیا اور ہمارے لئے صرف ٹرین میں سوار ہونا باقی رکھا۔ یہ دونوں اصحاب نہایت خوش خلق اور مہمان نواز ہیں۔ ان کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ ان اصحاب سے رخصت ہو کر ہم ساڑھے آٹھ بجے اسٹیشن بائی کلا فاسٹ پاسنجر ٹرین پر سوار ہو کر راہی بلدہ حیدرآباد ہوئے۔

۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ م ۱۲/ اگسٹ ۱۹۲۳ء

روز یکشنبہ صبح سات (۷) بجے اکیس منٹ پر اسٹیشن نام پلی حیدرآباد دکن پہونچے۔ ہماری ٹرین جب اسٹیشن پر پہونچی تو کیا دیکھتے ہیں کہ برادران قومی جن میں مقدس حضرات فقراء وغیرہ بھی شامل تھے ہمارے استقبال کے لئے اسٹیشن پر کھڑے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ انمیں سے اکثر پھول کے ہار لئے ہوئے تھے جوں ہی ٹرین ٹھیری ہر شخص تجسس کی نگاہوں سے نہایت پھرتی کے ساتھ ہر ایک ڈبہ میں ہمیں تلاش کرنا شروع کیا۔ جب معلوم ہوا کہ ہم لوگ فلاں ڈبہ میں ہیں تو فوراً تمام لوگ ہمارے ڈبہ کے قریب آموجود ہوئے اور یکے بعد دیگرے حضرت کی قدمبوسی کرنے اور ہم سے ملنے لگے۔ جس جوش و خلوص سے ہمارا استقبال کیا گیا وہ الفاظ میں بیان کیا جانا دشوار ہے۔ اس استقبال میں ہماری شخصیت کا بالکل ہی کم دخل تھا جو کچھ اعزاز تھا وہ ہمارے زائر و آستان بوس روضۂ حضرت امام علیہ السلام ہونے کا تھا۔ غرض تمام لوگ یکے بعد

دیگرے قدمبوسی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت اور ہم لوگ ٹرین سے اتر آئے اور وہ لوگ جو ڈبہ میں ملاقات نہ کر سکے تھے پلیٹ فارم پر ملتے رہے۔ اس عرصہ میں ہمارا سامان وغیرہ اُتروالیا گیا اور تسبیح دی گئی۔

اسٹیشن سے باہر نکلنے کے بعد ایک اور منظر پیش نظر تھا یعنی کئی موٹریں ایک سلسلہ میں کھڑی تھیں اور ان کے پیچھے کئی سیکل سوار اپنی اپنی سیکل ہاتھ میں پکڑے اور گھوڑے سوار باگیں تھامے ایستادہ تھے۔ یہ سب ہمارے قومی بھائی تھے۔ نواب محمد بہادر خان صاحب نے حضرت سے درخواست کی کہ زائرین میری موٹر کار میں بیٹھیں۔ حضرت نے آپ کی درخوسات منظور کی۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت تشریف رکھے اور ہم لوگ بھی اسی موٹر میں بیٹھ گئے۔ نواب صاحب موصوف نے موٹر رانی کو فخر سمجھا سب سے پہلے یہی موٹر آگے بڑھی اس کے بعد یہ سلسلہ تمام موٹریں وسیکلیں وغیرہ جلوس کی شکل میں ساتھ ہولیں۔ اس وقت کا سماں قابل دید تھا۔ غرض یہ جلوس براہ چادر گھاٹ ہماری قیام گاہ واقع چنچل گوڑہ پہونچا۔ یہاں بہت زیادہ لوگوں کا ہجوم تھا جو ہمارے انتظار میں ٹھیرے ہوئے تھے۔

تمام موٹرس نواب جنید یاور جنگ مرحوم کی دیوڑھی کے قریب ٹھیرائی گئیں۔ اور ہماری موٹر حضرت کی مسجد یعنی راقم کے غریب خانہ کے روبرو ٹھیرائی گئی۔ یہاں بھی ملاقاتیوں کی وہی کیفیت رہی جو اسٹیشن پر تھی یعنے عاشقان مہدی موعودؑ کے عشق ومحبت نے حضرت کو تقریباً پندرہ منٹ تک موٹر سے اترنے ہی نہ دیا بعد ازاں ہم لوگ موٹر سے اُترے اور ہمارے ملاقاتیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ دروازے سے مسجد میں داخل ہونے تک اور پندرہ منٹ کا عرصہ گزرا۔ مسجد میں آنے کے بعد لوگ حضرت کو حلقہ میں لے کر بیٹھ گئے اس کے بعد محمد علی صاحب جن کا تخلص منشی ہے اپنی نظم جو خیر مقدم کے طور پر لکھی تھی سنانے کی حضرت سے اجازت چاہی۔ حضرت نے اجازت دی اور وہ پڑھی گئی۔

اس کے بعد حضرت نے حالات سفر حاضرین کے روبرو بیان فرماتے رہے۔ اور اکثر لوگ مرے پاس بھی آ کر بیٹھ گئے اور سفر کے حالات خاص کر روضۂ مبارک کے حالات دریافت کرنے شروع کئے۔ میں نے بھی حتی الامکان وہاں کے حالات بیان کئے اور وہ نہایت شوق و عقیدت سے سنتے رہے۔ مجھے موٹر سے اترنے کے بعد دوست احباب نے اتنی فرصت نہیں دی کہ میں ساتھ ہی اپنے مکان جاسکوں اس لئے یہاں سے فرصت پانے کے بعد مکان گیا یہاں میرے عزیز و اقارب میرے منتظر اور حالات سفر خصوصاً روضۂ معلی کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ اُن سے بھی بالاختصار حالات بیان کئے۔

حضرات چونکہ ہمارا یہ پہلا سفر تھا اور ہماری اس آمد و رفت میں بعض، بعض مقامات پر کئی روز قافلہ کا انتظار کرنا پڑا چنانچہ تقریباً پندرہ پندرہ روز قندھار وغیرہ میں محض قافلہ کے انتظار میں صرف ہو گئے اس حساب سے ہمارا سفر قریب قریب تین مہینہ میں ختم ہوا۔

خیر الاسفار

۱۳۵۶ ہجری۔1937ء

مصنف

حضرت ابوالحمید سید محمود صاحبؒ سکندر آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیارت قبور کو بعض لوگ ایک فعلِ عبث سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مٹّی اور پتھر کے ڈھیروں کے پاس جانے سے کیا حاصل ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر چیز کی ظاہری صورت اور اُس کے مادی فوائد پر نظر رکھتے ہیں اور یہ توقع کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ دُنیا میں کریں اُس کے ٹھوس نتائج بدیہی طور پر اُن کو حاصل ہو جائیں حالانکہ یہ نظریہ بالکل سطحی ہے کیوں کہ بہت سے کام دُنیا میں ایسے کئے جاتے ہیں جن کے فوائد اس طرح حاصل ہوتے ہیں کہ انسان کو اُن کی خبر نہیں ہوتی ۔

جو اس قسم کا خیال رکھتے ہیں مادّہ پرست ہیں جو نہ صرف عالمِ روحانیت سے بے بہرہ ہیں بلکہ ہر چیز کے اخلاقی پہلو سے بھی نا آشنائے محض ہوتے ہیں ۔ ہر کام میں اُن کی نظر صرف ذاتی مفاد پر ہوتی ہے اور وہ اپنے کام کا صلہ مادّی صُورت میں چاہتے ہیں اس قسم کے لوگوں کو دُنیا میں کبھی طمانیتِ قلب حاصل نہیں ہوسکتی ۔

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ انسانی ہستی، دو اجزاء پر مشتمل ہے یعنی ظاہر و باطن ۔ جزوِ ظاہری سے مراد اعضاء جوارح یعنی جسم ہے جس کو ہر شخص اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے اور ہاتھ سے چھو سکتا ہے ۔ جزوِ باطنی نفس جو کیفیات، جذبات، مدرِکات، حسّیات، تاثرات کا مبدا و مرکز ہے جس کو کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا ۔ انسان کی شکل وصورت دیکھ کر ہر شخص اس کے حُسن و قبح کو بیان کرسکتا ہے مگر یہ نہیں بتا سکتا کہ اس کے دل میں کیا ہے اگر ایک شخص دوسرے شخص کے دل کی بات نہ معلوم کرسکے تو اُس کے یہ معنی نہیں کہ انسان کا دل ہر چیز سے معریٰ ہے یعنی جو چیز بادیٔ النظر میں دکھائی دے سکتی ہے موجود ہے، اور جو نہیں دکھائی دیتی معدوم ہے ۔ حالانکہ انسان کے اعضاء و جوارح اُس کے قوائے باطنی کے ماتحت ہیں، اگر اِس کے

قوائے باطنی اُس کے جسم سے الگ ہو جائیں تو جسم کسی کام کا نہیں رہتا کیونکہ روح کا ظہور جسم سے اور جسم کی بقا روح سے ہے عرفِ عام میں جسے رُوح کہتے ہیں' اُنھیں قوائے باطنی سے، جو غیر مرئی ہیں اور انسان کے کُل احوال و اعمال اسی کے تابع ہیں۔

پس ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ جس طرح انسان کے دو پہلو ہیں، ایک ظاہر دوسرا باطن یا بہ الفاظِ دیگر ایک جسم دوسری روح (جسم نظر آ سکتا ہے روح نظر نہیں آتی باوجود اس کے کوئی شخص روح کا انکار نہیں کر سکتا) اسی طرح کائیناتِ عالم کی بھی دو زبردست شقیں ہیں ایک مادیات دوسری روحانیات۔ عالمِ مادیات محسوسات سے متعلق ہے، اور روحانیات، اِدراکات سے جس طرح ایک اندھا باوجود آنکھیں رکھنے کے کسی مادّہ کے دیکھنے سے قاصر ہے اسی طرح اُس شخص کے اِدراکات پر جس کا دل نفسانی خواہشات اور دُنیاوی لذّتوں میں اندھا دھند مبتلا ہو کدورت کی گھٹا چھائی ہوئی ہوتی ہے، یا یوں سمجھئے کہ نفسانی خواہشات اُس کے روحانی اِدراکات کو دبائے رکھتے ہیں، اُبھرنے نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ شخص مذکور اشیاء کی باطنی حقیقت کا مطلق احساس نہیں کر سکتا اور اُن کو جھٹلانے پر آمادہ ہوا جاتا ہے۔ یہ شخص کُور چشم نہ سہی کُور باطن کہلاتا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص پاکیزگی، پرہیزگاری، زہد و تقویٰ، تزکیہ نفس، نیک خیالی، نیک اعمالی، صدقِ مقال و کسبِ حلال کا ہوتا ہے روشن ضمیر کہلاتا ہے جو اپنے باطنی مشاہدات کی بناء پر عالمِ روحانیات کی خبر دے سکتا ہے جن کو جھٹلانے کی کوئی وجہ پائی نہیں جاتی یوں سمجھئے کہ اگر کسی شخص کے اندرونی اعضاء میں کوئی خرابی واقع ہو جائے تو بجز ڈاکٹر کوئی اور شخص یہ نہیں بتلا سکتا کہ کون سے عضو میں کیا خرابی پیدا ہوئی ہے۔ ڈاکٹر کچھ تو اپنی معلومات کی بناء پر اور کچھ لاشعاع کی مدد سے اندرونی خرابی کو دیکھتا اور بیان کر سکتا ہے۔ جس کا بیان ہر طرح قابلِ وثوق سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو جھوٹ سمجھے تو یہ اُس کی اپنی دماغی و ذہنی خرابی سمجھی جائے گی۔ اسی طرح روشن ضمیر حضرات اگر اس عالم کی جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے خبر دیں تو ہمیں کوئی

حق نہیں کہ اُسے جھٹلائیں کیونکہ عالمِ روحانیات کی خبر دینے والے معمولی انسان نہیں ہوتے بلکہ افعال و کردار، عادات و اطوار، اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے اُن کا پایہ عام انسانوں سے بدرجہ بلند و برتر ہوتا ہے۔اُن کے اعمال و افعال صداقت کا نمونہ ہوتے ہیں عمر بھر میں کبھی کوئی ایسا فعل اُن سے سرزد ہوتا جو اخلاقی حیثیت سے قابلِ گرفت یا، جس میں اُن کا کوئی ذاتی مفاد مضمر ہو یہی متبرک و مقدس ہستیاں انبیاء، اولیاء، عُرفا، صلحا اور صوفیا کے لقب سے مقلب ہیں اور انہی ہستیوں نے زیارتِ قبور کی اہمیت اور مُردگان کے لئے ایصالِ ثواب کی ضرورت کو شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے تو کسی کو جو ذرّہ بھر بھی عقلِ سلیم رکھتا ہواُن حقائق سے انکار کرنا نہ چاہیئے ۔جس طرح ہم کسی اندرونی خرابی کو آنکھ سے دیکھے بغیر ڈاکٹر کی تشخیص کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں اسی طرح ہمیں چاہیئے کہ ان اشخاص کے بیان کو بھی جو روحانیت کے عالم ہیں صحیح مان لیں۔

اگر زیارتِ قبور کے روحانی پہلو سے قطع نظر صرف اخلاقی و مذہبی پہلو پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں بھی بے شمار اخلاقی و مذہبی فوائد مضمر ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ جب کبھی ہمارا گزر شہرِ خموشاں میں ہوتا ہے تو وہاں کے پُرسکوت منظر سے دُنیا کی بے ثباتی اور اپنی موت کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے خبثِ باطن اور مکر و مکروہات دُنیاوی دل سے دور ہو جاتے ہیں اور بے اختیار یہ شعر زبان سے نکل پڑتا ہے

دُنیا ہیچ است و کارِ دُنیا ہمہ ہیچ ‏ ‏ اے ہیچ ز ہیچ با ہیچ ہیچ

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یادِ رفتگان دل پر تازہ ہو جاتی ہے یعنی اگر ہم کسی بڑے شخص یا عارفِ باللہ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں اردگرد کے پُرسکون منظر سے دل پر یک گونہ اطمینان کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُس بڑے شخص اور عارفِ باللہ کے کارنامے بے اختیار آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ کیونکہ قبر بھی ایک خاموش سوانح عمری ہوتی ہے جس سے ایک نامعلوم طریقہ پر دل میں بدی سے پرہیز اور نیک کام کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو مزاولت سے

پختہ ہوکر عمل کی صورت اختیار کرسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر بزرگانِ دین کمرِ ہمّت چُست باندھ کر سلف الصالحین کی زیارت کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ اور کتنی ہی صعوبتیں اور مصیبتیں اُٹھانی اور کیسی ہی کٹھن اور پُر مصعب منزلیں طے کرنی پڑیں کبھی ہمت نہیں ہارتے تھے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر کاملین کے مزارات کا پتہ لگاتے اور زیارت کرتے تھے دور کیوں جائیں حضرت امامنا مہدی الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل ہمارے رُو برو ہے۔ آنحضرتؑ نے تبلیغاً منزلوں کی سختیاں، فقر و فاقے کے شدائد اور راستے کی دشواریوں کو برداشت کر کے ہندوستان سے لے کر خُراسان تک پیادہ پا سفر فرمایا اور جہاں جہاں اولیائے کرام کی قبوریں ملیں زیارت فرمائی۔

تیسرا فائدہ یہ کہ زیارت بزرگانِ دین وسیلۂ ہجرت و ذریعۂ تبلیغ ثابت ہوتی ہیں ہر مقام کے برادرانِ ملّت سے میل جول اور شناسائی اور اُن کے حالات سے واقفیت پیدا ہوتی ہے۔ باہمی ارتباط بڑھتا اور اخوت کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے۔ یہ دورانِ سفر تبلیغ و اشاعت مذہب کے مواقع بھی ہاتھ آتے ہیں اور اس اَمر کا پتہ چلتا ہے کہ مقاماتِ زیارت پر بسنے والے لوگوں کی مذہبی حالت اور واقفیت کیسی ہے، آیا وہ مذہب پر قائم ہیں یا منحرف ہوگئے ہیں ان حالات کے معلوم ہونے سے اُن لوگوں کی اصلاح کا موقع مل سکتا ہے اور اس طرح مذہبی پستی کا ازالہ ہوسکتا ہے بہت سے مواقع مشرکین کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے ہاتھ آتے ہیں سفر کا بڑا فائدہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ نفس کشی، توکل اور عزیمت سکھاتا اور طبعیت میں دلیری و جرأت پیدا کرتا ہے۔

بالعموم یہ دیکھا گیا ہے کہ بزرگانِ دین کے مزارات ایسی جگہوں پر واقع ہیں جو نہایت ہی پڑ فضا، دلکشا اور روح پرور ہوتی ہیں۔ اطراف و اکناف کا منظر نہایت سُہانا ہوتا ہے خاموشی سے بہے جانے والی ندیاں، سرسبز و شاداب سبزہ زار، جگہ جگہ پر سایہ دار درخت پھر اس پر ہر طرف سکوت کا عالم ان مناظر کا دل پر خاص اثر ہوتا ہے اور اُس سے روح پر جو غیر معلوم

اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ ایسے خوشگوار ہوتے ہیں کہ انسان کے دل کی برسوں کی کدورت اور مدتوں کی کُلفت دُھل جاتی ہے۔

زیات کی سب سے بڑی اور سرمدی برکت یہ ہے کہ جن اہلِ قبور کی زیارت کی جاتی ہے اُن کی ارواح زائر کی فلاح دارین کے لئے بارگاہِ ایزدی میں ملتجی ہوتی ہیں اُس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر آپ دُنیا میں کسی کے حال پر عنایت یا لطف فرمائیں تو وہ آپ کے حق میں ضرور دعائے خیر کرتا رہے گا۔ ارواح کی بھی یہی حالت ہے وہ صرف فاتحہ و درود کی محتاج ہیں اگر کوئی بندۂ خدا اُن کی روح پر فاتحہ پڑھ دے تو پروردگارِ عالم اُس کو بھی اجر عطا فرماتا اور ارواح پر بھی اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا ہے۔ دُنیا میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر ہم کسی بڑے شخص کے پاس متواتر حاضری دیتے رہیں تو اُس کی خاص عنایت ہم پر مبذول ہو جاتی ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص بالتواتر کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہوا کرے تو بے شک و شبہ اُس بزرگ کی پاک اور برگزیدہ روح اس جانب متوجہ ہوتی اور اپنے فیوض و برکات سے اس کی زندگی کو مالا مال کر دیتی ہے۔ ایک اور ضروری فائدہ یہ ہے کہ زائرین زیارت کی بدولت سلف الصالحین کے حالات و اذکار اور اُن کی قبور اور اُن کی قبور تک پہونچنے کے ذرائع و معلومات سے خود بھی واقف ہو سکتے اور اپنے بھائیوں کو بھی واقف کروا سکتے ہیں جس کا درگاہِ الٰہی سے اُن کو بے پایاں اجر ملتا ہے۔

غرض کہ زیارت سلف الصالحین کے اس قدر کثیر فوائد ہیں کہ ان کا بالتفصیل بیان کرنا باعثِ طوالت ہے صرف چند فوائد کے بیان کرنے پر اکتفا کی گئی جس کا خاص مقصد یہی ہے کہ برادرانِ ملّت میں زیارت کا شوق جو مٹ چلا ہے پھر سے پیدا ہو جائے اور وہ زیارت کے وسیلہ سے اپنے بزرگانِ دین کے حالات و کوائف اور اپنے دین و مذہب کی معلومات سے بہرہ ور ہو سکیں ایک جگہ بیٹھے رہنے سے جو انقباس اُن کی روح میں پیدا ہو جاتا ہے، جاتا رہے اور

عمدہ عمدہ صحت بخش مقامات کی سیر سے گونا گوں تجربات اور سختیوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کی قوت اور یہ اہلیت بھی اُن میں پیدا ہو کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں سے ہمدردی اور اُن کی رہنمائی کر سکیں۔

اسی مقصد کو مدِ نظر رکھ کر یہ فقیر اپنے سفرِ فرہ کے حالات جو قبل ازیں رسالۂ زبدۃ الملک میں بہ اقساط شائع ہو چکے ہیں اب کتابی صورت میں پیش کر رہا ہے فقیر کی برادرانِ ملّت و علماء و مشائخین کرام کی خدمت میں التجا ہے کہ وہ اس مختصر سفر نامے کو پڑھ کر نہ صرف فقیر کے حق میں دعائے خیر مائیں۔ بلکہ اس قسم کے مقدس و متبرک مقامات کا عزم فرما کر خود بھی ماجور ہوں اور اپنی مفید اور تازہ معلومات سے قوم کو بھی بہرہ اندوز فرمائیں۔

فقیر سیّد محمود غفرلہٗ

۱۹ربیع الاوّل ۱۳۶۰ہجری مطابق ۱۷/اپریل ۱۹۴۱ء روز پنجشنبہ

چاند خاں اسٹریٹ۔سکندر آباد۔

خیر الاسفار

{واقعات سفرِ فرہ مبارک۔افغانستان}

از حیدرآباد تا بمبئی: بتاریخ ۸/ جمادیالثانی ۱۳۵۶ ہجری مطابق ۱۵/ اگست ۱۹۳۷ء روز یکشنبہ فقیر فرہ مبارک کے سفر پر معہ اپنے رفقائے طریق یعنی مولانا سید عیسیٰ عرف حاجی میاں صاحبِ سجادہ دائرہ چنچل گوڑہ، جناب الحاج سید عبدالکریم صاحب، مسماۃ معصوم بی عرف حجانی ماں، کے ساڑھے پانچ بجے شام کی ریل سے راہیٔ بمبئی ہوا یوں تو میری روانگی سفر کے چار دن پہلے ہی سے دوستوں اور عزیزوں کی ملاقاتوں اور رسم ورواج کے مطابق امام ضامنیاں باندھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا لیکن جس روز میں سفر پر روانہ ہونے کی غرض سے اسٹیشن پہنچا مخلصین کا اجتماعی مظاہرہ قابلِ دید تھا، اس کثرت سے ضامنیاں باندھی گئیں کہ میرے دونوں ہاتھ کہنیوں سے لے کر مونڈھوں تک چھُپ گئے تھے۔ان کی یہ خالص بے لوث محبت کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا میں بھلا اِس دعا کے سوا جو صمیمِ قلب کے ساتھ دربارِ خاتمِ اولیا میں اُن کے لئے کی جائے اُن کی محبت وعقیدت کا اور کیا صلہ دے سکتا تھا۔

جو لوگ فرہ مبارک جانا چاہیں اُنھیں قبل از وقت پاسپورٹ (پروانۂ راہ داری) حاصل کرنا پڑتا ہے اور پھر یہ پاسپورٹ بمبئی میں سفیر افغانستان ان ہی کو اجازت دیتا ہے جن کے پاس پاسپورٹ موجود ہو۔حیدرآباد سے بمبئی ۴۹۱ چارسواکیانوے میل کے فاصلہ پر ہے۔کرایہ ریل آٹھ روپیہ چار آنے کلدار ہے۔حیدرآباد سے روانہ ہوکر صبح ساڑھے چھ بجے پونہ پہنچے۔ صبح کا وقت تھا سردی محسوس ہورہی تھی گرم گرم چائے اس وقت بڑی پُر لطف ثابت ہوئی۔ پونہ سے کوئی تیس میل کے فاصلے پر مغربی گھاٹ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے موسم بارش ہونے کی وجہ سے پہاڑیاں سبز پوش نظر آتی تھیں اور منظر ایسا دل فریب تھا کہ طبیعت یہ چاہتی تھی کہ یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہونے پائے تھوڑی ہی دیر میں گھاٹوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تو ریل گاڑی کھلے میدان میں پہونچ

گئی اور ہم ٹھیک سوا دس بجے بمبئی کے اسٹیشن پر پہونچے یہاں ہمیں لینے کے لئے سید عبدالعلیم صاحب موجود تھے جنھوں نے ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اُتر والیا اور ہمیں ''حیدرآباد لاج'' نامی ہوٹل میں لے گئے یہ ہوٹل کرافورٹ مارکٹ کے متصل محمد علی روڈ پر واقع ہے۔سید عبدالعلیم صاحب ایک خوش خلق اور سلیم الطبع مہدوی نوجوان ہیں جو اس ہوٹل کے مالک ہیں بمبئی جیسے شہر میں عمدگی کے ساتھ ارزانی میں کوئی ہوٹل اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہر مسافر سے روزانہ کھانے کا ایک روپیہ اور قیام کے آٹھ آنے اس طرح دیڑھ روپیہ لیا جاتا ہے۔کھانا بالکل حیدرآبادی مذاق کا ہوتا ہے گھی خاص طور پر حیدرآباد ہی سے منگوایا جاتا ہے۔ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اس ہوٹل کا نام حیدرآباد لاج'' رکھا گیا ہے۔کچھ دیر ستانے کے بعد ہم لوگ نہا دھو کر کھانے سے فارغ ہوئے اور سفیر افغانستان سے ملنے کے ارادے سے نکلے۔اولاً سیٹھ علی محمد حبیب اللہ کے پاس جانا پڑا سیٹھ صاحب سفیر افغانستان کے ملاقاتیوں میں سے ہیں اس لئے اُن ہی توسط سے ہم سفیر صاحب سے ملنا چاہتے تھے سیٹھ صاحب بڑے اخلاق سے پیش آئے فون کے ذریعہ سے سفیر صاحب کو اپنے ملنے کی اطلاع دی وہاں سے جواب آیا کہ آج کسی مہمان کے آجانے کی وجہ سے سفیر صاحب آج نہیں مل سکتے کل صبح یعنی بروز سہ شنبہ ٹھیک دس بجے صبح مل سکتے ہیں۔

اب ہم کیا کرتے یوں ہی بیکار سے رہے۔البتہ شام میں برادر سید محمد صاحب جو انڈین سیلرس ہوم (ملاح خانۂ ہند) کے منتظمین ہیں۔ ملنے گئے اور کچھ دیر وہاں ٹھیر کر ہوٹل واپس ہوگئے۔ رات بڑے اضطراب اور بے چینی میں گئی کیوں کہ ہمارے دل آستانۂ بیِّنہ خدا پر پہونچنے کے لئے بے تاب تھے صبح ناشتہ سے فارغ ہوکر سیٹھ صاحب کے ساتھ قونصل صاحب سے ملنے کے لئے روانہ ہوگئے وہ خود بھی ہمارے منتظر تھے۔ پہلے تو سیٹھ صاحب نے قونصل صاحب سے ہمارا تعارف کروایا اس کے بعد ہمارے پروانۂ راہداری پیش کئے گئے کوئی آدھا

گھنٹہ میں اجازت روانگی سے متعلق کل کاروائی کی تکمیل کردی گئی اور سیٹھ صاحب کے توسط کا اثر یہ ہوا کہ قونصل صاحب نے خود ہمیں دو تعارفی خط ایک قندھار اور دوسرا فرہ مبارک کے حاکمِ اعلیٰ کے نام عنایت فرمائے۔ہم نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اپنے مقامِ رہائش کو واپس ہوئے۔منگل کا دن تھا سامانِ سفر مہیا کرنے میں گذرا چہارشنبہ کو بوقت شام بھائی سید محمد صاحب کے ساتھ حضرت سید عیسیٰ صاحب کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے جن کا مزار محلّہ مجگاؤں قاسم صاحب باٹلی والا کی بلڈنگ کے عقب میں واقع ہے۔مزار اور مزار کے آس پاس کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہے کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت موصوف حج کو تشریف لے گئے تھے واپسی کے بعد اتفاقاً بمبئی میں آپ کا انتقال ہوگیا اور یہیں دفن ہوئے۔زیارت سے فارغ ہو کر مقامِ رہائش کو واپس آئے۔طے یہ پایا کہ تھا کہ گجرات کی زیارتیں کرتے ہوئے فرہ مبارک کو جائیں اس لئے رات کے کھانے سے فارغ ہوکر بمبئی سنٹرل اسٹیشن پہونچے اور رات کے دس بجے کی دہلی اکسپرس کے ذریعہ بڑودہ کو روانہ ہوئے۔

از بمبئی تا بڑودہ : بمبئی سے بڑودہ ۲۴۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور فی کس کرایہ ریل ذریعہ میل یا اکسپرس پانچ روپیہ تین آنے ہے ریل میں جگہ خاصی تھی اس لئے رات آرام سے گذری۔بروز پنجشنبہ ۱۲ جمادی الثانی صبح کے چار بجے گاڑی بڑودہ اسٹیشن پہونچی اسٹیشن کے باہر حاجی راجے بھائی صاحب ساکن ڈبھوئی کا ہوٹل ہے اس ہوٹل میں قیام کیا۔

بڑودہ تا چاپانیر شریف : بڑودہ سے چاپانیر ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے۔موٹر کے ذریعہ جانا پڑتا ہے۔بس کا کرایہ فی کس گیارہ آنے ہے۔سڑک اچھی ہے صبح نو بجے موٹر میں سوار ہوکر ساڑھے دس بجے تک چاپانیر پہونچ گئے۔اس دفعہ غیر معمولی طور پر ڈبھوئی اور بڑودہ

کے لوگ یہاں کثرت سے جمع تھے خاصا مجموعہ تھا دینی بھائیوں سے گرم جوش ملاقاتیں رہیں اس کے بعد آستانۂ صدیقِ ولایت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پر دست بستہ حاضر ہوکر آستان بوسی کا شرف حاصل کیا پھر نماز ظہر سے فارغ ہوکر ایک توڑے کی مسجد کو گئے جہاں ایک پہاڑی کے دامن میں وہ پاک اور برگزیدہ ہستی آسودہ ہے جس کی تربتِ اطہر کے پھول بعد دفن بھی دنوں تک تر وتازہ رہے تمازتِ آفتاب نے اُن پر شمّہ برابر بھی کملاہٹ کا اثر پیدا نہیں کیا اگر بیّنۂ خدا نشانِ قبر کو مٹانے کی ہدایت نہ فرماتے تو حضرت بی بی الہدادتی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تربت پرستش گاہِ عوام وخواص بن جاتی غرض کہ اُس پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوکر ہم نے فاتحہ پڑھی۔ایک توڑے کی مسجد بالکل منہدم ہے صرف ایک مینار باقی رہ گیا ہے جو قدیم فن تعمیر کی اچھی مثال ہے جس کی خوبصورتی اور نفاست میں باوجود امتدادِ زمانہ کے بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوا غالبًا اسی ایک مینار کی وجہ سے یہ مسجد ایک توڑے کی مسجد کہلاتی ہے یہ مسجد محکمہ آثارِ قدیمہ کے زیرِ نگرانی ہے جس کو دیکھنے کے لئے سیاح دور دور سے آیا کرتے ہیں اسی مسجد کے حجروں میں ہمارے آقا حضرت مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰاۃ والسَّلام تشریف فرما تھے یوں بھی یہ مقام ہمارے لئے متبرّک ہے۔

چونکہ ہمارے رفیق الطریق مولانا حضرت سید عیسیٰ صاحب سجادہ کاڈبھوئی چلنے پر اصرار تھا اس لئے ہم سب کو بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔

واپسی از چاپانیر و روانگی به جانب ڈبھوئی: اسی روز شام کے چار بجے چاپانیر شریف سے چل کھڑے ہوئے اتفاقاً راستہ میں موٹر کا ٹائر خراب ہوگیا ہمیں چھ بجے بڑودہ اسٹیشن پہونچنا تھا ورنہ ریل ڈبھوئی جانے والی نہ مل سکتی تھی اس وجہ سے موٹر درست ہونے کے بعد فی گھنٹہ پچاس میل کی رفتار سے جانا پڑا تب کہیں اسٹیشن پر ایسے وقت پر پہونچے کہ ریل چھوٹنے کو صرف پانچ منٹ باقی تھے ہم نے موٹر ڈرائیور کا شکریہ ادا کر کے کچھ انعام بھی

دیا۔ بڑودہ سے ڈبھوئی سترہ میل ہے کرایہ ۷؍آنے ہے۔مولانا الحاج سید مرتضٰی صاحب، حضرت علی میاں صاحب برادر مولانا حضرت اچھا میاں صاحب اورڈبھوئی کے اکثر حضرات تشریف فرماتھے جیسے ہی گاڑی اسٹیشن پر پہونچی نہایت ہی گرم جوشی سے ہمارااستقبال کیا گیا۔ مولانا حضرت سید مرتضٰی صاحب نے فرمایا کہ ڈبھوئی تک ہماری جماعت اُنہیں کے مہمان رہے گی۔مغرب کا وقت قریب تھا اسٹیشن پر ہی نماز پڑھ کر انجمن کے بنگلے کو روانہ ہوئے جہاں پر ہمارے ٹھیرنے کا انتظام تھا انجمن کا مکان مولانا حضرت سید مرتضٰی صاحب نے اپنی ذاتی رقم مبلغ پندرہ سوروپیہ میں خریدا اور تعمیر وترمیم میں بھی اسی قدر روپے صرف ہوئے اس طرح اس عمارت پر تین ہزار روپے کا صرفہ ہوا اتفاق کی بات ہے کہ مکان کی رجسٹری اُسی روز ہوئی جس روز ہم وہاں پہونچے رات میں نو بجے ایک جلسہ بھی منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت سید عیسیٰؒ عرف حاجی میاں صاحب سجادہ نے فرمائی جلسہ میں مولانا حضرت سید مرتضٰی صاحب نے فرمایا کہ اِس مکان کی میرے نام پر آج ہی رجسٹری ہوئی ہے اور میں نے اِس مکان کو انجمنِ مہدویہ ڈبھوئی کے نام وقف کردیا ہے اب آئندہ کے لئے میرے بچوں کا یا میرے ورثاء کا اس مکان پر کوئی حق نہ ہوگا بلکہ یہ مکان قوم کے اُنہیں افراد کا ہوگا جو انجمن سے تعلق رکھتے ہوں۔اہلِ ڈبھوئی کی قومی خدمات،محبت وخلوص،اخلاق اور مہمان نوازی قابلِ تعریف اور قابلِ تقلید ہے۔سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ مولانا کے فیضانِ صحبت کا اثر ہے جس سے نہ صرفِ ڈبھوئی بلکہ بڑودہ اور چن پٹن اور جہاں جہاں مولانا کا گذر ہوتا ہے وہ سب مقامات مولانا مستفید ہوتے رہتے ہیں۔مولانا نے ان لوگوں میں قومی جوش اور ہمدردی کی ایک نئی روح پھونک دی ہے۔جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ ایک زندہ قوم کے افراد معلوم ہوتے ہیں۔دوسرا روز جمعہ کا تھا بعد نمازِ جمعہ مولانا سید عیسیٰ صاحب نے وعظ فرمایا اسی روز رات میں اہلِ ڈبہوئی کی جانب سے ہماری دعوت ہوئی اور بعد نماز عشاء کے مجلسِ وعظ منعقد ہوئی۔

واپسی از ڈبھوئی بجانب بڑودہ: بروز شنبہ بتاریخ ۱۴ر جمادی الثانی ہمارا وہاں سے نکلنا طے پاچکا تھا ریل گیارہ بجے روانہ ہوتی تھی لیکن نو بجے سے ہی ہمیں یہ حضرات لینے کے لئے نکلے بظاہر تعجب ہوا کہ انجمن سے اسٹیشن کا راستہ صرف دس منٹ کا ہے پھر اتنی جلدی نکلنے کی کیا وجہ ہے؟ لیکن بہت جلد تعجب دور ہوگیا۔ کیونکہ اہلِ انجمن کو ہمیں ڈبھوئی کے لوگوں سے ملانا مقصود تھا جب ہم بازار میں پہونچے تو کئی حضرات کو اپنا منتظر پایا اکثر دکانوں پر ہمیں ٹھیرنا پڑا جہاں پان سپاری، عطر اور پھولوں سے اور بعض جگہ دامے درمے بھی ہماری تواضع کی گئی اس طرح ہماری مختصر سی جماعت ایک جماعتِ کثیر کے ہمراہ اسٹیشن پہونچی اسٹیشن پر لوگوں کا اتنا کثیر مجموع تھا کہ دل پر اہلِ ڈبھوئی کی محبت وعقیدت کا گہرا اثر اور ناقابلِ فراموش اثر مرتسم ہوا ایسی محبت کے لوگ دیکھنے میں نہیں آئے ان کو بڑا افسوس یہ تھا کہ ہم فرہ مبارک جارہے ہیں اور اُنہیں اس کی ذرّہ بھر بھی خبر نہ ہوئی ورنہ ان میں سے بھی بعض لوگ ہمارے ساتھ ہوجاتے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ آئندہ کوئی جماعت نکلے تو وہ بھی ضرور ساتھ دیں گے۔ ہم ڈبھوئی سے بڑودہ پہونچے۔ مولوی سید مرتضیٰ صاحب اور اچھا میاں صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ بڑودہ اسٹیشن پر بھی لوگ پھولوں کے ہار لئے منتظر تھے اور اسٹیشن کے باہر کھلے میدان میں چائے اور پھول اور پان کا انتظام کیا گیا تھا اس مخلصانہ ضیافت سے فارغ ہوکر ہم سب مولانا سید مرتضیٰ صاحب کی مسجد واقع طائی واڑہ میں پہونچے رات میں جماعت کی جانب سے دعوت ہوئی اور بعد نماز عشاء مولانا سید عیسیٰ صاحب کا وعظ ہوا۔

روانگی از بڑودہ بجانب احمد آباد: بروز یکشنبہ ۱۵ر جمادی الثانی بڑودہ سے نکلنا طے پاچکا تھا کہ یہاں سے صبح کے سات بجے ریل احمد آباد جو جاتی ہے اس لئے علی الصبح ناشتہ سے فارغ ہوکر ہم لوگ ایک مجمع کثیر کے ساتھ اسٹیشن پر پہونچے جس گرم جوشی اور تپاک سے خیر مقدم کیا گیا تھا اسی طرح ہمیں خدا حافظ کہا گیا اور پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ بڑودہ

سے احمد آباد ۶۳ میل ہے۔ پاسنجر گاڑی کا کرایہ فی کس ایک روپیہ تین آنے ہے ہم لوگ پاسنجر ٹرین کے ذریعہ تقریباً بارہ بجے احمد آباد پہونچے اسٹیشن کے باہر محمد میاں کی سرائے ہے جہاں کمرے مختلف کرایہ پر ملتے ہیں ہم لوگ ایک روپیہ کرایہ والا کمرہ لے کر ٹھیر گئے سرائے کے باہر متعدد ہوٹل ہیں لیکن ان میں ایک ایرانی ہوٹل سب سے بہتر ہے دوپہر کا کھانا ہم نے اُسی ہوٹل میں کھایا اور نماز ظہر کے بعد ایک تانگہ دو روپیہ کرایہ پر لے کر زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے بہدر دروازے میں حضرت بندگیمیاں سید علی شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ابنِ حضرت امامنا مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ السّلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اس کے بعد اسٹوریہ دروازے کے باہر ایک کھیت میں حضرتہ بی بی بون جیؓ زوجہ امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ السّلام کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہوئے بی بیؓ کے چبوترہ کے پائینتی کوئی پچاس قدم کے فاصلہ پر حضرت میاں عبدالمجید نورنوشؓ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے (محلّہ) ٹیکم جی کے مندر پہونچے جہاں بائیں رنگریز شہیدؓ اور اُس کے کچھ فاصلہ پر حضرت میاں لاڈ شاہؓ کے مزارات ہیں یہاں آستان بوسی کر کے امام موسیٰ سہاگ کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوئے سب سے آخر میں حضرت میاں راجو شہیدؓ کے حظیرہ میں داخل ہوئے جو لال بنگلہ پٹاڈی والا کے عقب میں واقع ہے ان سب زیارات سے فارغ ہو کر مغرب کے بعد اپنے قیام گاہ واپس ہوئے اور رات وہیں بسر کی۔

روانگی از احمد آباد: بروز دوشنبہ ۱۶/ رجمادی الثانی آٹھ بجے صبح احمد آباد سے بذریعہ سندھ میل حیدرآباد سندھ روانہ ہوئے احمد آباد سے سندھ حیدرآباد ۵۱۷ میل ہے اور کرایہ فی کس گیارہ روپیہ گیارہ آنے ہے چھوٹی لائین اور مسافروں کی کثرت ہونے کی وجہ سے یہ گاڑی تکلیف دہ ہے۔

احمد آباد سے سندھ حیدرآباد کو راست جانے والے صرف دو ہی ڈبے ہوتے ہیں اتفاق

سے اُس روز گاڑی میں کچھ سرحدی پٹھان تھے جو چمن کے قریب تک جانے والے تھے اور ڈبے میں پوری جگہ پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھے باوجود اُن کی سخت مزاحمت کے ہم لوگ سوار تو ہو گئے لیکن اُن میں ایک ضعیف العمر پٹھان نے ناک میں دم کر دیا میں نے بڑی کوشش سے اپنے ساتھیوں کو دوسرے پٹھانوں کے ساتھ بٹھا دیا اور میں خود اُس بوڑھے پٹھان کے پاس جا بیٹھا اور اُس کے ساتھ کچھ ایسی آؤ بھگت سے پیش آیا کہ اُس نے خود اپنا بستر اُٹھا کر مجھے اپنی جگہ پر سونے کی اجازت دے دی میں آرام سے رات بھر سوتا رہا چونکہ مل جُل کر سفر کرنے کی وجہ سے پٹھانوں سے قدرے موانست پیدا ہوگئی تھی اس لئے اُن کے ذریعہ سے ہمیں بہت سی معلومات بھی بہم پہونچیں اور راستہ میں مدد بھی ملی دن کے گیارہ بجے گاڑی پالن پور اسٹیشن پہونچی یہ بالکل معمولی وضع کا اسٹیشن ہے یہاں ایک عجیب بات یہ نظر آئی کہ ریل کے وقت بندر اسٹیشن پر آیا کرتے جن کو مسافر روٹی وغیرہ ڈالتے ہیں۔شام کے پانچ بجے مارواڑ جنکشن آیا یہاں سے گاڑی سیدھے دہلی جاتی ہے لیکن ہمارے دو ڈبے سندھ جانے والی گاڑی میں لگا دیئے جاتے ہیں یہاں سے مسافروں کی اور بھی کثرت ہو جاتی ہے اور راستہ بڑی تکلیف سے گذرتا ہے مارواڑ سے سندھ تک ریتلی زمین ہے۔گاڑی چلتے وقت باریک باریک ریت اُڑا کرتی ہے باوجود دریچہ بند کرنے کے ہمارے کپڑے اور سامان ریت سے اَٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔

وُرُود بہ حیدرآباد سندھ :بروز سہ شنبہ ۱۷ر جمادی الثانی گیارہ بجے سندھ حیدرآباد پہونچے۔یہاں پر ریل بدلنا پڑتا ہے اور یہاں سے بڑی لائین شروع ہو جاتی ہے کراچی میل جو کوئیٹہ جاتا ہے شام میں پانچ بجے نکلتا ہے۔وقت کافی ہونے کی وجہ سے ہم وکٹوریہ گاڑی (جس کو حیدرآباد دکن میں بگّی کہتے ہیں) ڈیڑھ روپیہ کرایہ پر مقرر کر کے شہر دیکھنے کی غرض سے سے نکلے سندھ حیدرآباد کی بستی کچھ قابلِ تعریف نہیں لیکن مکانوں کی وضع قطع

کچھ عجیب وغریب ہوتی ہے۔ ہر مکان کی چھت پر ایک بڑی چیل پَر کھولے ہوئے لٹکتی نظر آتی ہے (دراصل چیل نہیں بلکہ مکان کی چھتیں اُس وضع کی بنائی جاتی ہیں) معلوم ہوا کہ یہاں گرمی زیادہ ہونے کی وجہ سے چھتوں پر اسی طرح کے روشن دان لگا دیئے جاتے ہیں۔شہر چھوٹا سا ہے۔خصوصاً صدر بازار بہت تنگ ہے یہاں کے لوگ عموماً آنکھ ناک کے درست ہوتے ہیں تمام شہر گھوم کر اسٹیشن کو واپس آئے۔

روانگی از حیدرآباد سندھ: ریل کا وقت بھی قریب پہونچ چکا تھا حیدرآباد سندھ سے چمن کا فاصلہ ۴۹۵ میل ہے اور کرایہ فی کس ذریعہ میل سات آنے ہے میل گاڑی ہونے کی وجہ سے ایک گونہ تکلیف رہی راستہ میں کھانے پینے کی چیزیں کثرت سے ملتی ہیں اور اچھی بھی ہوتی ہیں۔رہوڑی اسٹیشن سے ہماری،کوئٹہ جانے والی ریل تقریباً رات کے بارہ بجے چھوٹی۔اسٹیشن سے ایک میل پر دریائے سندھ کا پُل آتا ہے یہ پُل اپنی صنعتِ کاریگری کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں مشہور ہے دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر دیوار کی بندش درمیانی ستونوں کے بغیر پُل کھڑا کیا گیا ہے دریا کے اُس پار سکھر اسٹیشن ہے فوجی مقام ہونے کی حیثیت سے یہاں بھی چہل پہل رہتی ہے۔رات آرام سے گذری پٹھانوں کا ساتھ ہونے کی وجہ سے دوسرے مسافر ڈبے میں آنے سے ڈرتے تھے صبح صبح سی بی کا اسٹیشن آیا یہ بھی فوجی مقام ہے یہاں سے بلوچستان کا علاقہ شروع ہوتا ہے اس وجہ سے پولیس کی تحقیقات بھی شروع ہو جاتی ہیں انسپکٹر صاحب نے ڈبے میں آکر ہمارے پاسپورٹوں کی تحقیق کر لی اور جو کچھ نوٹ کرنا تھا کر لیا خاص بات یہ ہے کہ مسافروں کو اسٹیشن پر نل کا پانی اس قدر گرم ملتا ہے کہ استعمال سے یک گونہ تکلیف محسوس ہوتی ہے سی بی سے پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اسٹیشن مشقاف سے تو یہ اور بھی زبردست ہو جاتا ہے۔ یہاں ریلوے لائین کئی جگہ سرنگوں سے گذر رہی ہے۔خصوصاً نمبر ا،۳،۷،۱۰ اور ۱۲ بڑی طویل سرنگیں ہیں بقیہ سرنگوں کی لمبائی دوسو سے چار سوگز

تک ہوگی۔اسٹیشن آب گم سے ٹرین کو دو انجن کھینچا کرتے ہیں ایک سامنے کی طرف اور دوسرا پچھلی طرف رہتا ہے۔ یہاں سے پہاڑ بہت اونچے اور ہیبتناک دکھائی دیتے ہیں اس مقام سے گرمی بھی شروع ہو جاتی ہے گو کہ صبح کا وقت تھا۔تقریباً نو بجے ہوں گے لیکن خاصی گرمی تھی دس بجے مچ اسٹیشن آیا۔ یہ فوجی مقام ہے یہاں بھی ہمارے پاسپورٹس کی تنقیح ہوئی۔ مچ اسٹیشن پر کھانے پینے کی چیزیں وافر مقدار میں ملتی ہیں لیکن کسی قدر گراں۔ راستہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے ریل وے لائین کو کچھ عجیب طریقہ سے مچ اسٹیشن تک پہنچایا گیا ہے مچ اسٹیشن سے ایک اور انجن سامنے لگایا جاتا ہے گویا تین انجن ہماری پانچ ڈبے والی ٹرین کو کھینچا کرتے ہیں یہاں سے پہاڑ ایسے ایسے اونچے نظر آتے ہیں گویا آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم بھی آسمان پر چڑھ رہے ہیں ریلوے لائین بڑی بڑی پہاڑ کی چوٹیوں پر سے ہو کر گذرتی ہے مچ کے بعد سے کول پور اسٹیشن تک پانچ سرنگیں ملتی ہیں اس راستہ میں عجیب عجیب قدرتی مناظر نظر آتے ہیں۔

کول پور اسٹیشن پر دونوں زائد انجن نکال دیئے جاتے ہیں صرف ایک انجن رہ جاتا ہے اب یہاں سے عموماً صاف اور ہموار میدان ہے کچھ درخت اور کھیت نظر آتے ہیں ریلوے لائین کے بازو باز و سڑک بھی گذرتی ہے جس پر موٹروں کی آمدورفت ہوتی رہتی ہے سڑک اور ریل کا سلسلہ ساتھ ساتھ چمن تک یکساں چلا گیا ہے۔

ورود به کوئٹه : ٹھیک ایک بجے دن کوئٹہ اسٹیشن آیا سب سے پہلے میری نظر تو اسٹیشن پر پڑی جو زلزلے کی پہلی نشانی ہے اسٹیشن کے ہر دو باز و سلامت ہیں لیکن درمیانی حصّہ غائب ہے۔ٹرین سے اُترنے کے ساتھ ہی پولیس کے انسپکٹر اور جوان وغیرہ ساتھ آتے ہیں،اور تحقیقات شروع ہو جاتی ہیں ہمارے پاسپورٹ لے لئے گئے اور کوئٹہ میں جائے قیام دریافت کی گئی میں نے جواب دیا ہم یہاں نو وارد ہیں شہر تباہ ہے آپ ہی پتہ دیجئے کہ ہم کہاں ٹھیریں۔

انسپکٹر قوم کا سکھ تھا اس نے کہا کہ آپ کو بستی میں ہوٹل وغیرہ ملیں گے لیکن بستی دور ہے اس لئے بہتر ہے کہ آپ اسٹیشن ویو نامی ہوٹل جو اسٹیشن سے صرف ایک فرلانگ پر ہے، قیام کریں میں نے بھی اس کو مناسب سمجھا حمالوں سے کہا کہ اسٹیشن ویو چلو یہ ہوٹل انگریزی طرز کا ہے گو کہ اس کے اخراجات زیادہ ہیں لیکن بہت ہی پاک وصاف ہے اور انتظام بھی معقول ہے کمرے کا کرایہ روزانہ دو روپیہ اور کھانے وغیرہ کے اخراجات روزانہ چار روپیہ گویا الگ۔ایک مسافر کو روزانہ چھ روپیہ صرف کرنے پڑتے ہیں۔منتظم صاحب ہوٹل نہایت خوش اخلاق اور اچھے آدمی ہیں ہم نے کھانے کے اخراجات کی زیادتی محسوس کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ چاہیں تو کھانے کا انتظام باہر بستی کی ہوٹل سے کر سکتے ہیں۔اگر چہ اس ہوٹل کا قاعدہ تو یہ ہے کہ ہر کمرے میں ایک ہی مسافر اُتر سکتا ہے لیکن میں بایں وجہ کہ آپ لوگ مسافر ہی نہیں بلکہ سادات بھی ہیں اور پھر نظام حیدرآباد کے باشندے اس لئے آپ کے ساتھ اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ آپ معہ ہمراہیوں کے رہیں لیکن کمرہ صرف آپ ہی کے نام سے دیا جائے گا کیونکہ آپ کو صرف ایک رات ہی رہنا ہے صبح تو آپ چلے جائیں گے اُنھوں نے اپنی مہربانی سے ہم کو اپنا ایک ملازم بھی دیا تا کہ ہم اس آدمی کے ذریعہ باہر کی ہوٹل سے کھانا وغیرہ منگا سکیں ہم کو یہاں بڑا آرام ملا یعنی کام کاج کے لئے آدمی اور رہنے کو اچھا مقام ہم نے بھی کمرے کی صفائی کا خاص طور پر خیال رکھا۔دوپہر کے کھانے کے بعد میں شہر کوئٹہ دیکھنے کی غرض سے نکلا۔شہر کیا ہے ایک کھنڈر ہے۔صرف ایک سڑک کے آس پاس چھوٹے چھوٹے ٹین کے شیڈ بالکل حیدرآباد کے پلیگ کیمپ کی طرح بازار بھی اُسی میں ہیں لیئے گئے ہیں۔بازار بھی اُسی میں ہیں ۔مکانات بھی اُسی میں ہیں۔اب تک کھدائی کا کام جاری ہے۔اب بھی کہیں کہیں ملبوں سے انسان کی ہڈیاں برآمد ہوتی ہیں۔وہاں کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ پچپن ہزار جانیں تلف ہوئی۔سارے شہر میں نہایت عمدہ ڈانبر کی سڑکیں بنی ہوئی ہیں لیکن مکان ایک بھی نہیں سڑکوں

کے دونوں کناروں پر مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ گورنمنٹ کی طرف سے قانون نافذ ہوا ہے کہ کوئی مکان گچ اور اینٹ کا نہ بنے ہر ایک مکان ٹین کا ہو اور وہ بھی تیس فٹ اونچے سے زیادہ نہ ہو فوجی بارکس بھی موجودہ شہر سے چار میل باہر ٹین کے تیار ہو رہے ہیں۔ شام تک اسی طرح برباد شدہ شہر کی سیر کرنے کے بعد ہوٹل کو لوٹے مغرب کے بعد انسپکٹر صاحب خفیہ پولیس تشریف لائے اور اپنی نصیحت آمیز تقریر شروع کی کہ آپ لوگ ایسی جگہ کیوں جا رہے ہیں جہاں کی نہ حکومت منظّم ہے اور نہ مستحکم جہاں لوٹ مار، غارت گری آئے دن ہوا کرتی ہے۔ ہندوستان جیسے امن کے مقام سے آپ لوگوں کو ہرگز نہ جانا چاہیئے اور پھر افغانستان میں ایسی کون سی زیارتیں ہیں جو آپ لوگ اتنے دور دراز مقام سے آئے ہیں۔ بہت کچھ نصیحت کے دفتر کھول دیئے جب ہمارے مستقل ارادہ کو دیکھا اور سمجھا کہ ''قطب از جانمی جنبد'' تو کہنے لگے خدا آپ کو زیارت مبارک کرے لیکن جناب جہاں کہیں بھی آپ تشریف لے جائیں مجھے نہ بھولنا دعائے خیر سے یاد کرنا۔ یا تو شد مد کے ساتھ ہمیں سفر پر جانے سے منع کر رہے تھے یا اب کہنے لگے کہ سفر مبارک ہو۔ پھر ہمارا تفصیلی پتہ بھی درج کر لیا اور کہا اگر خدانخواستہ وہاں آپ کو کوئی واردات پیش آئے تو ہمیں بھی اس کی اطلاع ملتی ہے تاکہ ہم آپ کے اہل وعیال کو اطلاع دیں ہمارا تفصیلی پتہ نوٹ کر لینے کے بعد ہمارے پاسپورٹ واپس کر دیئے اور چلتے بنے۔ رات میں بہت سردی تھی جسکے سبب کسی قدر تکلیف رہی صبح ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد اسٹیشن آئے گاڑی اسی مقام سے نکلا کرتی ہے۔

روانگی از کوئٹہ بجانب چمن: ہندوستان سے آنے والے مسافرین کے لئے راست کوئی گاڑی نہیں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں پر ہر مسافر سے پوچھ گچھ ہوا کرتی ہے ان کو اتنا وقت نہیں ملتا کہ تحقیقات بھی ہو اور اُسی وقت مسافر دوسری طرف جا سکے اِسی

مصلحت کے سبب ریل کا وقت ہی ایسا رکھا گیا ہے کہ کوئٹہ میں بائیس گھنٹے کے قریب قریب رہنا پڑتا ہے۔کوئٹہ سے چمن جانے والی گاڑی گیارہ بجے دن کے نکلی۔چمن یہاں سے ۸۹میل ہے لیکن سات گھنٹے میں گاڑی جاتی ہے۔کوئٹہ سے مسافروں کی کثرت شروع ہو جاتی ہے۔کوئٹہ سے چمن تک کسی اسٹیشن پر کھانے پینے کی چیزیں نہیں ملتیں مسافروں کو چاہیئے کہ کوئٹہ ہی سے خورد ونوش کا سامان ساتھ رکھ لیں ورنہ تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔

گلستان اسٹیشن سے چڑھائی شروع ہو جاتی ہے جو شیلہ باغ تک رہتی ہے۔شیلہ باغ کی سرنگ تین میل لمبی ہے آٹھ منٹ تک ریل دوڑتی ہے۔اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی اور پانچ سُرنگیں ملیں۔اسٹیشن **شیلہ باغ** اور **سنزلہ** سطح سمندر سے سات اور آٹھ ہزار فیٹ کے درمیان ہے۔

وَرُود بہ چمن : چمن کو ہم ٹھیک چھ بجے شام پہونچے۔اُترتے ہی سب سے پہلے پولیس سے سابقہ پڑتا ہے آتے ہی سوالات شروع ہو گئے۔کہاں سے آئے ہو؟ اور کہاں جاتے ہو؟ افغانستان کا نام سُن کر پاسپورٹ طلب کئے گئے۔جب پاسپورٹ دیئے جاتے ہیں تو یہ لوگ یہ کہہ کر رکھ لیتے ہیں کہ کل موٹر صاحب کے پاس آپ کو آپ کے پاس پورٹ مل جائیں گے۔ میں نے دفعہ دار صاحب سے دریافت کیا کہ چمن میں کوئی مقام ایسا بھی ہے جہاں ہم آرام سے ٹھیر سکیں۔دفعہ دار صاحب بھلے آدمی معلوم ہوئے۔اُنھوں نے ایک ہندو کی سرائے کا پتہ دیا جو حقیقت میں اچھی جگہ ہے۔جوگی رام کے بغیچہ کے نام سے مشہور ہے اور عین بازار میں واقع ہے۔ یہاں کمرے ملتے ہیں اور نل حمام بیت الخلاء وغیرہ کا اچھا انتظام ہے۔**بغیچہ** حقیقت میں چھوٹا سا ایک خوبصورت باغ ہے جس میں پھولوں اور پھلوں کے تخت لگے ہوئے ہیں۔اس سرائے میں کرایہ وغیرہ نہیں لیا جاتا ہر قوم کا آدمی یہاں ٹھیر سکتا ہے۔لیکن اکثریت ہندوؤں کی رہتی ہے۔مسلمان بہت کم یہاں اُترتے ہیں۔میں نے ایک مسلمان

حمال کو جوگل محمد نامی تھا اس معاہدے کے ساتھ اسٹیشن ہی سے مقرر کرلیا تھا کہ وہ ہمارے موٹر پر سوار ہونے تک ساتھ رہے یہ آدمی بھی اچھا تھا اس لئے ہم کو بہت آرام ملا۔ ہوٹل وغیرہ نزدیک ہیں بازار کوئی بڑا تو نہیں ہے لیکن سامان سب کچھ ملتا ہے، مگر کسی قدر گراں۔ معلوم ہوا کہ اس بغیچہ کے مالک کی بازار میں ایک دکان بھی ہے۔ رات آرام سے سو گئے۔ صبح اُٹھ کر مالکِ دکان و **بغیچہ** سے ملے وہ بڑے اچھے آدمی ہیں ان ہی کے پاس ہم نے کلدار کے افغانی سکّے بنائے اور پھر ہمارے ساتھ جتنا بھی زیادہ سامان تھا وہ سب کا سب اُنہی کی دوکان میں رکھ دیا گیا اور اُن سے ایک رسید لے لی گئی اُنہوں نے خوشی سے ہمارا سامان رکھ لیا ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک صندوق تھا وہ سب وہاں رکھ دیئے گئے لیکن ایک صندوق جو فاضل تھا اُس کو ساتھ رکھ لیا گیا یعنی مسافر تو تھے چار اور صندوق پانچ۔ ہوا یہ کہ ایک بڑے صندوق کے علاوہ راستہ میں ایک چھوٹا صندوق مل گیا اس کو ہمارے ایک عزیز کی خواہش پر ساتھ رکھ لیا گیا۔ بہر حال بعض بعض وقت حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول یاد آجا تا تھا کہ'' ''سگ باش خر نہ باش'' ماسوا اس کے چمن پہونچنے تک ہمارے ساتھ میلے کپڑوں کا ذخیرہ بھی کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ چمن میں مولوی عبدالشکور صاحب دھوبی کے پاس کپڑے ڈال دیئے۔ اُن کو مولوی لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم نے اُنہیں کپڑے دیئے تو اُنہوں نے ہم کو اس طرح رسید لکھ کر دی '' سید محمود کے پچیس عدد کپڑے وصول ہوئے۔ فقط دستخط مولوی عبدالشکور صاحب چمن'' یہ وہی بات ہوئی کہ ''اپنے کو تو آپ اور دوسرے کو تُو سے خطاب'' ان تمام اُمور سے فارغ ہو کر گیارہ بجے کے قریب انسپکٹرس آفِس سرحدی چلے گئے اس کچھیری کے سامنے ایک بڑا میدان ہے اور اس میدان میں افغان جانے والی موٹریں ٹھیرتی ہیں۔ کچھری بھی شہر کے باہر اُس سڑک پر ہے جو افغانستان کو گئی ہے ہر آنے جانے والی موٹر کی تحقیقات ہوا کرتی ہیں اور اُن کے پروانۂ راہداری دیکھے جاتے ہیں۔ اجازت ملنے پر موٹر وہاں سے

گزر سکتی ہے۔آج جمعہ کا دن ہونے سے خیال تھا کہ موٹر نہیں جائے گی وہاں جانے پر معلوم ہوا کہ میوہ کی آمد ورفت کثرت سے ہے جمعہ کے روز جو موٹر جو نہیں جایا کرتی تھی وہ اب بھی چلنے لگی ہے، وہ قید اب باقی نہیں رہی ہمارے حق میں یہ اچھا ہوا۔انسپکٹر صاحب سرحد بڑے شریف اور خوش اخلاق آدمی ہیں ہم کو دو گھنٹے ٹھیرنا پڑا اُن ہی کے اجلاس پر بیٹھے رہے اُن سے ہم کو بڑی مدد ملی بہت کچھ افغانستان کے حالات بیان کرتے رہے۔ہماری خاطر تواضع بہت کچھ کی گئی قندھار جانے کے لئے اُنہوں نے خود موٹر کا انتظام کیا ایک اچھے ڈرائیور کو جو اردو جاننے والا تھا ہمارے ساتھ کیا اور ہم کو آرام سے پہنچانے کی بہت تاکید کی۔

روانگی از چمن : چمن سے قندھار ۷۶ میل ہے کرایہ فی کس باہر کی نشست کے لئے ڈھائی روپیہ کلدار اور اندرونی تختوں کے فرش پر بیٹھنے کے لئے ڈیڑھ روپیہ کلدار۔کرایہ سستا ہونے کا سبب یہ ہے کہ آج کل میوہ کی آمد کثرت سے ہے جس کے سبب موٹریں روزانہ پچاس ساٹھ آیا جایا کرتی ہیں واپسی میں یہ موٹریں بالکل خالی جایا کرتی ہیں جو بھی کرایہ مل جائے وہ اُن کے لئے غنیمت ہے۔لیکن باہر موٹر ڈرائیور کے بازو دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں اس سے زیادہ بیٹھنے کی اجازت نہیں اگر بیٹھیں تو جگہ کی تنگی ہو جاتی ہے۔ہم کُل چار آدمی تھے جن میں ایک صاحب سِن رسیدہ، دوسری ایک ضعیفہ، تیسرے ادھیڑ عمر، چوتھے جوان۔اب ناظرین خود فیصلہ کریں کہ باہر کون بیٹھ سکتا ہے اور اندر تختوں پر کون؟ میری یہ رائے ہوئی کہ دونوں ضعیف العمر ساتھی ڈرائیور کے بازو بیٹھ جائیں اور ہم دونوں (یعنی جوان اور ادھیڑ) اندر بیٹھ جائیں گے۔ لیکن میرے اس فیصلہ کو میرے ایک محترم ساتھی نے کچھ اچھا نہ سمجھا زبان سے تو انکار نہ فرمایا لیکن تیور ایسے تھے کہ مجھے اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔میں نے انسپکٹر صاحب سے مِل کر کہا کہ دیکھئے جناب ہمارے ساتھ دو ضعیف العمر اشخاص ہیں جو سامنے بیٹھ جائیں گے۔رہے تیسرے وہ

ہمارے محترم مشائخ ہیں اُن کو بھی کسی طرح کوشش کر کے آپ باہر بٹھا دیجئے تو مہربانی ہوگی یہ سُن کر خود انسپکٹر صاحب موٹر کے پاس تشریف لائے اور ملّا یار علی صاحب ڈرائیور سے کہہ کر تین آدمیوں کا باہر بیٹھنے کا انتظام کروایا۔

چلو اچھا ہوا مجھے اندر بیٹھنے میں کچھ عذر تو تھا نہیں موٹر کے دھکے کھانے کی ہمّت اور ہر مصیبت کو جو بھی آن پڑے جھیلنے کی طاقت تھی اللہ اللہ کر کے دیڑھ بجے موٹر چمن سے نکلی۔ چمن سے دو میل پر سرحد افغانستان شروع ہو جاتی ہے۔ سرحد پر ایک چھوٹا سا مکان اور پھاٹک ہے جہاں پر سپاہی پہرہ دیتا کھڑا رہتا ہے۔ موٹر آتے ہی سرحدی پولیس کی موٹریں آ کر مسافروں کی اور اُن کے اسباب کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ اگر مال قابلِ محصول ہوا تو وہ خود اسپین بولدک تک ساتھ ہو لیتا ہے۔

وَرُود ، بہ اسپین بولدک : یہ مقام چمن سے پانچ میل پر ہے۔ اصل میں اس کا نام پہلے قلعہ جدید تھا اب اسپین بولدک رکھا گیا ہے اور پھر عوام کے لئے قانوناً قلعہ جدید کہنا جُرم ہے جس کی سزا پچاس روپیہ افغانی سکہ تک ہوتی ہے۔ اس کا علم ہم کو چمن ہی پر کرا دیا گیا تھا ہم نے بھی قلعہ جدید کہنے سے احتیاط کی۔ یہاں پر حکومت افغانستان کی طرف سے محصول خانہ اور پولیس کچہری ہے موٹر آنے کے بعد سامان کی تلاشی ہوتی ہے۔ باہر کے مسافروں کے پاسپورٹ دیکھے جاتے ہیں مجھ کو ایک افغانی سپاہی کے ہمراہ پاسپورٹ کے متعلقہ افسر کے پاس جانا ہوا، ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک پلنگ پڑا ہوا ہے اُس پر ایک نوجوان صاحب لیٹے ہوئے حقّہ پی رہے ہیں ہمارے جانے پر اُٹھے سلام مسنون کے بعد ہمارے پاسپورٹ کا معائنہ کیا اور پورے طور پر تحقیقات کر لینے کے بعد اپنے دستخط ثبت کر دیئے اور ہمارے جانے کی اجازت دے دی اور اپنی نذر (ایک روپیہ افغانی) مسکراتے ہوئے قبول کی موٹر کے پاس

پولیس اور محصول خانے کے جوان کھڑے ہوئے تھے ملا یار علی صاحب ڈرائیور کے یہ کہنے پر کہ یہ سادات ہیں اور زیارتیں کرنے کے لئے تمہارے علاقہ میں آئے ہیں۔ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا اِن کے پاس کوئی سامان ایسا نہیں ہے جو محصول طلب ہو یہ واپس ہونے والے مسافر ہیں اور نہ معلوم انہوں نے کیا کیا اُن سے کہا انہوں نے ہمارے سامان کی تلاشی نہیں لی البتہ نذر طلب کی۔نذر دینا پڑا ہمارے ساتھ ایک پٹھان مسافر تھا البتہ اُس کے پاس کچھ سامان محصول کے قابل تھا لیکن اُس نے قسم کھا کر جوانوں سے کہہ دیا کہ کچھ بھی نہیں ہے نہ معلوم اُن جوانوں کو کہاں سے معلوم ہو گیا تھا کہ اُنہوں نے اس قسم کا کچھ اعتبار نہ کیا بلکہ سامان کی تلاشی لینی شروع کر دی بہت سا سامان محصول طلب بر آمد ہوا اس کی وجہ سے موٹر کو تقریباً دو گھنٹہ ٹھیرنا پڑا اُکل سامان پر معہ جرمانے کے جملہ دُگنا محصول لگایا گیا تب موٹر کو جانے کی اجازت ملی۔اسپین بولدک میں ہوٹل وغیرہ بھی ہیں کھانا وغیرہ بھی مل سکتا ہے تقریباً ایک ہزار تین سو میل ہندوستان کے طے کرنے کے بعد ہندوستان چھوڑنے تک ہم کو کچھ بھی تکالیف سفر میں محسوس نہیں ہوئیں لیکن اب علاقہ افغانستان کے پانچ ہی میل میں سفر کی صعوبتیں شروع ہو گئیں۔

روانگی بجانب قندھار : ہماری طرف جب کسی مقام پر سڑک بنانا چاہتے ہیں تو پہلے زمین کو ہموار کر کے پتھر بچھائے جاتے ہیں اس کے بعد موڑم ڈال کر رُولر پھرا دیتے ہیں جس سے سڑک سخت اور مسطح ہو جاتی ہے لیکن یہاں صرف پتھر بچھا دیئے جاتے ہیں اور رُولر وغیرہ نہیں پھرایا جاتا معلوم ہوا کہ ان کی حکومت میں رُولر اور انجن کا وجود ہی نہیں ہے خود موٹروں کی آمد و رفت سے پتھر پس جاتے ہیں۔یہ تو ان لوگوں کی خوش نصیبی ہے کہ یہاں پتھر گول ہوتا ہے ورنہ معلوم نہیں موٹروں کا کیا حشر ہوتا ٹائیر اور ٹیوب آٹھ روز بھی کام نہ دے سکتے یہاں کی موٹر لاریاں بڑی زبردست ہوتی ہیں جن کا وزن دو ٹن ہوتا ہے۔پچھلی طرف چار ٹائیر ہوتے ہیں پھر بھی یہ ایک مہینہ یا زیادہ سے زیادہ دو مہینے کام دے سکتے ہیں موٹروں کی رفتار زیادہ سے

زیادہ پندرہ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

چمن سے قندھار تک راستہ خطرناک نہیں ہے اُونچے پہاڑ کم ہیں راستہ اکثر صاف میدان میں سے گزرتا ہے لیکن سڑک بہت ناقص ہے ہچکولے اس قدر لگتے ہیں کہ اگر آدمی بیمار نہیں تو قریب بیمار کے برابر ہو جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی مسافر بیمار ہو تو پھر اُس کا خدا ہی حافظ ہے۔ راستہ میں ہم کو کہیں بھی کوئی درخت نظر نہیں آیا اگر اتفاق سے کہیں موٹر خراب ہو جائے اور دن کا وقت ہو تو مسافر یہاں کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو جائے۔ تقریباً پانچ بجے تختہ پُل پہونچے یہاں بھی محصول خانہ ہے سامان کی تلاشی ہوتی ہے لیکن ہم میں سے کسی نے بھی کوئی سوال نہیں کیا۔

وُرود بہ قندھار: وہاں سے جو نکلے تو قندھار پہونچے شہر سے باہر پولیس کی کچہری ہے مسافروں کی تحقیقات ہوتی ہے ہمارے پاسپورٹ دیکھے گئے نام وغیرہ لکھ لیا گیا اور ساتھ ہی نذرانہ بھی دینا پڑا ان کے سارے علاقہ میں نذرانے کا رواج زیادہ ہے۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم قندھار کی گُمرَک میں پہونچے یہاں گمرک تجارتی منڈی یا گنج کو کہتے ہیں جہاں سے کُل سامان دیگر مقامات کو بھیجا جاتا ہے یہیں سے موٹریں آیا اور جایا کرتی ہیں گمرک کے دروازے میں پولیس کی کچہری بھی ہے اور محصول خانہ بھی ہر دو مقامات میں تحقیق ہوتی ہے مغرب کا وقت ہو گیا تھا اس لئے پہلے نماز ادا کر لی گئی پھر موٹر سے سامان اُتروا کر ایک ایسے حمال کو ساتھ لیا جو شاہ بازار میں عبدالرحمٰن صاحب دندان ساز کی دُکان سے واقف تھا۔ گمرگ کے دروازے پر نذرانہ دینا پڑتا ہے۔ وہاں سے نکل کر شہر میں داخل ہوئے شہر کے دروازے میں بھی تحقیقات ہوتی ہیں لیکن یہاں پر بغیر نذرانے کے گزر گئے نہ معلوم کیا بات ہوئی ہم کو تو حیرت تھی بلکہ تحقیقات کے جوانوں نے ہم کو یہ کہہ کر خدا حافظ کہا کہ ہمارے لئے دعا کیجئے۔ تقریباً رات کے

نو بجے ہوں گے لیکن وہاں پر کچھ کچھ اندھیرا ہوا تھا ہم لوگ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی دوکان پر آئے دوکان بند تھی صاحب موصوف موجود نہیں تھے۔ کہیں باہر تفریح کو گئے ہوئے تھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا کوئی پانچ منٹ ٹھیرے ہوں گے کہ صاحب موصوف آ گئے۔ علیک سلیک کے بعد ہمارا سامان ان کے مکان میں بنگلہ پر پہونچا دیا گیا حجانی ماں اُن کے زنانے میں چلی گئیں اور ہم باہر ٹھیرے رہے۔ اُن کو میرے آنے کی اطلاع اس وقت تو نہیں تھی لیکن ایک سال قبل اُن کو اسی موسم میں اور انہی دنوں میں میرے آنے کی اطلاع ملی تھی لیکن اُس سال میرا افغانستان کو جانا ملتوی ہو گیا تھا۔ جناب عبدالرحمٰن صاحب میرے استاد مولوی ابوالوفا صاحب پروفیسر فقہ مدرسہ نظامیہ سرکارِ عالی حیدرآباد کے رشتہ کے بھائی ہوتے ہیں میرے محترم استاد جب کبھی قندھار آتے ہیں تو انہی کے پاس مہمان رہتے ہیں اور میں بھی مولوی صاحب محترم کے حُکم پر انہی کے پاس ٹھیرا، اُترنے کے بعد مُنہ ہاتھ دھوکر کچھ کھا لیا گیا ہوٹل مکان سے بالکل قریب تھی ایک آدمی کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے ہماری خدمت کے لئے متعین کر دیا تھا ۔جس سے ہم کو بڑا آرام ملا بازار کا سب کام وہی کرتا تھا ہم سب بہت تھکے ہوئے تھے نماز پڑھتے ہی بنگلے پر زیرِ سماں سو رہے۔ اگر چہ موسم گرم تھا لیکن رات میں سردی اچھی محسوس ہوئی بلکہ صبح کے وقت تو سردی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ یہ یرقان کا موسم ہے۔ یہاں کے لوگ اس موسم کو بہت پسند کرتے ہیں۔ دن میں کچھ گرمی رہتی ہے رات میں سردی اور اسی موسم میں میوے کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ ہندوستانی حضرات اگر علاقہ افغانستان میں سفر کرنا چاہیں تو اُن کے لئے جولائی اور اگست کا مہینہ موزوں ہے۔ ہفتہ کے دن ۲۱ / جمادی الثانی کو ہم قندھار میں تھے۔ علی الصبح گرم گرم غسل کیا تا کہ موٹر کی تکان سے جو درد جسم میں پیدا ہو گیا تھا دور ہو جائے لیکن اس کا اثر اُلٹا نکلا تکلیف اور بھی زیادہ ہو گئی ناشتہ سے فارغ ہو کر سب سے پہلے شہر کے ٹپّہ خانہ کو گئے تا کہ ہمارے یہاں تک پہونچنے کی اطلاع گھروں کو کر دیں یہاں

کے ٹپہ خانوں کا انتظام کچھ عجیب سا ہے بازار میں ٹکٹ یا کارڈ اور لفافے وغیرہ نہیں ملتے بلکہ خط لکھنے کے بعد خود ہم کو ٹپہ خانہ جانا پڑتا ہے ٹپہ کے منشی صاحب سے مل کر اپنا خط اُن کے حوالے کرنا ہوگا۔منشی صاحب سب سے پہلے خط کی عبارت کو دیکھیں گے اور پھر اُن کو وزن میں شک ہوا ہوا تو خط کو تول بھی لیں گے اُس کے بعد ہم سے مخاطب ہو کر پیسے طلب کریں گے ہم سے پیسے لینے کے بعد اپنے صندوقچہ سے ٹکٹ نکال کر خود ہی اپنے لعابِ دہن سے ٹکٹ چسپاں کر دیں گے اُس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے میز پر سے ایک لمبے ڈنڈے کو اُٹھائیں گے جس کے ایک سرے پر مُہر لگی ہوگی اپنے ہاتھ سے ٹکٹ پر مُہر کریں گے اور بعد ازاں یہ کہتے ہوئے ''جب تک یہاں ٹکٹ پر مُہر نہ لگائی جائے کوئی خط جانہیں سکتا یہ مُہر دیکھ لیجئے'' پھر کہیں ہم کو جانے کی اجازت ملے گی۔ یہ ہے انتظامِ ٹپّہ۔نہ تو بازار میں اسٹامپ فروخت ہوتے ہیں اور نہ پوسٹ باکس کہیں نصب ہیں۔ٹپہ خانہ سے نکل کر ہم سفیرِ برطانیہ کے پاس گئے صاحبِ موصوف کا مکان اور کچہری ایک ہی جگہ عیدگاہ کے دروازے سے متصل قندھار کی عدالتِ عالیہ کے مقابل میں ہے۔مکان پر پرچم برطانیہ لہراتا رہتا ہے اور یہ علامت ہے سفیر برطانیہ کے مکان کی۔ کچہری میں منشی صاحبان موجود تھے ہم لوگ پہلے ان سے ملے پھر اپنے آنے کی اطلاع سفیر صاحب سے کرائی تھوڑی ہی دیر میں ہماری طلبی ہوئی۔سفیر صاحب کا اجلاس مکان کے اندرونی حصّہ میں ہے۔پہلی ملاقات میں صاحبِ موصوف کا ہمارے ساتھ ایسا سلوک ہوا کہ ہمارے پاس اُن کے شکریہ کے الفاظ ہی نہیں ہیں مختصر یہ کہ نہایت خلیق اور اچھے آدمی ہیں حقیقت میں اُن کے اچھے ہونے کا ایک قصّہ کہتا ہوں جس وقت ہم لوگ چمن سے قندھار کے ارادے سے نکلے تو اُس وقت انسپکٹر صاحب سرحدی پولیس سے میں نے کہا تھا کہ آپ ایک تعارفی خط ہمارے لئے سفیر صاحب کے نام دیجئے تاکہ ہم کو وہاں آرام ملے انسپکٹر صاحب نے اس کے جواب میں کہا ''مولانا خط تو ان کے نام دینے کی ضرورت ہے جو کج خلق اور لاپرواہ

اور بے درد ہوں ہمارے سفیر صاحب کو لکھنے کی ضرورت نہیں وہ بذاتِ خود ایسے ہیں کہ ملنے پر خود ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔'' بہر حال سفیر صاحب کی بہت کچھ تعریف کی تھی اور حقیقت میں ہم نے بھی ویسا ہی پایا۔ سفیر صاحب علیک سلیک کے بعد خیریت دریافت کی جب ہمارے سفر کے اغراض سنے تو بہت خوش ہوئے ہم سے ہمارے پاسپورٹ لے لئے گئے اور اُن میں جو کچھ کارائی کرنی تھی کر دی گئی اُس کے بعد خود اپنے چپراسی کے ذریعہ ہمارے پاسپورٹ مدیرِ خارجہ قندھار کے پاس روانہ کر کے ہم سے کہا کہ یہ پاسپورٹ ضروری کاروائی کے بعد آپ کی جائے قیام پر پہنچ جائیں گے آپ کچھ فکر مت کیجئے۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی گفتگو ہوئی پھر لیموں کے شربت سے ہماری تواضع کی گئی۔ اثنائے گفتگو میں نے سفیر صاحب سے کہا فرہ جانے کے لئے موٹر کا انتظام کروا دیجئے۔ سفیر صاحب نے اُسی وقت چپراسی کو یہ دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا کہ قندھار سے گرشک اور ہرات جانے والی گاڑیوں کے کیا اوقات ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں چپراسی جواب لایا کہ ڈاک گاڑی یعنی پوسٹ لیجانے والی موٹر ہفتہ میں صرف ایک بار یعنی جمعرات کو جایا کرتی ہے رہی دوسری بار برداری کی موٹریں تو اُن کا کوئی دن یا وقت مقرر نہیں ہے جب کبھی مال کی بھرتی ہو جائے نکلا کرتی ہیں۔ پھر بھی معلوم ہوا کہ آج تو کوئی گاڑی نہیں جائے گی ممکن ہے کل شام میں کوئی موٹر نکلے تو نکلے البتہ ایک موٹر تیار ہو رہی ہے کچھ مال کی بھرتی ہوئی ہے اور ابھی کچھ باقی ہے۔ یہ سُن کر ہم نے کہا آج نہیں تو کل چلے جائیں گے کوئی ہرج کی بات نہیں۔ اثنائے گفتگو میں سفیر صاحب نے خود ہی کہا آپ لوگ یہاں کے مدیرِ خارجہ محمد حسن خاں صاحب سے ملیئے وہ ایک نوجوان اور بڑے اچھے آدمی ہیں میں نے ساتھ ہی کہا کہ ہم کو تو اُن سے ضرور ملنا ہے ہمارے پاس یہاں کے گورنر کے نام ایک خط ہے جس کو اُن کے سفیر صاحب برطانیہ نے اپنے دفتر کے ایک منشی کو ہمارے ساتھ کر دیا ہے کہ ہمیں مدیرِ خارجہ محمد حسن خاں صاحب تک دفتر تک پہنچا دے۔ ہم وہاں سے روانہ ہو کر مدیرِ خارجہ کے دفتر پہنچے صاحبِ

موصوف سے ملاقات ہوئی یہ نوجوان اور بڑے اچھے آدمی ہیں نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے مدیر صاحبِ خارجہ اُردو بھی اچھی بول سکتے ہیں ۔ کچھ دیر ملاقات رہی ہمارے پاسپورٹس ان ہی کی میز رکھے ہوئے تھے میں نے یہاں کے گورنرِ اعلیٰ کے نام کا خط انہیں دے دیا کہ صاحبِ موصوف کو پہنچا دیا جائے اُنہوں نے یہ خط لیتے ہی تعظیماً سر پر رکھ لیا اور ہماری خاطر تواضع کی اور ہمیں یقین دلایا کہ یہ خط حاکمِ اعلیٰ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا اگر آپ حضرات ملاقات بھی کرنا چاہیں تو اُس کا بھی انتظام ہوسکتا ہے ۔ میں نے کہا کہ ملاقات کی چنداں ضرورت نہیں ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ جو غرض ہماری وہاں آنے کی ہے وہ پوری ہو جائے ہمارے لئے فرہ مبارک کو جانے اور وہاں رہنے سہنے کا انتظام کرا دیجئے یہی بس کافی ہے ۔ مدیرِ خارجہ نے کہا کہ آپ کچھ فکر نہ کیجئے سب انتظام ہو جائے گا آپ حضرات کو کچھ تکلیف نہ ہوگی اور آپ کے یہ پاسپورٹس آج شام تک آپ کے پاس پہنچ جائیں گے ۔ مدیرِ خارجہ محمد حسن خاں صاحب سے رخصت ہو کر ہم منشی صاحب سفیر برطانیہ کے ہمراہ معشوق گیاریج پہونچے جہاں سے فرہ اور ہرات جانے والی موٹریں نکلا کرتی ہیں ۔ اس گمرک (چنگی) کا نام معشوق گیاریج ہے، عیدگاہ کے دروازے کے باہر مشرقی سمت والی سڑک پر کوئی دو فرلانگ کے قریب یہ گیاریج واقع ہے گیاریج میں مالکان موٹر بیٹھے ہوئے تھے اِنہی میں وہ صاحب بھی تھے جن کی موٹر اتوار کے روز جانے کی امید بتلائی گئی تھی اُن سے کرایہ وغیرہ طے کیا گیا باہر کی نشست کے تیس روپیئے افغانی فی اسم اور اندر کی نشست کے پچیس روپیئے ۔ اس طرح جملہ چار آدمیوں کے ایک سو دس روپیئے افغانی جس کے متبادل اکتیس روپیئے چار آنے اور چھ پیسے کلدار (حیدرآباد دکن کا سکّہ) ہوتے ہیں قندھار سے فرہ تک کا کرایہ مقرر ہوا اور طے یہ پایا کہ دو آدمی باہر ڈرائیور کے پاس اور دو اندر کی طرف کسی حصّہ میں بیٹھ جائیں گے ۔ قندھار سے گرشک اسّی میل ہے اس تصفیہ کے بعد جائے قیام کو واپس ہوئے چونکہ اتوار کو رات اندھیرے نکل جانے کی

امید تھی اس لئے نیند خوب آئی صبح کی نماز کے لئے اٹھے تو سردی مزاج پوچھ رہی تھی وضو کرنا تک مشکل تھا بدقّت وضو کیا بعد نماز فجر مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے گھر سے ناشتہ آیا قندھاری روٹی اور چائے ناشتہ میں ملا کرتے تھے خیال ہوا کہ آج رات کو یہاں سے نکلنا ہی ہے ناشتہ کرتے ہی ایک ٹانگہ کرایہ پر لے لیا پہلے ''چھل زینہ'' پہنچے جو شہر سے جانبِ غرب کوئی تین میل کے فاصلے پر ''چھل زینہ'' کے نام سے ایک پہاڑ تقریباً تین ہزار فٹ اونچا ہوگا اُس پہاڑ کی چوٹی پر اُسی پتھر میں ایک کمان تراشی گئی ہے جو دس فٹ چوڑی اور پچیس فٹ کے قریب قریب اُونچی ہے اس کمان پر عربی اور فارسی میں اشعار کندہ ہیں۔ کمان تک پہنچنے کے لئے چالیس سیڑھیاں اسی پہاڑ میں تراشی گئی ہیں یہ سیڑھیاں پہاڑ کے آخری حصّہ یعنی کمان سے متصل ہیں سیڑھیوں تک پہنچے کے لئے راستہ بنایا گیا ہے۔ جس کو آسانی سے طے کر سکتے ہیں البتہ سیڑھیوں پر سے کمان تک پہنچے کیلئے تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ سیڑھیاں ناہموار ہیں ایک ایک سیڑھی دو دو تین تین فٹ کے فصل سے ہے اوپر چڑھنے کے بعد نیچے کا منظر نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یہی مشہور مقام ارغندہ ہے جہاں میوے کے درخت بکثرت واقع ہیں یہاں نہریں بھی جاری ہیں۔ سنا ہے کہ اس سے بڑھ کر شاداب اور سرسبز مقام افغانستان بھر میں نہیں ہے۔ حقیقت میں ارغندہ کے باغات دیکھنے کے قابل ہیں یہاں کی سرسبزی اور شادابی دیکھ کر میسور کے باغات اور وہاں کی چامنڈی ہل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ تقریباً ڈھائی تین گھنٹے یہاں کی سیر کرتے رہے۔ یہاں سے واپسی میں سیدھے سفیر برطانیہ خاں صاحب شیر زماں صاحب سے ملاقات کی۔ گفتگو کا سلسلہ کچھ دیر تک حیدرآباد دکن کے سیاسی، غیر سیاسی اور تعلیمی مباحث اور کچھ جاگیرداروں اور زمینداروں سے متعلق رہا پھر حسبِ معمول لیموں کے شربت سے تواضع کی گئی میں نے آج شربت پینے سے انکار کر دیا کیونکہ کل جو شربت پی لیا تھا اُس سے شام تک سر میں درد رہا اور رات میں ہمیں سفر کرنا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ آج بھی سر میں درد پیدا کر لوں مجھے لیمو کا شربت

نہیں بھاتا اس پر سفیر صاحب ہنسنے اور ساتھ ہی مکان میں کہلا بھیجا کہ میرے لئے چائے لائی جائے۔ کچھ دیر بعد چائے مع بسکٹ وغیرہ کشتی میں رکھ کر لائی گئی میں نے صرف چائے اور بسکٹ استعمال کئے میرے ساتھی چائے سے کچھ بیزار سے تھے۔ یہ سفیر صاحب برطانیہ یہاں کے صمد یار جنگ بہادر کے بھانجے ہوتے ہیں آپ کا اصل وطن کوئٹہ میں ہے آپ کو حیدرآباد دیکھنے کی بڑی خواہش ہے اثنائے گفتگو میں میں نے کہا میرے ساتھ کچھ رقم ہے جو زائد از ضرورت ہے میرا خیال ہے کہ آپ کے پاس رکھوادوں فرہ سے واپسی پر لے لوں گا اس پر کچھ دیر وہ ساکت رہے پھر جواب دیا ''افسوس ہے کہ پہلے ہم مسافروں کی رقم رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے تھے لیکن اب سرکاری طور پر ممانعت کے احکام آگئے ہیں اب سفیر برطانیہ کسی مسافر کی رقم سرکاری طور پر بطورِ امانت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا'' یہ سن کر میں نے کہا کہ سرکاری طور پر نہیں بلکہ آپ کے پاس نجی طریقہ پر رکھنا چاہتا ہوں اس پر بھی اُنھوں نے بہت معافی چاہی۔ اور کہا کہ ہماری ہر ایک حرکت سرکاری شمار کی جاتی ہے میں کسی طور پر بھی نہیں رکھ سکتا پھر کچھ دیر سوچ کر کہا اگر ایسا ہی ہے تو میں شام تک یہیں کسی اچھے آدمی کا انتظام کر کے اطلاع دوں گا آپ اُن کے پاس رکھا دیجئے وہ آپ کو واپسی میں دے دیں گے اور آپ مطمئن رہیں۔ میں نے اس کو بھی مناسب سمجھا اور اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چونکہ آج شام یہاں سے نکلنا طے پا چکا تھا سفیر صاحب نے ہمیں تاکید کی کہ ہم جہاں کہیں زیارت کو جائیں اُن کے لئے دعا کریں۔ اور پھر ہماری بخیر و عافیت واپسی کی دعا کے ساتھ ہمیں خدا حافظ کہا۔ سفیر برطانیہ کے دفتر میں دو منشی صاحبان ہیں ایک کا نام منشی عبدالقدیر اور دوسرے کا نام منشی عبدالعزیز ہے یہ دونوں نوجوان اور بڑے اچھے آدمی ہیں ان سے بھی ہم کو بہت کچھ آرام اور مدد ملتی رہی۔ موٹر وغیرہ کے انتظام میں یہی دونوں حضرات بہت کچھ کوشش کرتے رہے اور ان دونوں نے بھی اپنے لئے دعائے خیر کی تاکید کے ساتھ ہم کو رخصت کیا۔ تقریباً تین بج چکے تھے مقامِ رہائش کو لوٹے سب سے پہلے کھانا

کھایا پھر نمازِ ظہر کے بعد رختِ سفر باندھ کر تیار ہو گئے ہم کو یہاں چند افغانی روپیوں کی ضرورت پڑی ہم نے چمن سے آتے ہوئے ڈیڑھ سو افغانی بنا لئے تھے اور مزید ضرورت کے لئے ہم نے ایک تعارفی خط ان ہی سیٹھ صاحب کا قندھار کے لئے بھی ساتھ رکھ لیا تھا۔ قندھار میں شکار پور دروازے کے پاس تارا سنگھ کی سرائے ہے اس سرائے میں جوگی رام کی بھی ایک دوکان ہے۔ چمن میں ہم لوگ اِن ہی کی سراء (بغیچہ) میں ٹھیرے تھے اور ان ہی کی دوکان سے افغانی سکّے لئے تھے اور یہاں بھی ان ہی کی دوکان پر حسبِ ضرورت افغانی سکّے لئے ان کی وجہ سے ہم کو یہاں بہت آرام ملا۔ یہ خود ہندوستان کے ہیں اور ہندوستانیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں ۔ یہاں سے ہم سیدھے جائے قیام کو لوٹے عصر کا وقت تھا زائد رقم رکھانے کے متعلق ابھی تصفیہ نہیں ہوا تھا میرا خیال ہوا کیوں نہ ہم مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پاس رکھا دیں۔ ان ہی کے پاس تو ہم ٹھیرے تھے۔ اپنے اس خیال کو میں نے حضرت حاجی میاں صاحب قبلہ سے ظاہر کیا حضرت کی رائے بھی یہی ہوئی اس لئے ان ہی کے پاس رقم رکھا دی گئی جس کی صاحب موصوف نے ایک رسید بھی تاکہ واپسی میں رسید بتلا کر رقم حاصل کر لیں اور ہمارے گھر کا یعنی ہندوستان کا پتہ بھی نوٹ کر لیا گیا تاکہ خدانخواستہ اگر مولوی عبدالرحمٰن صاحب ہم کو نہ دے سکیں تو ہمارے ورثاء کو تو روانہ کر سکیں ۔ مغرب کی نماز کے بعد جلد ہی کھانے سے فارغ ہو کر ٹانگہ منگوا لیا گیا سامان وغیرہ رکھ کر مقامِ قیام سے کوئی آدھا گھنٹہ میں معشوق گیاریج پہنچ گئے ۔ موٹر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی سامان باندھا جا رہا تھا غرض ہم ایک کمرے میں بیٹھے تھے کہ ایک اتفاقی حادثہ پیش آیا یعنی اسی وقت ایک پولیس کا جوان ٹانگہ میں سوار ہو کر آیا اور ہم سے کہا کہ آپ کو چوکس صاحب نے بلایا ہے (یہاں پر انسپکٹر کو چوکس صاحب کہتے ہیں) یہ سن کر ذرا حیرانی تو ہوئی پھر میں نے کہا نہ معلوم کیا ضرورت درپیش ہے حضرت حاجی میاں صاحب سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلئے ان لوگوں کو جو میرے دوسرے ہمراہی ہیں سامان کے پاس اسی جگہ گیاریج میں بیٹھنے دیجئے

ہم جا کر آئیں گے۔ چنانچہ ہم دونوں اُس جوان کے ساتھ اُسی ٹانگہ میں چلے گئے اُس وقت قریب قریب اندھیرا ہو چکا تھا ہم کو سیدھے ایک ایسے مکان میں پہونچایا گیا جو قلعہ کے مانند چھوٹا سا مکان تھا اور اطراف محفوظ چہار دیواری تھی اندر مکان کے دو حصّے تھے ایک حصّہ جو باہر کا تھا وہاں کچھ پلنگ پڑے ہوئے تھے اور پولیس کے جوان بندوق لئے ٹہل رہے تھے۔ اندرونی حصّے میں جانے کے لئے ایک چھوٹا سا دروازہ تھا اِس دروازے پر ایک پولیس والا باہتھیار کھڑا ڈیوٹی (فرض) ادا کر رہا تھا۔ ہم کو اندرونی حصّے میں پہنچا دیا گیا یہاں پر کوئی پچاس، ساٹھ سے زیادہ ہی لوگ ہوں گے جن میں کچھ تو بیٹھے ہوئے تھے کچھ نمازوں میں مصروف تھے اور کچھ افغانی روٹی چباتے ہوئے اور نہر سے مُنہ لگا کر پانی پیتے ہوئے نظر آئے۔ کچھ عجیب سا منظر دکھائی دیا ہم بھی ایک جگہ زمین پر بیٹھ گئے لیکن میں اُس مقام کو دیکھ کر چونکا اور خیال کیا کہ ہو نہ ہو چھوٹا سا قید خانہ ہے جس کو ہمارے پاس عام طور پر حوالات کہتے ہیں جہاں سے تصفیہ ہونے کے بعد ملزمین کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔ ایک درخت کے نیچے ایک شخص دکھائی دیا جو صورت سے ہندوستانی معلوم ہوتا تھا گو یا لباس ہندوستانی نہیں تھا میں آہستہ سے اُس کے پاس گیا اور سلام کے بعد ہندوستانی زبان میں پوچھا ''یہ سب کون لوگ ہیں اور آپ لوگ یہاں کیوں ٹھیرے ہیں؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے پہلے تو مجھے اپنے بازو بٹھالیا اور پھر کہا ہم سب قیدی ہیں اور صبح کو عدالت جائیں گے تصفیہ ہونے کے بعد نہ معلوم کہاں بھیجا جائے گا؟'' اور ساتھ ہی کہا'' آپ یہاں کیسے آ گئے؟'' میں نے اپنا واقعہ سنایا کہ'' ہم لوگ مسافر ہیں اور یہاں سے فرہ جا رہے ہیں ہمارے اور بھی دو ساتھی ہیں جو موٹر کے پاس ٹھیرے ہوئے ہیں۔ ہم کو یہاں ایک جوان چوکس صاحب کے حکم پر بُلا کر لایا ہے'' یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دو جوان اندر آئے اور ہمارے جیب کی تلاشی لی میرے پاس صدریہ میں ایک چھوٹی سی بیاٹری تھی وہ نکال لی گئی اور ہمارے محترم قبلہ کے پاس ایک چھوٹا سا قلم تراش تھا وہ بھی حضرت کی جیب سے نکال لیا گیا

حالانکہ میں نے خود اپنی پاکٹ کو جس میں روپیے اور نوٹ وغیرہ بھی تھے پیش کی لیکن اس جوان نے پاکٹ لینے سے انکار کر دیا جیب تلاشی کے بعد وہ جوان باہر کے حصّہ میں چلے گئے اور ہم پھر اُسی مقام پر بیٹھے رہے اب ذرا ہمارے محترم ساتھی حضرت حاجی میاں صاحب قبلہ کچھ پریشان سے ہوئے، کچھ بے عزّتی کا خیال بھی ستا رہا تھا اُنھوں نے مناسب سمجھا کہ میں یہاں بیٹھا رہوں اور وہ جا کر سفیر برطانیہ کو اس واقعہ کی اطلاع کر دیں اس خیال سے ہمارے محترم قبلہ اُن جوانوں سے جو پہرہ دے رہے تھے بہت کچھ کہا اور سمجھایا کہ ''میں ابھی جا کر سفیر صاحب کو اطلاع کر آتا ہوں'' اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''یہ یہاں بیٹھے رہیں گے'' لیکن اس جوان نے اجازت نہیں دی اور کہنے لگا ''آپ لوگ یہاں سے باہر نہیں جا سکتے جب تک چوکس صاحب نہ آجائیں ہم آپ کو باہر نہیں چھوڑ سکتے'' حضرت نے بہت کچھ کہا کہ ''کیا ہم نے چوری کی ہے؟ یا کسی کو مار ڈالا ہے؟ یا کسی پر ظلم کیا ہے؟ ہم مسافر ہیں صرف زیارت کے لئے تمہارے علاقہ میں آئے ہیں۔ ہمارا ایسا کیا قصور ہے جو ہم کو یہاں بٹھا دیا گیا ہے؟'' بہر حال بہت کچھ کہتے رہے لیکن انھوں نے ایک نہ مانی کچھ دیر یوں ہی ٹھیرے ہوئے تھے وہی لوگ جنھوں نے ہماری تلاشی لی تھی پھر ہمارے پاس اندر آئے اور جو چیزیں ہم سے لی تھیں واپس کر دیں اور اُس وقت اُن کے چہروں سے گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے ہمارا سامان ہم کو دے کر فوراً باہر واپس چلے گئے تقریباً گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ حوالات میں رہنے کے بعد چوکس صاحب کے تشریف لانے کی اطلاع ملی وہ باہر ہی اپنے اجلاس یعنی پلنگ پر بیٹھ گئے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے پوری کیفیت اس برتاؤ کی جو ہمارے ساتھ پولیس والوں نے کیا تھا باہر ہی سُن چکے تھے اور جب یہ سنا کہ ہم اس وقت یہیں اندر ہیں تو فوراً ہم کو اندر طلب کیا ہمارے باہر آنے کے بعد کھڑے ہو کر بہت عاجزی سے معافی چاہنے لگے۔ ''ان جوانوں نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا یہ بالکل نادان اور وحشی لوگ ہیں انھیں سخت سزا دلاؤں گا'' چنانچہ ہمارے

سامنے اُن دونوں کو طمانچے بھی رسید کیے اور ہم سے پوچھا ''انھوں نے آپ کی کیا کیا چیزیں لی ہیں آپ کا کچھ مال نہیں لیا گیا'' میں جواب دیا کہ ''نہیں انھوں نے ہماری چیزیں لی تو تھیں پھر واپس کردیں۔'' میں نے کہا کہ ''ہم کو یہاں کیوں بلایا گیا ہے'' اس کے جواب میں چوکس صاحب نے کہا کہ ''ابھی ابھی شام کو کوتوال صاحب اور دوسرے حکام شہر کی گشت کو نکلے تھے اُسی وقت آپ حضرات کو ٹانگہ میں سوار ہوتے ہوئے دیکھا اور ہم سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں، کہاں سے آئے ہیں اس کی ہم کو کوئی اطلاع نہیں، ان سے پوچھا جائے؟ لہٰذا میں نے یہ دریافت کرنے کے بعد کہ آپ حضرات فرہ جارہے ہیں موٹر گیاریج پر جوان کو بھیجا کہ آپ حضرات کو بُلا لائے۔ میں ابھی گشت کر کے واپس آرہا ہوں چنانچہ میرے آنے میں ذرا سی دیر ہوگئی جس کی میں بہت بہت معافی چاہتا ہوں اِن لوگوں نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔'' میں نے جواب دیا کہ ''مدیرِ خارجہ محمد حسن خاں صاحب نے آپ کو اطلاع کردی ہوگی کیونکہ آتے ہی ہم اُن سے ملے اور اپنے پاسپورٹ اُنہیں دے دیئے اور کہہ دیا کہ جو کچھ کاروائی کرنا ہے کرا دیجئے پھر ہمیں واپس دیدینا اُنہوں نے ہماری درخواست قبول کر کے پاسپورٹس رکھ لئے پھر نہ معلوم کیا بات ہے کہ اُنہوں نے آپ لوگوں کو اطلاع نہیں دی اور یہ سب مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔'' بہر حال ہمارے پاسپورٹس وغیرہ دیکھ لئے گئے جو کچھ لکھنا لکھانا تھا لکھ لیا گیا پھر ہم کو وہاں سے واپس جانے کی اجازت ملی۔ چوکس صاحب نے خود ہی ہمارے لئے ٹانگہ منگوایا اور بہت کچھ عجز و انکساری ظاہر کرتے ہوئے ہم کو رخصت کیا۔ یہاں سے سیدھے ہم نے گیاریج کا رُخ کیا نو بج چکے تھے وہاں جانے کے بعد معلوم ہوا کہ مقررہ موٹر میں سامان بہت بھر گیا تھا مطلق جگہ نہ ہونے سے موٹر چلی گئی اب پھر دوسری موٹر کا انتظار اور انتظام کرنا پڑا لہٰذا بہت ہی کوفت اٹھا کر جیسے گئے تھے ویسے ہی شاہ بازار کو مولوی عبد الرحمٰن صاحب کے گھر واپس ہوئے رات میں نیند بھی برابر نہیں آئی۔ سفر کی منزل کھوٹی ہونے

سے بڑی کوفت تھی۔ صبح ہوتے ہی ہمارے محترم ساتھی نے فرمایا ناشتہ ہوتے ہی سفیر صاحب کے پاس چلنا چاہیئے تا کہ اُن کو اس واقعہ کی اطلاع کر دی جائے میں تو پہلے ہی سے مستعد تھا راضی ہو گیا اور ناشتہ کے بعد ہم تینوں مل کر سفیر صاحب کے گھر پہنچے سب سے پہلے اُن کے دفتر میں اُن کے دونوں منشی صاحبان سے ملاقات ہوئی وہ ہم کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور پوچھا کہ کیا آپ لوگ کل تشریف نہیں لے گئے ؟ جب ہم نے کل کے واقعات بیان کئے تو اُن دونوں کو بے حد افسوس ہوا پھر ساتھ ہی اندر جا کر سفیر صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع دی سفیر صاحب نے فوراً اندر بُلا لیا اُنہیں بھی ہمیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی اور جب تمام واقعہ سنا دس منٹ تک سناٹے میں آ گئے کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی اُس کے بعد بہت دیر تک افسوس کرتے رہے اور پھر فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ مدیرِ خارجہ محمد حسن خاں صاحب سے یہ کُل واقعہ بیان کیا اور بہت رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''ہمارے مسافرین اور خصوصاً سادات کے ساتھ یہ سلوک'' اس کے بعد پھر مجھ سے کہا کہ ''آپ ایک درخواست میرے نام اس واقعہ کی نسبت دیجئے میں اُس پر مناسب کارروائی کروں گا جب تک آپ اس واقعہ کی تحریری اطلاع نہ دیں میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' کچھ دیر سوچ کر میں نے جواب دیا ''ابھی تو ہمیں ان لوگوں سے بہت کام ہے ابھی ہم نے سفر شروع ہی نہیں کیا جس غرض سے نکلے ہیں وہ ابھی پوری نہیں ہوئی خواہ مخواہ اُن کے خلاف کارروائی کر کے اُن کو اور بھی اپنا دشمن بنا لینا ہے میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا اگر ہو سکے تو واپسی میں اس قسم کی کارروائی کر سکتے ہیں پہلے ہمیں جا کر آنے تو دیجئے'' اس بات کو سفیر صاحب نے بھی پسند کیا پھر کہا ''اچھی بات ہے ضرور اس کے متعلق کارروائی کرنی چاہیئے آپ کے ساتھ جو ہونا تھا ہوا آئندہ کسی اور مسافر کے ساتھ پھر ایسا سلوک نہ ہو میں آئندہ کے لئے کوئی مناسب کارروائی کرنا چاہتا ہوں'' اُس کے بعد چائے اور شربت سے تواضع کی گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے سفیر صاحب سے کہا کہ آپ مہربانی فرما کر یہ انتظام کروا دیجئے کہ آئندہ راستہ وغیرہ

میں اور مقامِ فرہ میں ہم کو کوئی تکلیف نہ ہو' اس کے جواب میں سفیر صاحب سے فرمایا'' آپ بالکل مطمئن رہیں میں ابھی سب انتظامات کروا دیتا ہوں بلکہ آپ لوگوں کی کیفیت روزانہ ٹیلیفون سے معلوم کرتا رہوں گا میں ابھی آپ کے ساتھ منشی عبدالعزیز صاحب کو روانہ کرتا ہوں آپ جا کر مدیرِ خارجہ سے ملئے اور یہ سب واقعہ اُن کو بھی سُنا دیجئے اور پھر میرے منشی صاحب بھی کچھ کہہ دیں گے'' چنانچہ وہاں سے فارغ ہو کر منشی عبدالعزیز صاحب کے ہمراہ مدیرِ خارجہ محمد حسن خاں صاحب کے پاس آئے علیک سلیک کے بعد اُن سے بھی تفصیلی واقعات بیان کئے گئے صاحبِ موصوف نے بہت کچھ افسوس کا اظہار کیا پھر ذریعہ ٹیلیفون محکمۂ پولیس سے اس کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ہمارے وہاں آنے کی اور باہر جانے کی اطلاع نہ تھی صرف دریافت اور تحقیق کے لئے ہم کو بلایا گیا تھا لیکن انہوں نے وہاں جو سلوک کیا اس کا ہم کو بھی افسوس ہے اُس کے بعد مدیرِ خارجہ نے ہم سے بہت کچھ معافی چاہی اور کہا کہ قصور میرا ہے میں آپ لوگوں کے آنے کی اطلاع محکمۂ پولیس کو نہ کر سکا خیال نہ رہا اور آپ کو یہ تکلیف اٹھانی پڑی آپ براہِ خدا معاف کر دیجئے کچھ دیر کے بعد کوتوال صاحب پولیس کے مددگار تشریف لائے اور آتے ہی کہا کہ'' مجھے یہ حکم ہوا کہ حکومت کی جانب سے آپ لوگوں سے معافی چاہوں ہم کو اس بات کا بہت رنج اور افسوس ہے آپ حضرات کچھ خیال نہ کریں''

پھر بیٹھے اور کہنے لگے'' آپ سادات ہیں، سادات پر تو بڑی بڑی مصیبتیں پڑتی ہیں آپ لوگوں کا کام ہے ہر تکلیف پر صبر کریں'' اسی قسم کی گفتگو کچھ دیر تک ہوتی رہی اس کے بعد مدیرِ خارجہ فرہ کے نام ایک تعارفی خط دیا تا کہ وہاں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہوں پھر میں نے کہا کل تو ہم نہ جا سکے کم از کم آج تو ہمارے جانے کا انتظام کروا دیجئے اُس وقت ٹیلیفون سے رئیسِ حمل و نقل سے دریافت کیا گیا جواب آیا کہ شام میں چار بجے تک موٹر کی روانگی کا بندوبست ہو جائے تو اطلاع دوں گا۔ ورنہ موٹر کے جانے میں احتمال ہے اب ہم سوائے اس

کے کر ہی کیا سکتے تھے خاموش ہو رہے۔ کچھ دیر بعد بعد وہاں سے اٹھ کر اپنی جائے قیام پر چلے آئے طبیعتیں کچھ سُست ہوگئی تھیں۔ گھر آنے پر میرے محترم ساتھی نے فرمایا کہ کہ کل ارغندہ کی سیر کے بعد ہمارا خیال حضرت بابا ولی صاحبؒ کی زیارت کا تھا اور زیارت نہ کر کے راستہ ہی سے واپس آگئے یہ اچھا نہ کیا میں نے کہا بسم اللہ ابھی چلئے بہت اچھی بات ہے زیارت کر لیں دل میں شک نہ لائیں۔

چنانچہ ایک ٹانگہ پانچ روپیہ افغانی پر لے کر نکل کھڑے ہوئے آپ کا مزار قندھار سے جانبِ شمال وغرب پانچ میل پر ہے آپ کا سن وفات آٹھ سو سال سے اونچا ہے مزار کے پاس ایک بڑی خانقاہ ہے جو خوبصورت بھی ہے۔ یہ مقام بہت سرسبز او رشاداب ہے کثرت سے نہریں بہتی ہیں جدھر دیکھو باغ ہی باغ نظر آتے ہیں درختوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ اگر تل اوپر سے پھینکی جائے تو درختوں میں سے زمین پر نہ آسکے گی درخت قسم قسم کے میوؤں کے ہیں۔ مثلاً سیب، انگور، زرد آلو، شہتوت، انار وغیرہ۔ زیارت کے بعد گھر لوٹے راستہ میں قندھار کا برقی پاور ہاؤز ہے یہیں سے برقی تیار ہو کر شہر یں آتی ہے چھوٹا سا کارخانہ ہے جو شہر کے لئے کافی ہے۔ شام کے چار بجے مدیرِ خارجہ صاحب سے ملنا تھا تا کہ جانے کے متعلق تصفیہ ہو جائے وقت پر گئے معلوم ہوا ابھی کوئی جواب نہیں آیا ممکن ہے آج موٹر نہ جاسکے گی۔

بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ اگر سامان مل جائے تو ایک ایک دن میں دو دو چار چار موٹریں نکلا کرتی ہیں ورنہ ایک بھی نہیں یہ سامان کی فراہمی پر موقوف ہے۔ اب تو ہماری پریشانی میں اضافہ ہوگیا آخر یہاں کب تک ٹھیرے رہیں کچھ کر دھر نہیں سکتے تھے موٹروں کا جانا ہمارے ہاتھ میں تو نہیں تھا خیال ہوا کہ خود ہی چل کر رئیسِ حمل ونقل سے ملیں اور دریافت کریں چنانچہ وہاں سے اُٹھ کر سیدھے معشوق گیا رتیج گئے رئیس حمل ونقل یہیں رہتے ہیں اُن سے ملاقات ہوئی۔ موٹر کے متعلق دریافت کیا اُنہوں نے کہا کہ انشاء اللہ ایک موٹر رات نو بجے یہاں سے

نکلے گی اگر وہ موٹر آج نکلی تو آدمی کو روانہ کر کے آپ کو بلالیں گے آپ تیار رہیئے میں نے سن کر کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے ہم خود آٹھ بجے تک یہاں آ جائیں گے رئیس حمل ونقل نے کہا کہ تب چلے آئیے۔ اس بات پر مجھے شک گزرا کہ ہم کیوں نہ آئیں آدمی کیوں ہمارے پاس آئے۔ ابھی ابھی مدیر صاحب نے کہا کہ انتظام نہیں ہوا ہے کوئی اطلاع نہیں آئی اور اب یہ کہتے ہیں کہ موٹر جائے گی تو ہم بلالیں گے۔ ان باتوں سے میرے دل میں شکوک پیدا ہوئے اور میں کشمکش میں پڑ گیا اب کر کیا سکتے تھے گھر واپس جانا پڑا کچھ دیر گھر پر بیٹھے ہی ہوں گے کہ مدیر خارجہ کے پاس سے چپراسی آیا اور ساتھ ہی وہ خط بھی لایا جو گورنر صاحب قندھار نے ہم کو دیا تھا اور یہ کہا کہ آج موٹر جائے گی آپ لوگ آٹھ بجے تشریف لائیں اب تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جلد جلد کھانے سے فارغ ہو کر مغرب کی نماز کے ساتھ ہی گھر سے نکل پڑے اور معشوق گیارتج پر ٹھیک آٹھ بجے پہنچ گئے۔

روانگی از قندھار جانب فرہ : موٹر کا کرایہ طے ہو چکا تھا ہمارے پہنچنے کے ساتھ ہی ہمارا سامان موٹر پر چڑھا دیا گیا اور پہلے ہی سے اندرونی حصہ میں دو آدمیوں کے لئے خاص طور پر جگہ بنائی گئی تھی تا کہ کچھ آرام ملے اور ان موٹر والوں کو حکومت کی جانب سے راستہ کے آرام و آسائش کے متعلق بہت کچھ ہدایات بھی ہوئیں۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب بھی ساتھ تھے گاڑی روانہ ہونے پر ہم کو خدا حافظ کہا اور وہ اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ یہاں سے موٹر سب سے پہلے حاجی طیب علی صاحب کی سرائے کو جاتی ہے یہ سرائے شہر قندھار کے غربی جانب شہر کی فصیل سے باہر ہے۔ اس سرائے میں پولیس کی جانب سے مال اور مسافروں کی دیکھ بھال ہو تی ہے چنانچہ ہمارے پاسپورٹس دیکھے گئے بعد تحقیق ہم کو باہر جانے کی اجازت کا ٹکٹ دیا گیا یہاں یہ قاعدہ ہے کہ مسافروں سے فی کس ایک روپیہ افغانی محصول لیا جاتا ہے تب کہیں باہر جانے کا ٹکٹ ملتا ہے لیکن ہم سے محصول وغیرہ نہیں لیا گیا پاسپورٹس اور خطوط دیکھ کر ہی ٹکٹ

دیدیا گیا کوئی آدھے گھنٹے میں موٹر کو جانے کی اجازت مل گئی۔ یہاں سے نکل کر دو میل طے کئے ہوں گے ارغندہ کی بستی میں پولیس ناکہ ملا وہاں بھی مسافروں کی اور ٹکٹوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ دیکھا یہ کرتے ہیں کہ ٹکٹوں کے برابر مسافر ہیں یا زائد ہیں پھر ہر ٹکٹ پر انسپکٹر صاحب اپنے دستخط ثبت کرتے ہیں۔ وہاں بھی تقریباً پندرہ منٹ ٹھیرنا پڑا اب یہاں سے جو نکلے تو رات میں ڈھائی بجے **کشک نخود** پہونچے یہاں پر ہمارے ڈرائیور صاحب نے رات کا کھانا کھایا اور ہم نے وہاں چائے پی اس وقت سردی ہورہی تھی چائے کا بڑا لطف آیا پھر یہاں سے جو نکلے تو چار بجے ''**نج چال**'' پہونچے یہاں ڈرائیور نے گاڑی ٹھیرادی اور کہا کہ دریائے ہلمند یہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے اب یہاں ذرا آرام کر لیجئے صبح نماز کے بعد یہاں سے نکلیں گے ہم نے بھی یہی مناسب سمجھا اسی کو غنیمت جان کر اُتر گئے۔ رات بھر ہُشیار، رہے سردی زیادہ تھی ساتھی مسافر ادھر ادھر میدان میں لیٹے رہے اور ہمارے ڈرائیور صاحب بھی ایک نہر کے کنارے لیٹ گئے میں ساتھی حضرات موٹر ہی میں لیٹے رہے سردی کے خوف سے نہیں اُترے لیکن مجھے موٹر میں اتنی جگہ نہیں ملی کہ میں بھی لیٹ سکوں اس لئے کھلے میدان میں رات بسر کرنی پڑی صبح کو نماز کے وقت مجھے اُٹھایا گیا تو نہ اُٹھ سکا سردی سے جسم اکڑ گیا تھا دانت سے دانت بج رہے تھے میرا گرم لباس بستر میں بند تھا اُس کے نہ ہونے سے بڑی تکلیف ہوئی نہر کے کنارے ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی اتفاق سے اُن لوگوں نے آگ سلگا رکھی تھی۔ میں آگ تک بھی اُٹھ کر نہ جاسکا لیکن سہارے سے وہاں پہنچایا گیا۔ کچھ دیر آگ تاپنے کے بعد میرے جسم میں حرارت پیدا ہوئی تب کہیں چل کر انسان بنا نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے موٹر نکلی تقریباً پون گھنٹہ میں دریائے ہلمند پر پہنچ گئے صبح کے سات بجے تھے آفتاب طلوع ہو رہا تھا اس وقت دریا کا نظارہ کچھ ایسا دل فریب تھا کہ اس کی یاد اب بھی تڑپا دیتی ہے یہ دریا علاقۂ افغانستان میں سب سے بڑا ہے اور ہندوستان کے دریا گنگا جمنا کے مقابلے کا دریا ہے

باوجود موسم گرم ہونے کے اب بھی دریا کے پانی کا پھیلاؤ ڈھائی سو گز تھا دریا کی چوڑائی ایک میل سے زیادہ ہے اس دریا پر پُل تعمیر کیا جا رہا ہے معلوم ہوا کہ سات سال سے پُل کی تعمیر ہو رہی ہے اب تک سڑسٹھ (۶۷) خانے تیار ہو چکے ہیں۔ ابھی اُنتالیس (۳۹) خانے باقی ہیں ممکن ہے دو ڈھائی سال کے اندر تیار ہو جائیں گے۔ بالفعل موٹروں کو کشتیوں کے پُل پر سے پار کرایا جاتا ہے یعنی چھ بڑی بڑی کشتیاں ایک دوسرے سے متصل اور مضبوط باندھی جاتی ہیں اِن کشتیوں پر بڑے بڑے لکڑی کے کُندے آڑے اور کھڑے جما دیئے جاتے ہیں اور پھران پر پٹی بچھا کر گھانس پھونس کوڑا کرکٹ ڈال کر راستہ بنایا جاتا ہے موٹر دریا کے کنارے آنے پر اس کا پورا سامان اور سواریاں اتار دی جاتی ہیں حکومت کی جانب سے پچاس آدمی متعین ہیں جن کا کام اُن موٹروں کو پار کرانا ہے موٹر خالی ہونے کے بعد اس کے سامنے بیم پر ایک موٹے رسّہ سے باندھ دیا جاتا ہے اور موٹر کو چالو کر کے ان کشتیوں کے پُل پر سے لے جاتے ہیں اور وہ پچاس آدمی سامنے سے رسّہ کو کھینچتے ہیں اس طرح موٹر خود اپنی پوری قوت اور ان آدمیوں کی طاقت سے بدقّت کوئی آدھے گھنٹے میں ڈھائی سو گز کا راستہ طے کرتی ہے موٹر پار ہونے کے بعد عارضی کشتیوں کا راستہ خراب ہو جاتا ہے اس کو دوبارہ درست کر لیتے ہیں تا کہ دوسرے آنے جانے والی موٹریں پار ہو سکیں۔ یہ دریائی راستہ طے کرنے کے فی موٹر پچاس روپیہ افغانی مقرر ہیں موٹر کے دریا پار ہونے کے بعد کل سامان وہی لوگ سروں پر اٹھا کر لاتے ہیں اور اس طرح موٹر میں یہ سامان دوبارہ لادا جاتا ہے۔ اس حمل ونقل میں تین گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔ کافی مہلت ہونے کی وجہ سے ہم نے بھی دریا کی خوب سیر کی اس دریا کے پتھر گول سڈول ہیں اور بہت صاف ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ چاقو چھریاں تیز کرنے کا پتھر بھی اس دریا میں وافر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس فرصت کے وقت میرے ساتھیوں نے بہت سے پتھر جمع کر لئے۔ کوئی دس بجے ہوں گے کہ موٹر دریا کے کنارے سے روانہ ہوئی۔

وَرُود بہ گرشک : گرشک دریا سے ایک میل پر ہے بہت ہی سرسبز اور شاداب مقام ہے گرشک کے مغربی جانب گاؤں کے باہر موٹروں کے ٹھیرنے کا مقام ہے اس رباط میں ایک قہوہ خانہ ہے دس بج چکے تھے بھوک بہت لگ رہی تھی اُترتے ہی مالکِ ہوٹل سے دریافت کیا گیا کہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی ملیں گی معلوم ہوا کہ صرف چائے مل سکتی ہے کھانا فرمائش پر تیار کیا جاتا ہے یہ سنتے ہی ہم پر سنّاٹا چھا گیا بعض ساتھی مسافروں نے ہماری اُس وقت بڑی مدد کی یعنی اپنی روٹیوں میں سے ایک ایک روٹی ہر ایک کو دی اور کہا کہ چائے کے ساتھ کھالو پھر کھانا بھی تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ دم میں دم آیا کھانا تیار ہونے میں کچھ دیر تھی اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ حضرت سید محمد صاحب تاجدارؒ کی زیارت سے فارغ ہولیں چنانچہ ہم زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ ساتھ کلینر کو رکھ لیا کلینر کا نام نور محمد تھا تھوڑی بہت اردو بھی بول سکتا تھا۔ حضرت کا مزار گرشک سے جانبِ مشرق دریائے ہلمند کے بالکل کنارے واقع ہے مزار مبارک چھوٹا سا گنبد ہے اطراف واکناف باغات ہیں زیارت سے مشرف ہونے کے بعد کچھ دیر سُستانے کے لئے بیٹھ گئے اور وہاں کے بوڑھے مجاور سے باتیں ہونے لگیں اثنائے گفتگو میں مجاور نے کہا کہ حضرت کا روضہ مبارک ایک سید نے جو ہندوستان سے آئے تھے بنوایا ہے تو پھر حضرت حاجی میاں صاحب قبلہ سے تفصیل معلوم ہوئی کہ حضرت سید یحیٰ عرف خواجہ زادے میاں صاحب اہلِ پنگوڑی نے حضرت سید محمد صاحب تاجدارؒ کے مزار کو سیدنا وامامنا مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرقد سمجھ کر بنوایا تھا لیکن جب ہندوستان کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ وہ مرقد حضرت امامناؑ کا نہیں تھا بلکہ سید محمد تاجدارؒ کا ہے اور حضرت کا مرقد فرہ میں سید محمد آقا کے نام سے موسوم ہے۔ تو پھر دوبارہ روضہ مبارک کی تعمیر کے خیال سے فرہ تشریف لائے اور یہاں آکر دیکھا تو روضۂ مبارک تعمیر شدہ تھا زیارت کے بعد واپس ہوگئے۔ یہ تھا جذبۂ دینی اور شوق اُن بزرگوں کا۔

غرض کہ ہم کو سید محمد تاجدار کی زیارت کے بعد رباط واپس آئے کھانا تیار تھا بھوک بھی خوب لگی تھی سیر ہو کر کھایا اور سُو گئے ظہر کے وقت اُٹھے نماز سے فارغ ہو کر وہاں کا ایک چھوٹا سا بازار دیکھا گرشک میں حکومت کی جانب سے مسافر خانہ اور یونانی دواخانہ تیار ہوا ہے۔ ابھی لوگ اس مسافر خانہ میں اترتے نہیں ہیں معلوم ہوا کہ کرایہ بہت زیادہ ہے البتہ بعض انگریز سیاح جو اس راستہ سے گذرتے ہیں اترا کرتے ہیں یہ مسافر خانہ بستی کے ابتدائی حصہ میں دریا کے مقابل واقع ہے مسافر خانہ کے قریب سے ایک بڑی نہر بہتی ہے جس کی مدد سے ہماری رباط سے متصل ایک پن چکی جو بالکل سیدھے سادھے اصول پر بنی ہوئی ہے چلا کرتی ہے۔ یہ پن چکی حقیقت میں قابل دید ہے اس کو دیکھتے ہی بے اختیار محمد اسماعیل صاحب میرٹھی کی وہ نظم یاد آ گئی جس کا شعر یہ ہے۔

نہر پر چل رہی ہے پن چکی
دُھن کی پوری ہے کام کی پکی

گرشک سے دلارام جانے کے لئے راستہ خراب ہونے کی وجہ سے خیال ہوا کہ عصر کے وقت ہی یہاں سے نکل جانا چاہئے چنانچہ عصر کی نماز پڑھ کر موٹر میں سوار ہوئے۔

روانگی از گرشک: گرشک سے دلارام کا فاصلہ پچھتر میل ہے اس تمام راستہ میں گرشک سے چالیس میل بعد صرف ایک مقام پر پانی ہے ایک چھوٹی سی نہر پہاڑوں میں سے گذری ہے یہاں رات کے دس بجے پہنچے یہیں رات کا کھانا کھایا اور عشاء کی نماز پڑھی اب یہاں سے راستہ بہت خراب ہے اکثر پہاڑوں کے دَرّوں میں اور چوٹیوں پر سے گذرا ہے بعض مقامات پر مسافروں کو اتار دیا جاتا ہے یہ راستے بہت خطرناک ہیں رات کے ہونے کی وجہ سے یہ خوفناک راستہ صاف طور پر دکھائی نہیں دیتا تھا اس لئے ہم کو زیادہ خوف محسوس

نہیں ہوا اگر دن کا وقت ہوتا تو راستہ کا بھیانک پن اور پہاڑوں کی ہیبت ناک بلندیاں ہماری وحشت کا باعث ہوتیں ایک مقام پر موٹر کے راستہ سے متصل چند قبریں دکھائی دیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس سنسان میدان میں جہاں پورے پچھتر میل کے رقبہ میں کہیں بھی آبادی کا نام ونشان نہیں یہ قبریں کیسی چنانچہ میں نے موٹر ڈرائیور سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آج سے دو ڈھائی سال پہلے ایک موٹر اس راستہ میں خراب ہوگئی تھی ان کے ساتھ کچھ سامان وغیرہ زیادہ نہ تھا وہ لوگ کسی دوسری موٹر کے انتظار میں دو روز ٹھیرے رہے موٹر میں جو پانی ساتھ تھا اسی پر گذارا کیا جب پانی ختم ہو چکا تو یہ لوگ پانی کی تلاش میں نکلے اور انہی پہاڑوں میں پانی کی تلاش میں پھر پھر کر اٹھارہ آدمی شہید ہو گئے یہ بھی ایک اتفاقی بات تھی کہ ان دنوں نہ گرشک سے کوئی موٹر دلارام کی سمت گئی نہ دلارام سے کوئی موٹر گرشک کی طرف گذری آٹھ دس روز کے بعد جب ایک موٹر اِدھر سے گذری تو یہ لاشیں اُن کو نظر آئیں۔اسی جگہ پر اُن لاشوں کو جمع کر کے دفن کر دیا گیا اب غور کیجئے کہ گرشک سے دِلارام تک راستہ کی کیا حالت ہو گی یہ واقعہ سُن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وَرُود بـــــہ دِلارام : خدا کو منظور تھا کہ ہم بخیر وخوبی دِلارام کو رات کے ایک بجے پہونچے ابھی رات زیادہ تھی ہمارے ڈرائیور صاحب کا خیال ہوا کہ یہاں سے پٹرول وغیرہ لے کر ابھی نکل جائیں گے۔خدا نے چاہا تو صبح کے دس، گیارہ بجے تک فرہ پہنچ جائیں گے۔چنانچہ پٹرول وغیرہ لے لیا گیا اور دِلارام سے موٹر کوئی دیڑھ بجے رات میں نکلی دِلارام سے کوئی دس میل ہی گئے ہوں گے کہ اتفاق سے پچھلے ٹائیروں میں سے ایک ٹائر میں سوراخ ہو گیا ،موٹر رُک گئی ڈرائیور نے کہا کہ کوئی زائد ٹائر یا ٹیوب بھی ساتھ نہیں۔خیال تھا کہ گاڑی میں ہوگا لیکن قندھار میں رہ گیا یہ سُن کر ہمارے ہوش اُڑ گئے۔

غور کیجئے گا موٹر سر سے پاؤں تک لدی ہوئی ہے، راستہ کی یہ حالت ہے اور ان ڈرائیوروں اور مالکانِ موٹر کی یہ کیفیت کچھ دیر ہم سکتے کے عالم میں رہے ڈرائیور نے کہا ''آپ لوگ اگر ساتھ نہ ہوتے تو میں گاڑی کو ایک قدم بھی یہاں سے ہٹا نہیں سکتا، لیکن آپ لوگوں کے لئے ہم کو بہت کچھ تاکید ہوئی ہے۔ لہٰذا میں دِلا رام کو جو یہاں سے دس میل ہے واپس چلتا ہوں وہاں چل کر ٹھیریں گے صبح کو ذریعہ ٹیلیفون فرہ یا گرشک سے مدد طلب کریں گے۔ چنانچہ موٹر وہاں سے دلارام لائی گئی تین بج چکے تھے دلارام کی رباط کو واپس آئے یہ رباط بڑی ہے ہم بھی ایک حجرے کے سامنے اپنے اپنے بستر کھول کر لیٹ رہے۔ لیکن نیند کہاں دل میں تو موٹر کے خیال سے ہیبت اور پریشانی تھی کروٹیں بدلتے ہی بدلتے صبح ہوگئی۔ اُٹھ کر حوائجِ ضروری سے فارغ ہوئے نماز پڑھی اب ناشتہ وغیرہ کی فکر ہوئی معلوم ہوا کہ یہاں کوئی بستی قریب نہیں ہے صرف رباط ہے بستی یہاں سے سات میل کے فاصلے پر ہے۔ رباط میں ایک قہوہ خانہ ہے جس میں صرف چائے مل سکتی ہے کھانا وغیرہ کچھ نہیں ملتا یہ اب دوسری فکر پیدا ہوگئی تمام دن یہاں سے ہل نہیں سکتے اسی فکر میں تھے کہ وہی مسافروں نے اپنا اپنا توشہ کھولا اور روٹیاں پیش کیں چائے تو مل سکتی تھی اس کو غنیمت سمجھا اور ناشتہ کیا ہمارے ڈرائیور صاحب نے صبح نو بجے فرہ کو ٹیلیفون کیا اور حالت بیان کی اور ٹیوب بھی طلب کیا تائیدِ ایزدی کہنا چاہئے کہ وہاں سے یہ جواب آیا آج ہی ایک موٹر یہاں آئی ہے جو رات کو قندھار روانہ ہوگی اس کے ذریعہ ٹیوب روانہ کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر ہم کو بڑی خوشی ہوئی۔

ہمارے ڈرائیور نے نہ معلوم کہاں سے تھوڑے سے چاول پیدا کئے اور ایک مرغ لایا۔ ہوٹل والے سے کہا کہ پکا دو اس نے کہا چاول تو پک جائیں گے لیکن سالن کے لئے سوائے نمک کے کوئی مصالحہ یا گھی وغیرہ نہیں ہے پانی ہی میں مرغ اُبال لینا اسی کو ہم نے غنیمت سمجھا بس اس طرح تمام دن کام چلا۔ دلارام کی رباط بڑی اچھی جگہ واقع ہے اس رباط کے نیچے

رودِ خاش بہتی ہے اس ندی پر بھی پُل تیار ہو رہا ہے۔پُل کا کام قریب الختم ہے اس پل کے کنارے بھی سرکاری مسافر خانہ تیار کیا گیا ہے بہت پُر فضا مقام ہے ۔واقعی حضرت امامنا مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ شعر حقیقت پر مبنی ہے ۔

ہر کہ دِل آرام دید از دِلش آرام رفت

باز نیاید پدید ہر کہ دریں دام رفت

دلارام کی رباط سے دو فرلانگ پر ایک چار دیواری میں دو قبریں ہیں جن میں ایک مردانی اور دوسری زنانی ۔ یہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ دونوں میاں بیوی عاشق و معشوق اور صاحبِ دل تھے اُن کا سن وفات ایک ہزار سال سے اونچا بتایا جاتا ہے شوہر کا نام گُل شاہ خاں شہید اور بیوی کا نام بی بو شہید تھا اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر ان قبور پر مقبرہ بنایا جائے تو ٹھیر نہیں سکتا گر پڑتا ہے جب کبھی کوئی گنبد بنایا گیا گر پڑا اطراف صرف دیوار کھڑی کردی گئی ہے ۔لوگوں کا یہ بھی بیان ہے جو مسافر بھی ادھر سے گذرے اُس کو ان کی زیارت ضرور کرنی چاہیئے ورنہ وہ شخص ہرگز اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا اس خیال سے عصر کی نماز کے بعد ہم نے بھی وہاں جا کر زیارت کی ۔زیارت کے بعد جب واپس ہوئے تو مغرب ہو چکی تھی نماز کے بعد میں رباط کے باہر نکلا تا کہ ندی کی سیر کروں ندی میں دیکھا جابجا آگ کے چولھے لگے ہوئے ہیں خیال ہوا کہ چل کر ان غریبوں کی طرزِ معیشت بھی دیکھ لوں چنانچہ رباط سے نکل کر ندی میں اُترا کیونکہ رباط سے کوئی ایک فرلانگ نشیب میں پہاڑ کے دامن میں یہ ندی **رودِ خـــاش** واقع ہے۔دیکھا کہ ہر ایک مزدور ندی کے کنارے اپنا اپنا چولھا لگائے ہوئے ہے۔ان لوگوں کے پکانے کی بھی عجیب ترکیب ہے ہر شخص ایک چھوٹا سا گڑھا بنالیتا ہے اور اُونٹوں کی مینگنیوں یا ندی کے کنارے جو جھاڑ جھنگاڑ ہوتے ہیں اُن ہی ہیں کے سوکھے تکڑوں سے آگ سلگائی جاتی ہے ایک سیر یا دو سیر وزنی گول پتھر لے کر اس گڑھے کی سلگی ہوئی آگ

میں رکھ دیا جاتا ہے اور گیہوں کے آٹے کو بھگو لینے کے بعد ہتھیلیوں سے تھپ تھپا کر روٹی بنائی جاتی ہے پھر اس گڑھے والے گرم پتھر پر اس بنائی ہوئی روٹی کو پتھر کے اطراف لپیٹ دیا جاتا ہے اس طرح پتھر کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا پھر پتھر کو آگ میں رکھ دیا جاتا ہے تھوڑی دیر میں جب روٹی پک جاتی ہے تو گڑھے میں سے اُس پتھر کو نکال لیا جاتا ہے اور روٹی کو اس سے الگ کرلیا جاتا ہے یہ غریب مزدور اسی روٹی کو چبا چبا کر پانی پی لیتے ہیں کبھی انہیں سالن کی صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی یہ ہے ان غریبوں کی زندگی جب میں نے ان کے حالات پر غور کیا تو مجھے اپنے نفس پر بہت ملامت کرنا پڑا اس لئے صرف آج ہی ایک روز اتفاقاً ہم کو دلارام ٹھیرنا پڑا اور ہمارے حسبِ خواہش کھانا نہیں ملا تو ہم کو غیر معمولی پریشانی اور تکلیف محسوس ہوئی خیال کیجئے آفریں ہے ان لوگوں پر کہ روکھی پھیکی روٹی چبا کر اپنے دن کاٹ لیتے ہیں مجھے اپنی زندگی کا مقابلہ ان کی زندگی کے ساتھ کر کے نہایت شرمندگی ہوئی۔ دلارام کی رباط میں کوئی چیز نہیں ملتی، حتیٰ کہ چراغ کی روشنی تک نظر نہیں آتی سبب یہ ہے کہ رباط بالکل جنگل میں واقع ہے کوئی آبادی قریب میں نہیں ہے البتہ رباط سے قریب **کوہِ درد** ہے صرف نام ہی سے اس کا حال ظاہر ہے ممکن ہے کہ یہ پہلے خوفناک مقام ہو۔ لیکن اب تو ایسا نہیں رہا پھر بھی قافلہ **کوہِ درد** پار کرنے تک خائف رہتے ہیں رات کو ہم اچھی طرح سو گئے امید تو تھی کہ رات ہی کو فرہ سے موٹر آجائے گی اور اس موٹر میں ہماری موٹر کا ٹیوب بھی آجائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا رات کے دو بجے موٹر آئی اور اس موٹر میں ہماری موٹر کا ٹیوب آیا ہمارے ڈرائیور اور کلینز تو انتظار میں تھے ہی ٹیوب آتے ہی کام شروع ہو گیا میں نے بھی ان کی کچھ مدد کی تقریباً پون گھنٹہ میں موٹر تیار ہو گئی اور دلارام سے ہم نے جانب فرہ کوچ کیا دلارام سے فرہ اسّی میل کے فاصلے پر ہے۔

روانگی بجانب فرہ: دلارام سے تیس میل پر راستہ میں ایک نہر ہے وہاں صبح

کی نماز پڑھی نہر کے کنارے ایک چھوٹا سا قریہ جس کا نام **سیاہ بابا** ہے۔اب یہاں سے پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہو جاتی ہے راستہ حد درجہ خوفناک اور دشوار گذار ہے اکثر دفعہ موٹر سے اُتر جانا پڑتا ہے۔دو، دو، تین، تین میل ان پہاڑوں کی چڑھائی پر پیدل چلنا پڑا۔خدا کا بہت بڑا فضل کہنا چاہیئے کہ جو موٹر یہاں سے پار بھی ہوا کرتی ہے۔یہ خطرناک راستہ **خـــر مالک** تک رہتا ہے۔خرمالک کے بعد راستہ صاف اور کھلے میدان سے گذرتا ہے۔

وُرُود بہ فرہ مبارک : دن کے ٹھیک گیارہ بجے فرہ کی گمرک (چنگی) میں پہنچے موٹر سے اترنے کے بعد گمرک کے ایک کونے میں قیام کیا سب سے پہلے کمرے کے سامنے بہنے والی نہر میں ہاتھ مُنہ دھو کر ناشتہ سے فارغ ہوئے یہاں ہوٹل بھی ہیں ہم نے اپنے موٹر ڈرائیور کو ساتھ لے کر مدیر خارجہ سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے سیدھے ان کے دفتر میں پہنچے صاحبِ موصوف دفتر ہی میں تشریف رکھتے تھے ہم نے ان سے ملاقات کی اور ان کے نام جو تعارفی خط ہمارے پاس تھے انہیں دیئے۔فرہ کے حاکم اعلیٰ کے نام کا خط بھی ان ہی کو دیدیا خطوط دیکھتے ہی وہ بہت محبت سے پیش آئے سب سے پہلے اپنے دفتر سے آدمی کو بھیج کر محکمۂ زراعت کے دفتر میں وہ حصّہ جو خاص مہمانوں کے لئے مختص ہے ہمارے لئے صاف کروادیا اور ساتھ ہی ہمارا سامان اُن ہی چپراسیوں کے ذریعہ گمرک سے منگوالیا اور ہم کو سرکاری مکان میں رہنے کی اجازت دی گئی اور ساتھ ہی ہمارے کھانے پینے کی نسبت دریافت کیا میں نے کہا موٹر سے اترتے ہی ہم نے ناشتہ کرلیا ہے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں البتہ آج جمعرات کا دن ہے،ہم چاہتے ہیں کہ اسی وقت حضرت کی زیارت کو چلے جائیں آپ صرف ہمارے جانے کا انتظام کرادیجئے۔مدیر صاحب نے اسی وقت چپراسیوں کو بلا کر سواروں کے پاس روانہ کیا یہ کہہ کر کہ چھ گھوڑے زین لگا کر فوراً لائیں کوئی آدھے گھنٹے میں گھوڑے آ گئے۔پھولوں کی نسبت دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں پھول نہیں ہیں البتہ سرکاری مکان میں کچھ انگریزی

پھولوں کے پودے ہیں مالی سے کہہ کر پھولوں کے دو دستے منگوائے گئے۔

روانگی بجانب روضۂ مبارک : پھول لے کر ہم وہاں سے گھوڑوں پر نکل پڑے۔ ہمارے ساتھ تین جوان گھوڑوں پر تھے صوبہ فرہ کی بستی پہلے صرف قلعہ میں محصور تھی اب قلعہ کے باہر جنوبی حصّہ میں آبادی ہو چلی ہے تمام سرکاری مکانات دفاتر اور بازار وغیرہ باہر ہی ہیں قلعہ بالکل ویران ہے روضۂ مبارک کا راستہ قلعہ کے باز و مغربی جانب سے گذرتا ہے قلعہ پار ہونے کے بعد **رود فرہ** کے بعد ایک قریہ آتا ہے جس کا نام **کاسکن** ہے۔کاسکن پار ہونے کے بعد کوئی ڈیڑھ میل پر ایک اور قریہ آتا ہے جس کا نام **قیتوان** ہے۔قیتوان سے ایک میل کے بعد روضہ کے نام سے آٹھ دس گھر کی آبادی ہے۔اُس آبادی کے مغربی حصّہ میں بستی سے الگ باغات کے درمیان روضۂ مطہر ہے۔

حاضری بحضور اقدس و اعلیٰ حضرت امامنا سید محمد مہدی الموعودعلیہ الصَّلوٰۃ والسَّلام : فرہ مبارک، جس کو خاتمِ ولایتِ محمدیہ میراں سید محمد مہدی الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آرام گاہ ہونے کا شرف فخر حاصل ہے۔اس بارگاہِ عالی میں جس پر ایک جبروتی وقار اور لاہوتی دبدبہ برس رہا تھا، پہونچنے کے بعد جو تاثرات میرے دل میں پیدا ہوئے ان کی کیفیت مِن وعَن بیان نہیں ہوسکتی۔خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس برگزیدہ ہستی کی آستان بوسی کا ایک مدّت سے شوق تھا اور جس تک ہم سفر کی صعوبت خیز منزلیں طے کرتے ہوئے پہونچے تھے وہ اب ہمارے سامنے تھا اب ہم اس دربارِ ولایت میں باریاب تھے جس کے دبدبے نے بارعب وجلال گورنرِ فرہ ارغون بیگ کو مجلس کے سب سے آخری حصّہ میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا اب ہم اُس آستانِ رشادت پر جبین سائی کے لئے حاضر تھے جو تا ابد بوسہ گاہِ ملائک رہے گی۔اب ہم اس شہنشاہِ روحانیت کے مشکوئے معلّیٰ کے سایہ میں ایستادہ تھے جو سر کی آنکھوں سے خدا کو دیکھتا اور دکھاتا تھا جو معرفتِ الٰہی کے

عقیدت مندوں کوایک ہی نظر میں حل کر دیا کرتا تھا۔جس نے گجرات کے ایک طالبِ صادق کو ایک ہی نظر میں فنائیت کے انتہائی درجہ تک پہونچا دیا تھا میں دنیا و مافیہا سے بے خبران تاثرات کو لئے ہوئے جن کی تلقین کے لئے اُس گنبد میں آرام فرمانے والا دنیا میں جلوہ فرما تھا آہستہ آہستہ ایک پُر کیف عالم میں قدم اُٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا روضہ کے اطراف دور دور تک ایک ایسا پُرسکون عالم نظر آتا تھا گویا رحمتِ خداوندی کا سایہ پھیلا ہوا ہے غور سے دیکھنے پر یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ روضۂ مطہرہ کے قرب و جوار کا ذرّہ ذرّہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے غرض کہ دل پر ایسی اطمینان کی کیفیت طاری تھی جو اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ میں اپنے ساتھیوں کی بھی یہی حالت دیکھ رہا تھا جو مجھ پر طاری تھی۔غرض کہ ہم وہاں اپنی دُنیاوی ہستی کو بھولے ہوئے ایک اور بےخودی کے عالم میں موجود تھے۔نظروں کے روبرو وہ فلکِ مرتبت گنبد تھا جو زبان حال سے قومِ مہدویہ کی تقریباً پانچ سو برس پہلے کی تاریخ بیان کر رہا تھا اُس وقت کے تاثرات و، واردات کو پورے طور پر بیان کرنا باعثِ طوالت ہوگا' اس لئے اب میں گنبد مبارک سے شمال مغربی حصّہ میں دو حجرے اور ایک مسقّف حوض ہے جس کا پانی اچھی حالت میں نہیں ہے۔ پہلے جس وقت نہر جاری تھی پانی صاف اور شفاف تھا اب نہر کے سوکھ جانیکی وجہ پانی مکدّر ہو گیا ہے مذکورہ صدر حجروں میں ہم نے قیام کیا ہمارے آنے کی اطلاع ہوتے ہی بستی کے لوگ ہم سے ملنے کے لئے آئے جن میں عبدالحکیم نامی ایک نہایت سن رسیدہ بزرگ بھی تھے،جن کا تعارف اس جماعت سے بھی ہوا تھا جو آج سے اٹھارہ بیس سال قبل یہاں آئی تھی روضۂ مبارک کی حالت بہت کچھ ترمیم طلب ہے خصوصاً بیرونی حصّہ میں دیواروں کی حالت تو بہت ہی خراب ہے گچ وغیرہ بہت کچھ نکل گئی ہے اینٹیں نظر آرہی ہیں حصّہ میں جا بجا دراڑیں پیدا ہوگئی ہیں بعض بعض جگہ سے تو اینٹیں گر رہی ہیں خصوصاً باب الداخلہ (جو بڑا دروازہ یا کمان ہے)اس قدر جھگ گیا ہے کہ نہ معلوم کب گر پڑے گا۔غرض کہ حالت بہت نازک ہے۔

گنبدِ مبارک کے اطراف ایک چھوٹی سی چہار دیواری ہے جو تقریباً سو گز ہوگی۔ دیوار کے باہر مغربی حصّہ میں ایک چھوٹا سا کنواں ہے جس کا پانی استعمال میں آتا ہے بعد نمازِ ظہر ہم آستان بوسی کے لئے مودبانہ گنبدِ مبارک میں حاضر ہوئے اس وقت کا عالم حیطۂ بیان سے باہر ہے اس نورانی مزار پر جس پر سے سینکڑوں سطوتیں ہزاروں جلالتیں لاکھوں دبدبے تصدق ہو رہے تھے جس پر رحمتِ خداوندِ دوجہاں کی سرمدی برکتیں حلقہ کئے ہوئے تھیں نظر پڑتے ہی وفورِ مسرت و فرطِ عقیدت سے خود بخود آنسو جاری ہوگئے قلب رجوع الی اللہ ہوگئے اور زبان سے بے اختیار السّلام یا امام آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن کے الفاظ نکل پڑے ہم نے عالمِ خشوع و خضوع کے ساتھ فاتحہ پڑھی اُس خاکِ آستاں کو جس پر کحل مازاغ البصر کی صفت صادق آتی ہے آنکھوں سے لگایا اُس دہلیز پر جبین فرسائی کی جس سے نجاتِ اُخروی ہمکنار ہو رہی تھی فقیر مؤدب ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور یہ کلمات زبان سے ادا ہو رہے تھے ''عارفوں کے شہنشاہ' محققین کے مقتدا' اوَلیا کے مقتدا' اوَلیا کے سردار' ملکِ طریقت کے تاجدار' حقائقِ محمد کو زندہ کرنے والے' حقائق القرآن کے شارح' ولایتِ محمدیہ کے خاتم' گنجینۂ عرفان کے خازن مہدیٔ موعود میں آپ کے قدموں کے پاس حاضر ہوا ہوں قوم کی طرف سے آپ کی خدمتِ اقدس میں سلام پہنچانے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ ہم آپ ہی کے نام لیوا ہیں۔ لیکن عمل سے بے بہرہ ہیں خدا سے دعا فرمایئے کہ خدائے عزّ وجل ہمیں توفیق عطا فرمائے ہم نام کے مہدوی ہیں ہم میں وہ صفات مفقود ہیں جو ایک مہدوی میں ہونا چاہیئے آپ کے زمانے کا مہدوی متوکّل' مہاجر' ذاکر و شاغل' خدا بیں عزلت گزیں' صادقوں کی صحبت میں زندگی بسر کرنے والا تھا مگر آج کل کا مہدوی دُنیا دار نفس پرست ہے ذکر سے کنارہ کش اور غفلت کوش ہے اچھوں کی صحبت سے گریز کرتا ہے اور بُروں کی صحبت سے میل رکھتا ہے مذہب کی حمیت مفقود ہو چلی ہے۔ دین پر دُنیا کا ایسا رنگ چڑھ گیا ہے کہ رسمِ دینی میں بھی دُنیاوی مفاد پیشِ نظر رہتا ہے مقتدا، مقتدیوں کے بس میں اور

اُن کی خوشنودی کے طالب نظر آتے ہیں نفسانیت ، معصیت کے ہر جُز میں دخیل نظر آتی ہے ۔خدا واسطہ اب کہیں نظر نہیں آتا مختصر یہ کہ دُنیا کے لئے دین ٹھکرا یا جارہا ہے طالبِ دعا گوہوں دعا فرمایئے مذہب کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل پر لگایئے امامناً کرم کی نظر فرما کر مجھ گنہگار کو معرفت سے بہرہ اندوز فرمایئے اوراپنی بھٹکی ہوئی قوم کو راہ، راست پر لایئے''

جی تو نہیں چاہتا تھا کہ آستان مبارک سے جُدا ہوں لیکن نماز عصر کا وقت قریب تھا اس لئے قدم بوسی کا شرف حاصل کر کے ہم اپنی قیام گاہ کو لوٹے اور بعد نماز مغرب فرہ کو واپس ہوئے ۔

حجانی ماں کو ساتھ نہیں لائے تھے راستہ اور مقام دیکھنے کے خیال سے ہم لوگ چلے آئے تھے واپس فرہ ہوکر رات میں مدیر صاحب سے ملے اُن سے کہہ دیا گیا کہ صبح نماز کے ساتھ ہی روضہ مبارک چلے جائیں گے چونکہ ہمارے ساتھ ایک ماں صاحبہ ہیں اُن کے لئے ایک گدھے کا سواری کے لئے انتظام کرا دیجئے چنانچہ اُنہوں نے اُسی وقت آدمی کو روانہ کر دیا تا کہ علی الصبح سواری کا انتظام ہو جائے ۔صبح نماز کے ساتھ ہی سواریاں آگئیں ۔جب چلنے تیار ہوئے تو حجانی ماں صاحبہ نے گدھے یا گھوڑے پر سوار ہونے سے عذر کیا ان کا عذر بھی ایک حد تک بجا تھا کیونکہ ایسے زبردست جانوروں پر وہ تنہا بیٹھ کر جا نہیں سکتیں تھیں گرنے کا اندیشہ نہیں تھا بلکہ یقین تھا لہٰذا وہ چلنے سے پس وپیش کرنے لگیں ۔اب ہم کو بڑی مصیبت کا سامنا تھا آخر اُن ماں صاحبہ کو ہم کس طرح لے جائیں پیدل بھی چلنے سے معذوری ظاہر کرتی تھیں مدیر صاحب نے رائے دی کہ ہم میں سے کوئی ایک اپنے گھوڑے پر اُن کو سوار کر لے اور اس طرح اُن کو سنبھال کر لے چلے بھلا مدیر صاحب کی اس رائے کو ہم میں سے کون پسند کرتا جس طرح اب تک میں ان کو یہاں تک سنبھالے ہوئے لایا اسی طرح یہ بھی ذمّہ داری مجھ پر عائد ہوئی اور میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی اور اُن کو اپنے پسِ پشت گھوڑے پر سوار کر لیا اور لے چلا ۔فرہ سے روضۂ مبارک تک بڑی سرسبز وشاداب زمین ہے ندی کے علاوہ دو نہریں بھی راستہ میں ملتی ہیں روضۂ

مبارک کے پاس آٹھ دس گھر ہیں۔لیکن کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی فرہ بستی سے ساتھ رکھ لیں تو آرام ہوگا۔جمعہ اور ہفتہ کا دن روضۂ مبارک ہی میں بسر ہوا۔میرا خیال ہوا کہ واپسی میں ڈاک موٹر سے چلنا چاہیئے ہم جس موٹر سے آئے تھے وہ بار برداری کی تھی اُس میں بڑی تکلیف اُٹھانی پڑی ایسی گاڑی سے واپس ہونے کی ہمّت نہ پڑتی تھی ۔مدیر صاحب فرہ سے یہاں معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاک گاڑی ہفتہ کی رات کو یہاں سے قندھار جانے کے لئے نکلتی ہے بس اسی خیال سے ہفتہ کی شام فرہ کو واپس ہوئے تا کہ ڈاک گاڑی سے واپس ہوسکیں ۔مدیر صاحب سے ملاقات ہوئی وہ بھی ہمارے منتظر تھے سامان سب درست کر لیا چپراسیوں اور سواروں کو انعام و اکرام دینے کے بعد مدیر صاحب کے ہمراہ گمرک آئے تا کہ موٹر کا انتظام کر لیں ڈاک گاڑی تیار تھی لیکن اُس میں جگہ نہیں تھی ساری گاڑی مسافروں اور سرکاری اور خانگی ڈاک سے بھری ہوئی تھی رات ہی سے راست قندھار جانے والے مسافر گاڑی میں سوار تھے اب ہم کو پریشانی ہوئی کہ کیا کریں اتفاق سے اس وقت شام میں ایک اور بار برداری کی گاڑی قندھار جانے والی تھی اگر چہ کہ ہمارا خیال مال گاڑی سے جانے کا نہیں تھا لیکن اب اس کے سوا کوئی اور سواری بھی نہیں تھی ورنہ میل (Mail) گاڑی کے لئے آٹھ روز تک انتظار کرنا پڑتا مجبوراً اسی بار برداری کی گاڑی میں انتظام یا گیا اگر چہ اس گاڑی میں بھی جگہ نہیں تھی چھت سے چاک تک سامان سے لدی ہوئی تھی لیکن ہم مدیر صاحب کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اُنھوں نے خود اپنے سامنے موٹر سے سامان نکلوا کر اس ترتیب سے رکھوایا کہ ہمارے لئے بیٹھنے کی جگہ پیدا ہوگئی۔مالکِ موٹر اور ڈرائیور لاکھ چیختے چلّاتے رہے کہ سامان بہت ہے ہم نہیں لے جاسکتے لیکن اُنھوں نے کچھ تو حکومت کے زور سے اور کچھ نرمی و موافقت سے کام لے کر آخر ہمیں اس موٹر میں سوار کروا دیا اور فرہ سے ہماری موٹر نکلنے تک خود موجود رہے۔موٹر فرہ سے روانہ ہونے کے بعد ہم کو خدا حافظ کہا اور واپس ہوئے۔صاحبِ موصوف سے فرہ کے قیام میں ہم کو جس قدر

آرام ملا ہم اس کا کچھ معاوضہ نہیں ادا کر سکتے ۔ رہنے کو سرکاری مکان، کام کاج کے لئے سرکاری آدمی، سواری کے لئے سرکاری گھوڑے، غرض آرام و آسائش کی کوئی حد نہیں تھی اور جناب مدیر صاحب نے واپسی میں موٹر کے کرایہ میں بھی خاص طور پر ہمارے لئے تخفیف کر دی یعنی فی نشست بیس روپے افغانی کرایہ مقرر کیا گیا باوجود اس کے ہم کو واپسی میں پہلے سے زیادہ تکلیف اُٹھانی پڑی کیونکہ یہ گاڑی پہلے ہی سے سامان سے لدی ہوئی آئی تھی پھر آرام ملے تو کیوں کر۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ تھا علی الصبح اتوار کے دن **دلارام** پہونچے تمام دن وہاں گذارا عصر کے وقت دلارام سے نکلے رات میں تین بجے **گرشک** پہنچے پیر کا دن تھا گرشک میں گذارا واپسی میں بھی حضرت سید محمد تاجدار کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔ گرشک سے ہم لوگ دن کے تین بجے نکلے کیونکہ دریا پار کرنا بھی ایک مہم سر کرنے سے کم نہیں تھا شام کے چھ بجے دریا کو عبور کیا اب یہاں سے جو نکلے تو رات کے دو بجے قندھار خیریت سے پہنچ گئے ۔

قندھار کی موٹر گیاریج میں اترنے کے بعد خیال ہوا کہ سیدھے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے مکان چلیں ۔ گیاریج میں سونے کی جگہ کچھ ٹھیک نہیں تھی ورنہ رات وہیں بسر کر لیتے اتنی رات کو ٹانگہ تو کیا سامان اٹھانے کے لئے مزدور کا ملنا بھی دشوار تھا اتفاق سے ایک ساتھی مسافر ہمارا سامان لے چلنے پر آمادہ ہو گیا اسی کو ہم نے غنیمت سمجھا اور ساتھ ہو لئے گھر پر پہنچے عبداللہ ملازم کو آواز دی اتفاق سے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے بھائی بیدار ہو کر خود باہر آئے پھر تو ہم اپنے حجرے میں آرام سے لیٹ گئے رات بھی زیادہ ہو گئی تھی نیند اچھی آئی دل پر سکون اور خوشی تھی صبح اُٹھ کر ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد سیدھے قونصل خانہ برطانیہ گئے قونصل صاحب سے ملے اُنھوں نے بھی ہماری واپسی پر بہت خوشی کا اظہار کیا قونصل صاحب کو اپنے پاسپورٹ دیدیئے تاکہ واپسی کی جو کچھ کاروائی کرنا تھی، کرنا ہے کر دیں ۔ جب ہم نے قونصل صاحب سے کہا کہ آج شام کو واپس چلے جائیں گے تو اُنھوں نے فرمایا کہ آج آپ نہیں جاسکتے آج تو

غریب خانہ پر آپ حضرات کو زحمت اُٹھانی ہوگی آج شام کی دعوت قبول کیجئے اور پھر کل چلے جائیے اس پر ہم سب نے معافی چاہی اور کہا کہ جب تک ہم یہاں ٹھیرے رہے روزانہ برابر کچھ نہ کچھ جناب کی مہمان نوازی سے استفادہ کرتے رہے۔اب ہمیں ہرگز گوارہ نہیں کہ ہمارے لئے آپ مزید زحمت گوارا فرمائیں ہمیں گھر سے نکل کر ایک عرصہ ہوا ہے آج ہی جانے کی اجازت مرحمت ہوتو باعثِ مہربانی ہے غرض کہ تھوڑی دیر تک وہ اصرار فرماتے رہے لیکن ہماری معذرت خواہی سے آخرِ کار ہم کو خوشی خوشی جانے کی اجازت دیدی پاسپورٹس رکھ لئے اور فرمایا کہ شام میں پانچ بجے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے پھر میں نے کہا کہ واپسی کے لئے یہاں سے چمن جانے والی موٹر کا انتظام کرا دیجئے سنتے ہی اسی وقت دفتر کے منشی صاحب کو میرے ساتھ کر دیا کہ اسی وقت گمرک جا کر چار آدمیوں کا انتظام کر دینا چنانچہ میں اور منشی صاحب گمرک آئے اور موٹروں کا انتظام کرلیا گیا واپسی میں قندھار سے موٹریں میوہ لے کر جایا کرتی ہیں۔اس لئے سب کی سب میوہ سے بھری رہتی ہیں صرف ڈرائیور کے پاس دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں لیکن ہم تھے چار مسافر جو ایک موٹر میں بیٹھ نہیں سکتے تھے لہٰذا مجبوراً دو موٹروں کا انتظام کرنا پڑا کرایہ فی کس بارہ روپیہ افغانی قندھار سے چمن تک طے پایا۔موٹروں کا انتظام ہونے کے بعد ہم لوگ مدیرِ خارجہ محمد حسن خاں صاحب کے پاس گئے ملاقات ہوئی وہ بھی ہماری فرہ سے واپسی پر بہت خوش ہوئے ہم نے ان سے کہا کہ آج شام ہم لوگ واپس ہندوستان جارہے ہیں آپ مہربانی فرما کر یہاں کے اور راستہ کے محکمۂ چنگی کو اطلاع کرا دیجئے کہ ہمارے ساتھ کوئی سامان نہیں ہے ہم سے باز پرس نہ کی جائے اور دوسری بات یہ کہ یہاں سے جو موٹریں چمن جاتی ہیں وہ سب میوہ جات سے بھری ہوتی ہیں باہر ڈرائیور کے پاس صرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی اجازت ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہر موٹر میں کم سے کم دو آدمی بیٹھ سکیں کیونکہ ہمارے ساتھ ایک ماں صاحبہ بھی ہیں ہم اُن کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے لہٰذا آپ اس کا انتظام کروا دیجئے ورنہ

پولیس کی چوکی میں اعتراض ہوگا یہ سنتے ہی مدیر خارجہ نے ذریعہ ٹیلیفون پہلے محکمۂ چنگی اور چمن کی گمرک کو اطلاع دیدی کہ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے اس لئے سامان کی تنقیح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ ہندوستانی زائرین ہیں جو ہمارے پاس آئے تھے اور آج واپس جارہے ہیں ۔اس کے بعد دوسرا ٹیلیفون محکمۂ پولیس کو کیا گیا اور اطلاع دی گئی کہ یہ ہندوستانی مسافر ہمارے مہمان ہیں ان کی موٹر میں خاص طور پر دو آدمی بیٹھنے کی اجازت دی گئی ہے لہٰذا موٹر والوں سے باز پرس نہ کی جائے واپسی کے ٹکٹ دیدیئے جائیں ۔ یہ سب کاروائی ہونے کے بعد گھر واپس ہوئے بعد نماز ظہر شہر قندھار کی سیر کی اور بعد نماز مغرب کھانے سے فارغ ہوکر ٹانگہ منگوایا گیا سامان وغیرہ رکھ کر مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ہمراہ چمن کی گمرک میں آئے موٹریں کئی تھیں میوہ چڑھایا جارہا تھا ہماری دو موٹریں بھی تیار ہورہی تھیں ان دو موٹروں میں جو سب سے بہتر تھی پہلے حاجی عبدالکریم صاحب اور حجانی ماں صاحبہ کو بٹھا کر قندھار سے رخصت کر دیا گیا دوسری موٹر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی تقریباً رات دس بجے وہ بھی تیار ہوگئی اس گاڑی سے میں اور حضرت حاجی میاں صاحب نکلے مولوی عبدالرحمٰن صاحب موٹر نکلنے تک ساتھ رہے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا گیا ہم کو صاحبِ موصوف سے بے انتہا آرام ملا گویا ہم اپنے ہی گھر میں ٹھیرے ہوئے تھے۔

ہماری موٹر محکمۂ چنگی اور پولیس کی تحقیقات کے بعد تقریباً گیارہ بجے رات کے قندھار سے نکلی ۔قندھار سے تیس میل پار ہونے کے بعد موٹر کی روشنی میں کچھ خرابی اور رکاوٹ محسوس ہونے لگی ہوتے ہوتے روشنی غائب ہوگئی موٹر کو ٹھیرنا پڑا اور چراغوں کی درستگی ہونے لگی پیچھے سے کئی موٹریں آرہی تھیں اور ہم سے آگے چلی جارہی تھیں لیکن کسی موٹر والے نے بھی اپنی گاڑی ٹھیرا کر ہم سے یہ نہ پوچھا کہ تمہاری موٹر کو کیا ہوا ہے۔کوئی آدھے گھنٹے کے بعد ایک پنجابی کی موٹر آئی اُس نے اپنی گاڑی روک کر کچھ مدد کی روشنی کچھ درست ہونے کے بعد ہماری

موٹرنکلی دس میل ہی گئے ہوں گے کہ ہماری موٹر کے پچھلے ٹائر میں پنکچر ہو گیا موٹر پھر ٹھیر گئی تقریباً ایک گھنٹے میں دوسرا چاک تیار ہو گیا اس وقت تک رات کے تین بج چکے تھے اب یہاں سے نکل کر کوئی پانچ میل گئے ہوں گے کہ اُسی چاک کا ٹائر پورے کا پورا پھٹ گیا اور کوئی دوسرا چاک زائد ساتھ نہیں تھا اب ہم بیچ جنگل کے ہو گئے مجبوراً پیچھے سے آنے والی موٹر کی راہ دیکھ رہے تھے کہ تائیدِ غیبی سے ایک موٹر آ ہی پہنچی ہمارے ڈرائیور نے اس موٹر کو روک کر ہمیں ساتھ لے جانے کے لئے کہا لیکن نو وارد ڈرائیور نے لیجانے سے انکار کر دیا ہم کیا کرتے خاموش ہو رہے ۔جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو ہمارے ڈرائیور نے کہا کہ یہ افغانی ڈرائیور ہیں اور میں ہندوستانی ہوں کوئی افغانی ڈرائیور ہم ہندوستانی ڈرائیوروں کی مدد نہیں کرے گا۔تھوڑی دیر بعد ایک اور موٹر آ گئی اُس کو ٹھیرا کر ہمارے ڈرائیور نے کہا ان دونوں مسافروں کو لیجاؤ میں اپنا کرایہ تمہیں دے دوں گا اُس نے بھی انکار کر دیا کہا کہ دس دس روپے لوں گا حالانکہ ہم لوگ قندھار سے چالیس میل طے کر چکے تھے صرف پینتیس میل باقی رہ گئے تھے ہم نے جب دیکھا کہ یہ ڈرائیور کچھ کرایہ میں کمی کرنے والا نہیں ہے تو ہم کو مجبوراً راضی ہو جانا پڑا چنانچہ اس موٹر کار میں سوار ہو گئے اور پانچ میل بھی جانے نہ پائے تھے کہ سوئے اتفاق سے اس میں بھی پنکچر ہو گیا پھر تو ہم اور زیادہ پریشان ہو گئے اس وقت تک صبح ہو گئی تھی تقریباً آٹھ بج چکے تھے ہم کو زیادہ فکر یہ تھی کہ ایک ہمارے ساتھی حاجی عبدالکریم اور حجانی ماں صاحبہ ہمارے لئے پریشان ہوں گے یہی فکر تھی کہ ایک اور موٹر پیچھے سے آئی ہم نے اس ڈرائیور سے التجا کی کہ ہمیں لے چلے لیکن اُس نے آٹھ روپیہ فی کس طلب کئے ہم پریشان تو تھے ہی راضی ہو کر اس تیسری موٹر میں سوار ہو گئے اس موٹر سے **اسپین بولدک** کو ہم لوگ بارہ بجے دن کے پہونچے یہاں حاجی صاحب اور حجانی ماں صاحبہ موجود تھے ہم تو یہ سمجھے تھے کہ یہ لوگ چمن پہنچ گئے ہوں گے ۔لیکن خیال غلط نکلا ان لوگوں کو یہاں سے آگے جانے کی اجازت نہیں دی گئی وجہ یہ تھی کہ ان

دونوں کے پاسپورٹس میرے پاس تھے بغیر بتلائے یہ لوگ افغانستان کی سرحد سے باہر جا نہیں سکتے تھے لہٰذا ہمارے آنے پر پاسپورٹس وغیرہ کی تحقیق کے بعد ہم کو جانے کی اجازت ملی اتفاق سے ایک موٹر **اسپین بولڈک** میں ٹھیری ہوئی تھی ان دونوں کو اُس گاڑی میں بھیج دیا گیا اور اپنی گاڑی سے ہم بھی کوئی آدھ گھنٹہ میں خیریت سے چمن پہنچ گئے ۔سب سے پہلے موٹر سرحدی پولیس اسٹیشن پر ٹھیرتی ہے انسپکٹر صاحب تشریف فرما تھے ہم لوگوں کی واپسی پر بہت خوش ہوئے ہمارے پاسپورٹ لے لئے گئے اور کہا ’’آپ حضرات ابھی سیدھے دواخانہ تشریف لے جائیں وہاں سے صداقت نامہ صحت لانا ہوگا اُس وقت تک میں پاسپورٹس وغیرہ کی تکمیل کر لیتا ہوں لہٰذا آپ حضرات ابھی تشریف لے جائیں‘‘ چنانچہ ہم لوگ سیدھے دواخانہ پہنچے وہاں جانے پر معلوم ہوا کہ چیچک کا ٹیکہ لینا ہوگا ٹیکہ کے نام سے ہمارے ساتھی حضرات ایسے پریشان ہوئے کہ اگر بس چلتا تو وہاں سے اُڑ کے نکل جاتے غرض ہمارے ساتھیوں کو ٹیکہ لینا ہرگز منظور نہ تھا اور بغیر ٹیکہ لئے اور ٹیکہ کا سرٹیفکیٹ پیش کئے ہندوستان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی اب بڑی مشکل آن پڑی میں پریشان تھا اتفاق کی بات تھی دواخانے کے رائیٹر صاحب (محرر) سکندرآباد کے رہنے والے نکلے جن کا مکان چلکل گوڑہ میں تھا گو اُن سے ملاقات تو نہیں تھی لیکن وہ ہم کو دیکھ کر خود ہی ملنے کے لئے آئے اور جب میرے وطن اور سکونت سے واقف ہوئے تو خوب خاطر و تواضع کی اور دوسری بات یہ کہ ٹیکہ دینے والے صاحب بھی یہی تھے۔ اُنھوں نے جب ہمارے ساتھیوں کے ارادے کو اور ٹیکہ لینے سے پریشانی اور گھبراہٹ کو سنا تو مجھ سے کہا کہ آپ ان سب کو لے کر ڈریسنگ روم میں چلے جائیں میں ابھی آتا ہوں چنانچہ ہم سب وہاں جانے کے بعد وہ آئے اور آہستہ سے کہا کہ ’’میں آپ حضرات کو ٹیکہ تو نہیں لگاؤں گا البتہ ڈاکٹر صاحب کو بتلانے کی غرض سے آپ لوگوں کے ہاتھ پر بغیر دوا کے کھروچے دیدیتا ہوں تاکہ ٹیکہ کی تکمیل ہو جائے ورنہ ہاتھ پر کچھ نشان بھی نہ ہو تو

بری بات ہے پھر سر   ٹیفکیٹ کیوں کر ملے گا۔ باہر ڈاکٹر صاحب ٹیکہ کے نشانات دیکھتے ہیں ''یہ سن کر ہم خاموش ہو گئے چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا ہم سب کے ہاتھوں پر کھروچے لگائے گئے اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد ہم سب کو ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً سرٹیفکیٹ لکھ کر دیدیا اب ہم اپنے دوست کا شکریہ ادا کر کے اور اُنھیں شام میں ہم سے ملنے کی تاکید کر کے وہاں سے رخصت ہوئے اور سیدھے سرحدی آفس پہونچے سر ٹیفکیٹ دیکھنے کے بعد پاسپورٹس تکمیلِ کاروائی دیدیئے گئے۔ گویا اب ہم کو ہندوستان میں داخل ہونے کی اجازت تھی۔ ایک بج چکا تھا بھوک بھی خوب لگی تھی سیدھے اسی سرائے میں جس میں پہلی دفعہ جاتے ہوئے ٹھیرے تھے، سب سے پہلے ہوٹل سے کھانا منگوا کر کھایا اور کچھ دیر آرام کیا بعد نماز عصر بازار گئے۔ جوگی رام کی دکان سے سامان لایا گیا وہاں سے مولوی عبدالشکور صاحب دھوبی کے پاس گئے تاکہ کپڑوں کو جو دھلنے کے لئے دیئے گئے تھے لے لیں جانے پر معلوم ہوا کہ مولوی عبدالشکور بیمار ہیں کپڑے دُھل تو گئے لیکن استری وغیرہ نہیں ہوئی ہے۔ میں نے کپڑوں کے ملنے ہی کو غنیمت جانا بازار میں گیا ایک ہندو دھوبی مِل گیا اُس کے پاس ضروری کپڑوں کو استری کروالی۔ رات آرام سے گزری صبح میں ریل میں سوار ہونا تھا۔ یہاں سے دن میں ایک ہی مرتبہ ریل جایا کرتی ہے وہ بھی صبح کے آٹھ بجے۔ صبح اُٹھے جمعرات کا دن تھا ضروریات سے فارغ ہو کر سیدھے اسٹیشن پہونچے۔ یہ پہلے ہی سے طے ہو چکا تھا کہ واپسی میں دہلی سے جائیں گے چنانچہ دہلی کا ٹکٹ لیا۔ کرایہ چمن سے ڈاک گاڑی کا فی کس تیرہ روپیہ ہے ٹھیک آٹھ بجے گاڑی چھوٹی اسٹیشن پر ہم کو چھوڑنے کے لئے جوگی رام اور انسپکٹر صاحب آئے تھے یہ دونوں بہت ہی اچھے لوگ ہیں دو روز کی ملاقات میں بڑی ہمدردی سے پیش آتے رہے۔ تقریباً چار بجے شام کوئٹہ پہونچے۔ کوئٹہ اسٹیشن پر لاہور دہلی جانے والا میل تیار کھڑا تھا اُترتے ہی اُس ریل میں سوار ہو گئے، سوار ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد وہی انسپکٹر صاحب

جنھوں نے وعظ ونصیحت فرمائی تھی اور افغانستان جانے سے ہم کو روک رہے تھے آ پہنچے ۔ ہمارے صحیح سلامت واپس آنے پر مبارک باد دی بہت خوش ہوئے پھر بھی نام وغیرہ اور تاریخ واپسی لکھ لی گئی ۔

ٹھیک پانچ بجے شام کے ریل چھوٹی مسافروں کی کثرت ہونے کی وجہ سے ریل میں تکلیف رہی رات میں دس بجے سی ۔ بی ۔(C.B) پہنچے یہاں بھی پولیس کی جانب سے نام وغیرہ نوٹ ہوتے ہیں ۔ جمعہ کا تمام دن ریل میں رہے ۔ شام میں سات بجے لاہور پہنچے ۔ یہ جنکشن خاصہ بڑا ہے چہل پہل خوب رہتی ہے یہاں پر گاڑی بدلنا پڑتا ہے لاہور سے دہلی جانے کے لئے علٰحدہ گاڑی نکلتی ہے اُس میں سوار ہوگئے نو بجے رات کو گاڑی چھوٹی ہفتہ کی صبح سات بجے دہلی پہنچے ۔ دہلی میں امپریل ہوٹل میں قیام رہا ۔ یہ ہوٹل اسٹیشن سے قریب ہے اور اچھا بھی ہے تمام ضروریات کی چیزیں ہر وقت مہیا رہتی ہیں ۔ ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی ایک موٹر دہلی کی تمام زیارتوں اور مشہور مقامات کی سیر کے لئے کرایہ پر لی گئی کرایہ دس روپیہ طے ہوا ۔ کوئی دو بجے رات زیارت اور تفریح سے فارغ ہوکر ہوٹل واپس ہوئے ظہر کے بعد ذرا آرام کیا شام میں شہر کی تفریح بھی کی گئی ۔ اُس رات بمبئی اکسپرس سے نکلنا طے پاچکا تھا لہٰذا بمبئی کا ٹکٹ لیا گیا ۔ دہلی سے بمبئی تک فی ٹکٹ چودہ روپیہ بارہ آنے ہوتے ہیں ۔ ہفتہ کی رات دہلی سے نکلے پیر کے دن صبح چھ بجے بمبئی پہونچے اُترتے ہی سیدھے حیدرآباد لاج آئے واپسی میں بھی اُسی ہوٹل میں قیام رہا ۔ پیر کا دن بمبئی میں گزرا منگل کے دن شام میں تین بجے مدراس اکسپرس سے بمبئی سے نکلے چہارشنبہ کی صبح بتاریخ ۹ / رجب ۱۳۵۶ ہجری مطابق 15 / سپٹمبر 1937ء چہارشنبہ، خیریت کے ساتھ حیدرآباد میں داخل ہوئے ۔

اسٹیشن پر قومی بھائیوں کا کثیر اجتماع تھا ہمارے یہاں آنے کی ان کو اطلاع کردی گئی تھی لہٰذا یہ قومی بھائی ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے ایسے منتظر آئے جیسے مسلمان عید کا چاند دیکھنے کا

شوق رکھتے ہیں جوں ہی ان لوگوں کی نظر ہمارے ڈبے پر پڑی جس میں ہم سوار تھے بے اختیار دوڑتے ہوئے ہمارے پاس پہنچے پھول پہنائے ، گلے ملے اور مبارک باد دی۔ کوئی دس منٹ تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد سامان اُتارنے کی فکر ہوئی سامان اُتارا گیا۔

مجھے سکندر آباد اُترنا تھا اس لئے میں ریل ہی میں سوار رہا کوئی پندرہ منٹ کے بعد ریل حیدر آباد سے روانہ ہوئی تقریباً بیس منٹ میں سکندر آباد پہنچی یہاں بھی اسٹیشن پر میرے اپنے رشتہ دار اور دوست واحباب پھولوں کے ہار لئے منتظر کھڑے تھے کچھ دیر اُن سب سے ملاقات رہی۔ پھر اسٹیشن سے باہر نکلے سواریاں تیار تھیں۔ الحمد للہ خیریت سے گھر پہنچ گئے۔ میں نے سب سے پہلے اپنے بزرگ و محترم چچا حضرت سید ہاشم عرف خانجی میاں صاحب قبلہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور ساتھ ہی میرے محترم بڑے بھائی ابو حامد سید محمد عرف سردار میاں صاحب قبلہ کی قدم بوسی سے فارغ ہو کر گھر میں داخل ہوا جہاں تمام رشتہ دار اور مریدین کا اجتماع تھا اِن سب سے ملنے کے بعد اب جو سلسلہ صدقے اور اَسان کا شروع ہوا تو متواتر تین دن تک جاری رہا۔

یہ ہے سفر کی کہانی
فقیر محمود کی زبانی

۱۵ رمضان ۱۳۵۶ ہجری مطابق۔

﴿جملہ مدت سفر کی ایک ماہ ایک یوم، اخراجات سفر فی اسم دیڑھ سو روپیہ کلدار از حیدر آباد تا واپسی حیدر آباد﴾

سفر فرہ

(۱۹۴۰ء)

حضرت محمد بہادر خاں صاحبؒ بہادر یار جنگ

حضرت محمد بہادر خاں صاحب بہادر یار جنگ علیہ الرحمہ

از سبزاوار (افغانستان)

سفر فرہ مبارک

برادر عزیز

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ ۔

شائد **مشہد** سے میں نے اپنا تفصیلی خط لکھا تھا۔ یوں تو ایران کے ہر حصّہ میں ہر وقت موٹر کا مہیا ہو جانا دشوار ہے۔ لیکن افغانستان کے لئے زیادہ مشکل تھا۔ مشہد میں افغانستان کی جانب نقل وحرکت کرنے والے دو گیارتیج ہیں۔ تین روز کی مسلسل تلاش کے بعد ایک موٹر مل گئی اور بیوسطہ جمعہ کو بعد ظہر ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے یہ موٹر بھی کئی نقائص سے معمور تھی نہ اس میں روشنی تھی نہ بریک درست تھے نہ کاربوریٹر پٹرول برابر کھینچتا تھا۔ **مشہد** اور **ھرات** کا درمیانی راستہ جو تقریباً ۶۰۰ چھ سو میل ہے اور عموماً اچھی موٹر ہو تو دو دن میں راستہ طے ہوسکتا ہے یہ تین اور چار دنوں میں طے ہوا۔ راستہ میں حدودِ ایران پر ''**کار بز**'' کے چنگی محکمہ نے ہمارے ساتھ جتنی گِنّیاں تھیں سب ضبط کر لیں۔ ایران میں ایک انوکھا قانون یہ ہے کہ اپنے حدود سے باہر سونے کا سکّہ نہیں لے جانے دیتے اور اس کو ضبط کر کے اس کی قیمت کے مطابق جرمانہ بھی مسافر سے وصول کرتے ہیں۔ گنّیاں انہوں نے لے لیں ہیں۔ جرمانے کا مطالبہ ہے۔ میں نے ایران کے وزرا کو اس رقم کے استرداد کے لئے تار دیا ہے۔ ابھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ گویا السفر کلسفر کی ابتدا ٔ ہوئی ہے۔ خدا اس کو وسیلۂ ظفر بھی ثابت کرے۔ افغانستان کا سفر دس سال یا پانچ سال قبل کے سفر کی بہ نسبت بہت سہل اور آسان ہو گیا ہے مگر اب بھی ایک

یکّا وتنہا مسافر کے لئے جو دشواریاں ہیں ان کا تصور بھی سبکِ ساران ِساحل نہیں کر سکتے۔ مجھے آقائے شیر احمد خاں سفیرِ کبیر افغانستان نے ہرات، فرہ اور قندھار کے حکامِ اعلیٰ کے نام خطوطِ تعارف دے رکھے ہیں اور وہ نہایت اخلاق سے بھی پیش آرہے ہیں اور خود دوسرے افغانی مسافروں کی بنسبت میرے لئے سہولت بہم پہونچائی گئی ہے لیکن پھر بھی میں دعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی اگر سفر کرے تو خدا اس کو ان مشکلات سے دوچار نہ کرے۔ میرا قصد ہرات میں صرف دو روز ٹھیرنے کا تھا لیکن موٹر کے انتظام کے لئے ایک ہفتہ ٹھہرنا پڑا اور ایک موٹر میں ڈرائیور کے بازو کی سیٹ حاصل کر لی۔ یہ انتظام ہفتہ کے روز مکمل ہو گیا۔ لیکن ہفتہ اور اتوار دو روز ۲۰، ۲۲، مسافروں نے صرف اس لئے زحمت برداشت کی اور اپنے بندھے ہوئے سامان کے ساتھ گیاریج میں پڑے رہے کہ تعلقدار کو چند خطوط کابل روانہ کرنا تھا اور وہ تیار نہیں ہوئے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ جب ہم **سبزاوار** پہونچے تو معلوم ہوا کہ صاحب ضلع نے ٹیلیفون کیا ہے کہ موٹر سے بعض اور خطوط روانہ کئے جارہے ہیں چنانچہ ۶ بجے سے موٹر دھوپ میں کھڑی ہے اور میں اسی میں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ ایران کے راستوں میں ہر منزل پر قہوہ خانے تھے جن میں روٹی اور انڈے وغیرہ بھی مل جایا کرتے تھے لیکن افغانستان کے راستوں میں سوائے نہروں کے کوئی چیز نہیں ملتی۔ کل صبح ہرات میں ناشتہ کیا تھا باقی دونوں وقت بسکٹ چبائے جو ساتھ رکھ لئے ہیں اور پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ رات **سبزاوار** پہونچے، معلوم ہوا کہ کوئی مسافر خانہ، گیاریج یا مسجد نہیں ہے ایک قبرستان کے صحن میں سو رہے۔

ھرات نہایت قدیم شہر ہے۔ سکندرِ اعظم اسی راہ سے ہندوستان آیا۔ چنگیز نے اس کو فتح کیا۔ تیمور کے بعد اس کے خاندان نے برسوں اس پر حکومت کی، اولیا اللہ کے مزارات یہاں ان گنت ہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازیؒ، حضرت قاسم بن امام جعفر صادقؑ، ابنِ معاویہ عبداللہ بن جعفر طیار، امام عبدالواحد ابن مسلم ابن عقیل، خواجہ عبداللہ انصاری، سعید الدین

کاشغری اور عبد الرحمان جامی وغیر ہم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ میری منزلِ مقصود فرہ مبارک، ہرات وقندھار کے درمیان ہے۔ جہاں کل پہنچ جاؤں گا اور ڈرائیور میرا خط قندھار لے جائے گا اور وہاں سے ڈاک کے حوالے کرے گا۔ اور جس وقت یہ خط آپ کو ملے گا ایک گنہہ گار غلام اپنے عالی قدر آقا حضرت خاتمِ ولایتِ محمدی خلیفۃ الرحمان مہدیٔ موعود علیہ السلام کثیراً کثیرا الی بارگاہ اقدس پر جبہ سائی کی عزّت حاصل کر چکا ہوگا۔

دعا کیجئے کہ خدا اس حاضری کو شرفِ قبول بخشے۔

۲۰ر آبان ۱۳۴۰ فصلی۔

(بشکریہ ماہنامہ نورِ حیات۔ مورخہ۔ جولائی ۱۹۷۷ء۔ قائدِ ملّت نمبر)

احوالِ فرہ افغانستان

(مئی1978)

زیرِ قیادت

مرکزی انجمنِ مہدویہ۔ حیدرآباد

مرکزی انجمن مہدویہ کے پہلے قافلہ کا

احوال سفر فرہ مبارک

سیدنا وامامنا علیہ السلام کی ذات مبارک سے جذبات' عقیدت آپ کے مزار مقدس واقع فرہ مبارک ملک افغانستان کی زیارت کے لئے مہدویوں کو ہمیشہ مشتاق ومستعد رکھتے ہیں۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے اور وقتاً فوقتاً عقیدت مندوں کے قافلے اور تنہا زائرین کا تسلسل ہمیشہ سے جاری وقائم رہا ہے اور سفرنامے بھی شائع ہوئے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے ایک بڑے قافلے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ایک سو سے زیادہ افراد کے لئے پاسپورٹ بھی بنوائے گئے تھے۔ یہ قافلہ براہِ پاکستان' افغانستان جانا چاہتا تھا مگر حکومتِ پاکستان نے پاکستان سے افغانستان جانے کے لئے ویزا دینے سے انکار کیا۔اس لئے یہ قافلہ فرہ نہ جاسکا۔صرف دوشخص محمد ابراہیم خاں صاحب اور محمد کریم الدین صاحب بذریعہ طیارہ راست ہندوستان سے افغانستان جاسکے اور شرف زیارت مزار مقدس سے مشرف ہوئے۔

اس سال مرکزی انجمن مہدویہ نے سفر فرہ مبارک کے اہتمام کا اعلان کیا اور بہت سے لوگ اس سہولت سے استفادہ کرتے ہوئے سفر فرہ مبارک کے لئے آمادہ ہوگئے ان میں سے بعض اصحاب کا خیال تھا کہ اس سال یوم میلادامامنؑا کے موقع پر فرہ مبارک میں حاضر ہونے کا موقع ضائع نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس عزم کے پیش نظر سفر کا نظام العمل ترتیب دیا گیا اور طے کیا گیا کہ ۱۵/اپریل کو شام کی ٹرین سے قافلہ دہلی کے لئے روانہ ہو۔

یہ قافلہ ۱۷/اپریل کی صبح کو دہلی پہونچا۔اس قافلہ میں جملہ دس اصحاب شامل تھے۔ پیرو مرشد حضرت سید محمد میاں صاحب قبلہ اہلِ اکیلی' جناب محمد عزیز خاں صاحب زمیندار کتہ گوڑم اوران کے دو فرزند محمد کرم علی خاں اور محمد سلیم خاں صاحب' محمد قادر علی خاں صاحب اور سید

خوندمیر صاحب چنچل گوڑہ سے اور مشیرآباد سے سید ندیم صاحب کے تین فرزند حاجی سید خاں صاحب میر محلّہ مشیرآباد' سید علی اور سید رحیم صاحب۔

چن پٹن کا قافلہ ۱۸/اپریل کو حیدرآباد کے قافلہ سے دہلی میں مل گیا۔ جس میں (۱۲) افراد تھے۔ فقیر سید محمود صاحب جوہر' سید سراج صاحب صدر انجمن مہدویہ چن پٹن اور سید محمود امیر جان صاحب وغیرہم اور سب کے لئے افغانی سفارت خانہ واقع دہلی سے ویزا کے حصول کی کوشش کی گئی۔ فقیر سید احمد صاحب بھی بھیلوٹ گجرات سے اسی تاریخ آئے سب کے ساتھ ان کو بھی ۱۹/اپریل کو ویزا مل گیا۔ اور امرتسر کے لئے ٹرین میں سب کے لئے ریزرویشن کی سہولت بھی حاصل ہوگئی۔ اور ۲۰/اپریل کے طیارہ میں سب کی نشستیں محفوظ کی جاچکی تھیں۔ اس طیارہ سے سب لوگ ۱۰/بجے صبح کابل پہنچ گئے۔ بعد میں ایک صاحب چن پٹن سے آئے ان کو ویزا نہیں ملا تھا۔ انہوں نے ویزا حاصل کر کے دہلی سے طیارہ کے ذریعہ سفر کیا اور کابل میں قافلہ سے مل گئے۔ اس طرح یہ قافلہ کابل میں (۲۳) افراد پر مشتمل ہوگیا۔

دہلی سے افغانستان کے لئے جو ویزا ملا تھا وہ صرف دس دن کی اقامت کے لئے تھا۔ ۲۰/اپریل تا ۲۹/اپریل اور اس قلیل مدت میں قافلہ والوں کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکتی تھی کہ روضۂ مبارک میں آٹھ دن بسر کئے جائیں اور چالیس نمازیں ادا کی جائیں۔

مدت اقامت میں توسیع کی کوشش دہلی میں بھی کی گئی مگر جواب ملا کہ کابل میں غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس ہونے والی ہے۔ کانفرنس کے آغاز سے پہلے ہی غیر ملکی لوگوں کو کابل سے روانہ کرنا حکومت کے پیش نظر ہے اس لئے مدتِ اقامت میں اضافہ ممکن نہیں' ہمارے لوگوں نے کہا کہ ہم زائرین ہیں اور فرہ میں رہنا چاہتے ہیں نہ کہ کابل میں اس پر کہا گیا کہ آپ کابل میں دفترِ وزارتِ داخلہ سے مزید توسیع حاصل کر سکتے ہیں۔ ۲۰/اپریل کو جب ہم کابل پہنچے اور طیران گاہ سے نکل کر ایک مقامی ہوٹل میں قیام کیا تو راقم السطور نے سلیم خاں صاحب وغیرہ کو

ساتھ لے کر دفترِ وزارتِ داخلہ کا رخ کیا۔ معلوم ہوا کہ جمعرات کے دن دفتر نصف یوم کا ہوتا ہے اب دفتر بند ہو چکا ہے اور کل جمعہ کو عام تعطیل ہوتی ہے البتہ ہفتہ کے دن توسیع کا حصول ممکن ہے۔ اور ہفتہ کے دن ۲۲/اپریل اور ۱۴/جمادی الاول آتی ہے جو یوم میلاد ہے اور اس روز ہم کو روضۂ مبارک میں رہنا چاہئے۔

لہٰذا توسیع اقامت کا خیال ترک کر کے فوراً ہی ۲۱/اپریل کی صبح کو کابل سے قندھار کے لئے قادری بس سروس میں ۲۳ نشستیں محفوظ کروالی گئیں اور تین بجے ہمارا قافلہ قندھار پہنچ گیا۔ قندھار سے روضہ مبارکہ تک ایک خصوصی بس کے حصول کی کوشش کی گئی مگر کوئی بس نہ مل سکی۔

قندھار سے فرہ تک عبیدی بس سروس چلتی ہے۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ صبح میں فرہ جانے والی بس کی زیادہ نشستیں محفوظ ہو چکی ہیں صرف چند نشستوں کی گنجائش ہے۔ اگر آپ سب لوگ اس بس سے سفر کرنا چاہتے ہیں تو درمیان میں بستروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سفر کر سکتے ہیں۔ بہرحال چونکہ اس بس سے سفر کرنا تھا اس لئے سب آمادہ ہو گئے۔ اور دوپہر میں فرہ پہنچے وہاں سے ایک منی بس حاصل کی گئی اور سید علی اکبر صاحب اور ساتھی ہمارے منتظر تھے۔ ہمارے پہنچنے میں زیادہ دیر ہو جانے سے مضطرب اور شائد نہ آ سکے ہوں' خیال کر کے مایوس ہو چلے تھے ہم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اضطراب' مسرت سے بدل گیا۔ روضۂ مبارکہ کے اطراف نہریں بہہ رہی تھیں پانی بھی بہت صاف' شفاف شیریں اور سرد تھا۔ سب نے نہا دھو کر کپڑے بدلے اور شرف زیارت مزار مقدس حاصل کیا پھر نماز عصر و مغرب ادا کی۔ کھانے کا کوئی اہتمام نہ ہو سکا۔ وہاں کوئی ہوٹل بھی نہیں ہے۔ اطراف کے لوگوں کے گھروں میں تنور کا عام رواج ہے۔ ان کے پاس کہلوا کر روٹی منگوائی گئی۔ توشہ میں اچار وغیرہ جو کچھ تھا اس سے سیر ہو کر کھائے۔ پھر نماز عشاء کے بعد شب میلاد منانے کا اہتمام کیا گیا اب قافلہ میں جملہ (۲۷) افراد تھے۔ حیدرآباد سے دس' چن پٹن سے (۱۲) ایران سے (۴) اور گجرات

سے ایک ۔ کچھ مقامی لوگ بھی تھے ۔ پیر و مرشد حضرت سید محمد صاحب اہل اکیلی نے قرآنی پیشین گوئیوں کی روشنی میں مہدویت کے تابناک مستقبل کا بیان کر کے موجودہ کسمپرسی سے نجات کا مژدہ سنایا اور سید محمود صاحب جوہر نے بھی تقریر کی ۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں مجلس ختم ہوئی کچھ لوگوں نے مزار مبارک کے پائینتی اپنے بستر کھول لئے اور زیادہ لوگوں نے مدرسہ کے کمروں میں استراحت کی جگہ بنالی ۔

ایران سے آئے ہوئے لوگ ہمارے حیدرآباد کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ وہ کیوں ہمارے ساتھ نہ آسکے ہم کو کہنا پڑا کہ یوم میلاد پر فرہ مبارک پہنچنے کے لئے ہم کو حیدرآباد سے ۱۵/ اپریل کو نکلنا ضروری تھا اور اس تاریخ دہلی تک سب لوگوں کے لئے ریزرویشن ملنا متوقع نہیں تھا اس لئے وہ لوگ ہمارے ساتھ نہ آسکے اور ہم کو بھی صرف چار برتھ سونے کے لئے مل سکے ۔ باقی چھ افراد کے لئے نشستیں محفوظ ہوسکیں ۔ مگر بحمد اللہ یہ سفر بہت آرام سے سوتے ہوئے طے ہوا ۔ ۱۷/ اپریل کی صبح کو جب ہم دہلی پہنچے تو ہمارے قیام کا انتظام درگاہ نظام الدین اولیاء دہلی میں نواب ماندور خاں صاحب کے توسط سے ہوا تھا ۔ ہم کو مشائخ منزل میں ٹھہرایا گیا ۔ کافی وسیع جگہ اور بیت الخلاء' حمام وغیرہ کی سہولتیں بھی حاصل تھیں بعد ۱۸/ اپریل کو چن پٹن سے آئے ہوئے لوگوں کے لئے بھی یہ جگہ کافی ہوگئی ۔

اس قافلہ کے سارے انتظامات میرے ہی تفویض تھے اور سلیم خاں صاحب میرے ساتھ تعاون کر رہے تھے ۔ پھر جب ہمارا قافلہ فرہ مبارک پہنچا تو روضہ مبارک کو پہنچنے کے بعد سید علی اکبر صاحب جیسے مستعد شخص مل گئے وہ مقامی زبان سے بھی واقف اور ملنسار طبیعت رکھتے ہیں ۔ بہت روانی سے مقامی لوگوں سے گفتگو کر سکتے اور سمجھا سکتے ہیں ۔ اس لئے اب ان کی باری آئی ۔ یوم میلاد کے دوسرے دن عرس کا انتظام وغیرہ ان کے ذمہ ہوا ۔ اور وہ صبح ہی سے مصروف ہوگئے ۔ ان کو (۱۸) کلومیٹر دور شہر فرہ سائیکلوں پر جانا پڑا اور واپسی میں ضیافت کی

افغانی روٹیاں سائیکلوں پر لادکر سرشام روضہ کو پہنچ گئے۔ مجید صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہاں قورمہ تیار ہو چکا تھا۔ اہل قافلہ اور مقامی مدرسہ نے دُنبہ کے گوشت کا سالن اور تازہ روٹیاں سیر ہو کر کھائیں اور پہلے دن کی طرح دوسرے دن بھی مجلس مقرر ہوئی۔ حضرت سید محمد میاں صاحب اہل اکیلی نے حسب سابق بیان کیا۔ سید علی اکبر صاحب اور سید خاں صاحب وغیرہ نے بھی حاضرین کو مخاطب کیا۔ رات میں دیر تک یہ اجلاس جاری رہا۔ چونکہ صبح میں روضۂ مبارکہ سے واپسی کا سفر شروع ہونا تھا اور عبیدی بس سروس کی وہ بس جو قندھار جانے والی تھی، سید علی اکبر صاحب کی کوششوں سے روضہ کو آ چکی تھی۔ واپسی کی کوئی فکر نہ تھی۔ صبح وداعی زیارت سے فارغ ہو کر ۹ بجے کے قریب ہم روضہ سے روانہ ہوئے۔ اور اسی بس سے قندھار ۵ بجے شام کو پہنچ گئے۔

روضہ مبارکہ کی تعمیر کو چار سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ شائد اس اثناء میں خاطر خواہ مرمت بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے روضہ کی حالت اندر سے مخدوش نظر آتی ہے۔ روضہ کی تعمیر چھوٹی چھوٹی اور مضبوط اینٹوں سے ہوئی ہے ان کی چنائی میں جو مصالہ اس وقت استعمال کیا گیا تھا زیادہ عرصہ گذرنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ جھڑنے لگا۔ اب اینٹوں کے درمیان خالی جگہ نظر آتی ہے۔ جس سے عمارت کے منہدم ہو جانے کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ روضہ کے تحت زمین پر حکومت نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جہاں بارہ جماعت تک تعلیم ہوتی ہے۔ اطراف واکناف کے دیہات سے طالب علم پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ ان کی تعداد سات سو ہے۔ اور تیس مدرسین ان کو پڑھاتے ہیں چونکہ روضہ کی زمین پر مدرسہ قائم ہوا ہے اس لئے روضہ کی دیکھ بھال بھی مدرسہ کی گنجائش سے کی جاتی ہے۔ صدر مدرس نے بیان کیا کہ روضہ کی بالائی سطح پر مدرسہ کے مصارف سے لپائی وغیرہ کی جاتی ہے جس سے پانی بہہ جاتا ہے۔ اگر پانی ٹھہرتا اور رِستا رہتا تو عمارت کو نقصان پہنچنا لازم تھا۔ پوچھا گیا کہ اندر کی عمارت میں بھی یہ عمل کیوں نہیں

ہوتا جب کہ اس کی ضرورت واضح ہے۔صدر مدرس نے کہا کہ مصارف زیادہ ہوں گے ہمارے بجٹ میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔زیادہ رقم کی ضرورت ظاہر کر کے اجازت لینا ہوگا۔ ہمارے لوگوں نے کہا کہ آپ کوشش کر کے اس کام کو پورا کیجئے۔سابق میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ نے روضہ کی یہ حالت دیکھی تو قوم سے تعمیر و ترمیم روضہ مبارکہ کے لئے اپیل کی تھی اور کافی سرمایہ جمع کیا تھا۔مگر ان کے بعد یہ کام رہ گیا۔ بہت سے لوگوں کی توجہ اس ضرورت کی تکمیل کی جانب رہی ہے مگر اب تک کچھ نہ ہوسکا۔فی الوقت سید علی اکبر صاحب اس جانب سعی کر رہے ہیں۔اس سفر میں انہوں سے دو دفعہ گورنر فرہ سے ملاقات کی۔دوسری دفعہ تو زائرین کے ایک وفد کے ساتھ ملے اور ضروری ترمیم کی جانب متوجہ کیا۔انہوں نے کابل میں وزیر اوقاف سے اس سلسلہ میں ملاقات کی تھی۔گورنر اور وزیر دونوں بھی نہ صرف اخلاق سے پیش آئے بلکہ اپنی طرف سے ہر طرح تائید کا تیقن دیا۔اگر زائرین کے قافلوں کی مسلسل آمد ورفت جاری رہے اور خبریں شائع ہوتی رہیں تو خود بخود حکومت کی توجہ اس جانب ہوگی۔اور تمام ضروریات پوری ہوں گی۔اور سہولتیں حاصل ہوں گی۔شہر فرہ آنے کے لئے قندھار سے ہرات جانے والی شاہراہ سے جہاں مڑتے ہیں' میٹل روڈ شروع ہوتی ہے جس کی مسافت (۱۸) کلو میٹر ہے۔ اور یہ پکی سڑک ہے ۔ روضہ کی مرمت اور راستوں کی درستی وغیرہ امور زائرین کے قافلوں کے تسلسل سے حکومت کی توجہ میں آسکتے اور پورے ہوسکتے ہیں۔

اگر حکومت پاکستان سے خط وکتابت یا وہاں کے مہدویوں کے توسط سے آمادہ کیا جاسکے کہ بہ اغراض زیارت ہندوستان سے افغانستان جانے والوں کو پاکستان کے راستہ سے گذرنے کی اجازت دی جائے تو زائرین کے لئے بہت آسانی ہوگی۔ اور زیادہ لوگ فرہ مبارک جاسکیں گے۔اس میں خود پاکستان کی نیک نامی وغیرہ بھی مضمر ہے۔اس سلسلہ میں فرہ مبارک کو زیادتی مقام قرار دینے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے۔جس سے حصول پاسپورٹ کی شرط بھی باقی

نہیں رہے گی اور سفر کے مصارف میں نصف کی حد تک کمی ہو سکتی ہے اس سفر میں آمد ورفت کا جملہ خرچ تقریباً دو ہزار روپئے ہر شخص کے بارے میں اندازہ کیا گیا ہے۔

حیدرآباد سے نکلنے اور واپس آنے تک کے خرچ کا ایک تخمینہ آئندہ جانے کا ارادہ رکھنے والے بھائیوں کی سہولت کے لئے درج کیا جاتا ہے۔

الف (۱) کرایہ حیدرآباد تا دہلی مع واپسی	150/- روپئے
(۲) دہلی تا امرتسر معہ واپسی	50/- روپئے
(۳) امرتسر تا کابل مع واپسی	1,300/- روپئے
جملہ	1,500/- روپئے
ب (۱) طیرانگاہ کابل سے شہر کابل کا دوطرفہ کرایہ	50-00 افغانی
(۲) کابل تا قندھار بس کا دوطرفہ کرایہ	200-00 افغانی
(۳) قندھار تا ولایت فرہ دوطرفہ کرایہ	160-00 افغانی
(۴) ولایت فرہ تا روضۂ اقدس دوطرفہ کرایہ	100-00 افغانی
(۵) ہوٹل سے بس ڈپو (کابل)	90-00 افغانی
ج (۱) اخراجات طعام برائے ایک ہفتہ	400-00 افغانی
(۲) اخراجات قیام ہوٹل	200-00 افغانی
(۳) ٹیکس	200-00 افغانی
(۴) متفرق	100-00 افغانی
جملہ	1,500-00 افغانی یا 300-00 روپئے ہندوستانی

جملہ خرچ 1,800/- روپئے

پاکستان سے ہوکر جائیں تو ہوائی جہاز کے کرایہ میں سے ایک ہزار کی حدتک بچت ہوسکتی ہے۔ روضۂ مبارکہ سے ہم جس بس میں سوار ہوئے تھے وہ ہم کو قندھار تک لے گئی۔ قندھار سے کابل کے لئے اعظمی بس سروس میں فوراً ہی انتظام کیا گیا۔ اور ہم ۲۵؍اپریل کو علی الصبح کابل پہنچ گئے۔ امرتسر کے لئے ۲۷؍اپریل کو طیارہ تھا پھر ۴؍مئی کو چنانچہ ۲۷؍اپریل کے طیارہ میں ہم کو جگہ مل گئی۔ ہمارا طیارہ گیارہ بجے صبح کابل سے پرواز کیا اور سنا گیا کہ اس کے کچھ دیر بعد ہی وہاں فسادات شروع ہوئے۔

امرتسر کو ہم صرف ڈیڑھ گھنٹہ میں بخیر وعافیت پہنچ گئے۔ یعنی تقریباً ساڑھے بارہ بجے اور اسی روز امرتسر سے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ اور ۲۸؍اپریل کی صبح میں دہلی پہنچ گئے۔ سب لوگ گرمی سے حیران ہورہے تھے جب کہ کابل' قندھار اور فرہ میں دن کو گرمی رہتی تھی اور رات کو اوڑھنا پڑتا تھا۔ اس لئے سب لوگوں نے رات سفر کی تجویز پر اتفاق کیا۔ نہ آگرہ جاسکے نہ راجستھان' نہ گجرات' دہلی سے احمد آباد اکسپریس کے ذریعہ شام میں اجمیر پہنچے۔ اجمیر سے حیدرآباد کے لئے ایکسپریس صبح دس بجے نکلتا تھا۔ اس لئے بھی اجمیر میں قیام ضروری تھا۔ پھر زیارت کا بھی موقع مل رہا تھا۔ درگاہ کے علاقہ میں ایک کئی منزلہ عمارت میں کمرے کرایہ سے ملتے ہیں۔ چنانچہ اس عمارت کے دو کمروں میں رات بسر کی۔ اور صبح تفصیل سے زیارت کرکے ۲۹؍اپریل کو اجمیر سے حیدرآباد کے لئے راہی ہوئے۔ اب ہم کو معلوم ہوا کہ ہمارے کابل سے نکلنے کے کچھ دیر بعد ہی وہاں فسادات شروع ہوئے۔ اور داؤد حکومت ۲۷؍اپریل ہی کو ختم کردی گئی۔ ہم نے فوراً اپنے اپنے گھروں کو ٹیلی گرام کئے مگر وہ ہمارے یکم مئی کی صبح کو حیدرآباد پہنچنے کے بعد وصول ہوئے۔ اکثر لوگوں نے ہمارے خیر وعافیت سے گھر پہنچ جانے اور فسادات کے اثر سے بال بال بچ جانے کو امامنؑا کا تصدق ظاہر کیا۔ اور زیارت کے قبول ہونے کی علامت قرار دیتے ہوئے مبارکباد دی۔

بحمد اللہ ہمارے وہ ساتھی جو اس سفر میں ہمارے ساتھ نہ رہ سکے سنا گیا ہے کہ اب ۱۱ر مئی کو فرہ مبارک کے لئے روانہ ہونے والے ہیں۔ خدا کرے کہ سفر فرہ مبارک کا تسلسل جاری رہے اور آئے دن سفر کی سہولتیں زیادہ سے زیادہ حاصل ہوتی رہیں۔ اور ہمارا روضہ مبارک کی تعمیر و ترمیم کا مقصد پورا ہو۔ اس کے ساتھ ہی دعا گو ہوں کہ بعثت مہدیؑ و قوم مہدیؑ کے مقصود ربانی یعنی نصرت دین محمدی کی سمت میں ہمارے قدم تیز روی سے اٹھیں اور نصرتِ اسلام کے خود ساختہ داعی اپنی غلط روی اور راہبری سے آگاہ ہوکر ہمارے رفیق منزل بن جائیں۔ اور عالم اسلام کی موعود نشاۃ ثانیہ کے دور کا آغاز عمل میں آئے۔ **واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ محمدین الکریمین وعلیٰ اٰلھما واصحابھما اجمعین برحمتک یاارحم الراحمینo**

سفر فرہ مبارک

(جون۔1978)

از

جناب سید محمود صاحب ہمنا آبادی

ناب سید محمود بن سید سعد اللہ صاحب ہمنا آبادی
بشکریہ فقیر حضرت سرانداز خاں صاحبؒ غڑے زئی

روئداد سفر برائے زیات

(امام الکائنات حضرت میراں سید محمد جونپوری خاتمِ ولایت محمدیہ مہدئ موعود علیہ السلام)

....

اسمائے گرامی زائرینِ ولایت فرہ مبارک (افغانستان)

۱۔ حضرت فقیر سید نجم الدین صاحب عرف میاں صاحب میاں۔ مشیر آباد
۲۔ حضرت فقیر سید علی مرتضٰی صاحب۔ مشیر آباد
۳۔ حضرت فقیر سید محمد روشن میاں صاحب اہلِ ہستیڑہ
۴۔ حضرت فقیر سید یعقوب صاحب چنچل گوڑہ
۵۔ حضرت فقیر سید روشن میاں صاحب۔ چن پٹن
۶۔ حضرت فقیر محمد سرانداز خاں صاحب غڑے زئی۔ چنچل گوڑہ
۷۔ جناب محمد بڑے خاں صاحب دولت زئی۔ چنچل گوڑہ
۸۔ جناب سید نور محمد صاحب ہمنا آبادی۔ چنچل گوڑہ
۹۔ جناب سید خوندمیر صاحب تشریف اللّٰہی۔ چنچل گوڑہ
۱۰۔ جناب سید نور محمد صاحب اہلِ ہستیڑہ۔ چنچل گوڑہ
۱۱۔ جناب سید باقر صاحب گتہ دار۔ چنچل گوڑہ
۱۲۔ جناب سید عزیز محمد صاحب۔ کاچیگوڑہ
۱۳۔ جناب سید محمود صاحب ہمنا آبادی

جملہ 13 زائرین جو بتاریخ 11/ جون 1978ء روانہ ہوئے۔
بتاریخ 11/ جون 1978ء انجمن مہدویہ چنچل گوڑہ سے بعد تصویر کشی روانگی عمل میں

آئی۔ انجمن کے عہدہ داروں میں سے کوئی اس قافلہ کو خدا حافظ کہنے نہیں آئے۔ صرف جناب بہبود علی خاں صاحب اور جناب سید علی محمود صاحب ہی موجود تھے۔ جن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ مرشدین کرام اور برادرانِ قوم کی ایک کثیر جماعت موجود تھی۔ انجمن و نیز سکندرآباد اسٹیشن پر بعد تسبیح ونعرۂ تکبیر کی گونج میں برادرانِ قوم نے قافلہ کو خدا حافظ کیا۔

سالارِ قافلہ : فقیر سرانداز خاں صاحب غڑے زئی کو بہ اتفاقِ آراٗ سالارِ قافلہ منتخب کیا گیا۔ جناب بڑے خاں صاحب کو دیگر امور یعنی سالارِ قافلہ کی مدد اور دیگر سرکاری امور کی انجام دہی سونپی گئی۔ اس طرح قافلہ کی روانگی عمل میں آئی۔ انجمن سے سکندرآباد 12:20 اور سکندرآباد سے 1:45 دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔

13/جون 1978ء۔ آج بفضلِ خداوندِ کریم بہ خیر و عافیت ٹھیک ایک بجے دہلی پہنچے۔ نئی دہلی اسٹیشن سے ذریعہ ٹیکسی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ 2:30 پہنچے۔ یہاں مشائخ منزل میں قیام رہا اور رات تک آرام کرتے رہے۔

قریباً 7 بجے شب پیر ضامن نظامی صاحب کے کارندے صاحب نے حضرت نظام الدینؒ اولیا اور حضرت امیرِ خسروؒ کی زیارت کروائی اور شب مشائخ منزل ہی میں گزری۔

13/جون صبح حضرت نظام الدین اسٹیشن سے ذریعہ بس مہرولی روانہ ہوئے اور حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت سے فارغ ہو کر پیدل ہی قطب مینار دیکھنے گئے۔ وہاں سے حضرت خواجہ نصیر دین چراغ دہلوی کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ وہاں سے لال قلعہ بھی دیکھا گیا واپس مشائخ منزل آکر اسٹیشن سے پرانی دلی روانہ ہوئے اور رات 9/ بجے ذریعہ امرت سر میل دہلی سے روانہ ہوئے۔ 14/جون صبح 7:30 امرت سر پہنچے۔

دہلی میں درگاہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیا میں قیام کے لئے جناب نواب محمد ماندور خاں صاحب نے ایک تعارفی رقعہ بنام پیر ضامن نظامی صاحب کو دیا تھا جس کی وجہ سے بہت سہولت ہوئی۔ یہ رقعہ جناب سرانداز خاں صاحب اور جناب بڑے خاں صاحب نے حاصل کیا تھا۔

بتاریخ 14/جون۔ دہلی سے امرت سر صبح 7 بج کر 30 منٹ امرتسر پہنچے۔ اسٹیشن سے

قریب Delux ہوٹل میں قیام رہا ایر آفس جا کر ٹکٹ Confirm کروالیا گیا۔ پوارا دن امرت سر میں گزارے۔

اپنا زائد سامان اور انڈین کرنسی جس کو بیرونِ ملک لے جانا منع ہے۔ ایک مقامی بیوپاری کے پاس امانت رکھوائے اور رات ہوٹل میں گزاری۔

15/ جون صبح 8 بجے ہوائی اڈہ پہنچے۔ سامان چک کروا کر 8:30 بجے صبح جہاز میں سوار ہوئے اور ٹھیک 9 بجے پرواز ہوئے۔ ہمارا جہاز بوئنگ 737 تھا اور ٹھیک ہندوستانی وقت کے مطابق 10:30 بجے کابل کے ہوئی اڈہ پر اترے۔

15/ جون۔ کابل ایر پورٹ پر پندرہ روز کا ویزہ ملا جو ہندوستان سے نہیں لیا گیا تھا۔ ایر پورٹ بنک سے ڈالر و افغانی سکّہ بحساب 50 ڈالر مساوی 1,800 روپیے افغانی بنتا ہے حاصل کیا گیا۔ ایر پورٹ پر کسٹم سے فارغ ہونے کے بعد شہر آئے۔ شہر میں بس اسٹانڈ پر ہوٹلیں ہیں وہاں کھانے سے فارغ ہو کر سعادت ٹرانسپورٹ کے ذریعہ ہندوستانی وقت کے مطابق 2:30 قندھار کے لئے روانہ ہوئے۔ ہوائی جہاز کا سفر نہایت اچھا رہا۔

قاعدہ کے مطابق بس میں سیٹ محفوظ کروانی پڑتی ہے لیکن بس اسٹانڈ پر بس تیار مل گئی۔ کابل سے قندھار بس کا کرایہ فی کس ایک سو روپیہ افغانی ہوتا ہے۔ مقامی وقت کے مطابق رات میں 8:30 بجے قندھار پہنچے اور یہاں نیون ہوٹل میں قیام کیے۔ دوسرے دن یعنی 16/ جون کو صبح دوسرے دن یعنی 17/ جون کا بس میں ریز رویشن کرایا گیا کیونکہ صبح 5 بجے یہاں سے فرہ کو ایک ہی بس جاتی ہے۔ ایک بس چلی جائے تو دوسرے دن تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ قندھار میں دو دن اور ایک رات کا جملہ خرچ فی کس 35 روپیہ افغانی ہوا۔ قندھار مقام بہت اچھا ہے یہاں کی سبھی عمارتیں پرانی ہیں۔ تجارت اچھی ہے۔

17/ جون 5 بجے قندھار سے فرہ کے لئے روانہ ہوئے کابل سے قندھار اور یہاں سے فرہ تک بسوں میں ٹھنڈے مشروبات اور کوکا کولا کا انتظام رہتا ہے۔ چونکہ مسافت طویل ہونے کی وجہ سے یہ ضروری بھی ہے۔ راستہ میں کہیں بھی کوئی ہوٹل نہیں ہے۔ آبادیاں سڑک سے دور دور

دکھائی دیتی ہیں ۔ جو بہت قدیم ہیں ۔ جس بس سے قندھار روانہ سے ہوئے وہ عموماً 2 بجے تک فرہ پہنچ جاتی ہیں ۔ قندھار تا فرہ کا کرایہ فی کس 80 روپیہ افغانی ہے ۔ موٹر کسی خرابی کی وجہ سے راستہ میں رُک گئی ' دوسری بس آنے تک جنگل میں وقت گزارنا پڑا ۔ دوسری بس میں سوار ہو کر 7 بجے صبح فرہ شہر پہنچے ۔ جون کے مہینہ میں گرمی زیادہ ہوتی ہے ۔ اس مہینہ میں اسکولوں کو تعطیل ہوتی ہے ۔ فرہ پہنچنے کے بعد ہمارے پاسپورٹ چیک کئے گئے اور ضروری خانہ پُری کی گئی ۔ زبان کا مسئلہ نہایت اہم ہے کیونکہ بہت کم لوگ اردو سے واقف ہیں ۔ سامان فرہ ہوٹل میں رکھا یا گیا اور پولیس عہدیداروں نے عبدالحبیب صاحب املاک سے ملوایا جو اردو سے بخوبی واقف ہیں اور فرہ میں محکمۂ بندوبست میں ملازم ہیں ۔

ہوٹل فرہ کے سبزہ زار پر نماز مغرب ادا کی گئی بعد مغرب کھانا وغیرہ کا انتظام فرہ ہوٹل میں تھا ۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جو باتیں فوجی کیپٹین اور پولیس عہدیداروں سے ہوئی وہ درجِ ذیل کی جاتی ہیں ۔ اردو کا ترجمہ پشتو میں حبیب احمد صاحب نے کیا ۔

فرہ اور اس کے آس پاس کے لوگ اماماً کو '' آقا سید محمدؑ '' کہتے ہیں دور دور سے لوگ زیارت کے لئے مزار مبارک پر حاضر ہوتے ہیں اور نہایت عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور بعض فیض یاب ہوتے ہیں ۔ مہمانوں کا بہت احترام کرتے ہیں ۔ روضۂ مبارک کی آبادی کو نو بہار کہا جاتا ہے ۔ فوجی کیپٹین نے ہمارے فرہ آنے کی وجہ دریافت کی تو ہم نے بتایا کہ نو بہار جو روضہ '' آقا سید محمدؑ '' کا ، ہم آپ کو مہدیٔ موعودؑ مانتے ہیں اور آپ کو مہدیٔ موعودؑ ماننے والوں کی لاکھوں کی تعداد ہندوستان ، بنگلہ دیش ، پاکستان و نیز عرب ممالک میں رہتی بستی ہے ۔ اس لئے ہم سب اسی نسبت کی وجہ سے مملکت افغانستان کی بھلائی چاہتے ہیں کیونکہ یہاں ہمارے آقائے نامدار آرام فرما ہیں ۔

ہم نے بتایا کہ روضۂ مبارک زمانۂ قدیم کا تعمیر کردہ ہے جو اچھی حالت میں نہیں ہے ۔ جگہ جگہ شگاف آ گئے ہیں اس لئے از راہِ کرم تعمیر و ترمیمِ نو کی اجازت دلوائی جائے تو ہم سب مہدویانِ ہند و پاکستان شکر گزار ہوں گے ۔ کیپٹن صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اس صورت میں

کوشش کر سکتے ہیں اگر آپ ایک درخواست گورنر صاحب کے نام لکھ دیں میں آپ کو اُن سے ملواؤں گا اور فوجی عہدیدار بھی روضہ مبارک کے تعلق سے ہر ممکن تعاون کریں گے۔ یہاں ہم لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔ یہ لوگ امامناً سے عقیدت رکھتے ہیں۔

اگر قوم کے ذی اثر افراد اس میں دلچسپی لیں تو ممکن ہے کہ تعمیر کا مسئلہ بہ آسانی طے ہو جائے گا۔ ہم لوگوں نے درخواست تو دی لیکن یہاں رہ کر کارروائی کرنا پڑتا ہے۔ جو توجہ کا طالب ہے۔

17 / جون فرہ سے رات میں 9 بج کر 30 منٹ پر ایک گاڑی 500 افغانی میں کرایہ پر حاصل کی گئی اس میں ہم لوگوں کے ساتھ پولیس کے دو جوان بھی ساتھ دیئے گئے۔ اس کا مقصد ہم لوگوں اور ہمارے سامان کی حفاظت کے علاوہ شائد ہماری حرکات وسکنات پر نظر بھی رکھنا شامل ہو۔ کیونہ عام طور پر یہاں لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ لوگ یہاں خزانے کی تلاش میں آتے ہیں۔

الغرض فرہ شہر سے روانہ ہو کر 10 بجے شب بارگاہِ امامنا علیہ السلام پر حاضر ہو کر قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم گنہگاروں کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ آس پاس میں برقی وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ مدرسہ کا نگران کار جو روضہ کی دیکھ بھال کرتا ہے اُس نے روشنی کے لئے قندیل فراہم کی اور مقامی لوگوں کا جو نو بہار میں رہتے ہیں اور جو روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے رہتے ہیں، بہت تعاون رہا۔

روضۂ اقدس کے قریب ایک آبادی ہے جس کو نو بہار کہا جاتا ہے اسی لئے یہاں کا پرائمری اور ہائی اسکول بھی نو بہار اسکول کہلاتا ہے۔ دونوں مدارس کو گرمائی تعطیلات ہونے کی وجہ سے ہمکو پرائمری اسکول میں ٹھیرایا گیا۔ جس میں ایک مختصر باغ، ایک باؤلی اور ایک باؤلی نما حوض ہے۔ حوض میں پانی، نہر سے چھوڑا جاتا ہے جس پر ایک کمانی دار چھت ہے۔ اس کے ملحقہ ایک کمرے میں جو نہایت ٹھنڈا ہے نماز کے استعمال میں آیا۔ سامان دوسرے کمرے میں رکھا۔

دورانِ قیام معلمین مدرسہ و نوجوانان اور دیگر کئی لوگ ہم سے ملنے آئے اور حالات سے آگہی حاصل کی۔ حضرت سید محمد روشن میاں صاحب اہلِ ہستیڑہ نے بہ زبان فارسی حضرت

موعود علیہ السلام کے بارے میں اُن کوتفصیل سے بھی بات بتائی کہ، آپ نے دعویٰ مہدیت کا کیا تھا اور یہاں کے لوگوں نے و نیز شاہانِ خراسان اور اکابرین مملکت وفوج نے حضرت کی تصدیق کی۔ جون پور سے بہ حکمِ خدا وندی فرہ مبارک تشریف لانے تک کے حالات بتائے اور یہ بھی کہا کہ یہاں چونکہ مہدوی حضرات بہت بڑی تعداد میں رہتے تھے اس لئے شائد آپ لوگوں کے آباواجداد بھی ممکن ہے کہ مہدوی رہے ہوں گے۔اس امکان کوتسلیم کیا گیا۔

میرے برادرِ مکرم جناب سید نجم الدین صاحب قبلہ نے سلامِ عقیدت حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام فریم کروا کر دیا تھا کہ مزار شریف کے اندر دیوار پر آویزاں کیا جائے۔اس کو ہو بہو آویزاں کیا گیا۔جوفوٹو میں نظر آتا ہے۔(جس کو جناب بڑے خاں صاحب نے لیا ہے) اس کلام کو عبدالظاہر ولد گُل محمد ولد شیخ خاں صاحب قریۂ خسف از مخلصان میر محمد ہاشم فرلدیت فردہ نے پڑھ کر آنکھوں سے لگایا۔رحیم الدین سرمعلم نے پڑھ کر کہا کہ شاعر نے بڑا اچھا لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔جس کی تشریح حضرت سید محمد میاں صاحب اکیلوی نے کی۔لوگوں نے کلام کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔کلام مذکورہ کی چند کاپیاں طبع شدہ اب بھی موجود ہیں۔آج 21/جون۔ 1978ء ۱۴/رجب ۱۳۹۸ہجری ختم ہوئی۔

۲۲/ جون ۱۹۷۸ءم ۱۵/ رجب ۱۳۹۸ھ

جناب محمد سرانداز خان صاحب نے بروز جمعرات ۲۲/ جون ، ۱۵/ رجب حضرت امامنا مہدی علیہ السلام کی مزار شریف پر ہاتھ رکھ کر ترک دنیا کی اور پگڑی باندھی اور حاضرین نے مبارکباد دی۔فقیر سرانداز خان صاحب نے کہا کہ حضرت سید شہاب الدین چھابو جی صاحبؒ بانیٔ دائرہ نو کا عرس بھی آج ہی کے دن ہے۔

حضرت سید نور محمد صاحب اکیلوی (سابق کمرشیل ٹیکس ڈپارٹمنٹ) نے ایک کتاب الرائے رکھی ہے اور مہدوی حضرات و دیگر حضرات سے خواہش کی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے نام اور مکمل پتہ لکھیں تا کہ زیارت وقدمبوسی کے لئے حاضر ہونے والوں کا صحیح علم ہوسکے۔اُس

کتاب میں پاکستان اور مقامی لوگوں کے پتے درج ہیں جس میں ایک نام غلام محمد خاں پاکستان بھی ہے لیکن ہم سے پہلے قافلے کا جس میں حضرت محمد میاں صاحب قبلہ اکیلوی و جناب قادر خاں صاحب جو اپریل ۱۹۷۸ء میں حاضر خدمت اقدس ہوئے تھے اندراج نہیں ہے۔ شاید وہ کتاب انہیں نہ مل سکی ہو۔ ہمارے قافلہ والوں نے اپنا نام درج کر دیا ہے اس کی نقل روشن میاں صاحب قبلہ کے پاس ہو سکتی ہے۔

۲۲/ جون کو ایک درخواست بہ غرض تعمیر و درستگی روضہ مبارک گورنر صاحب فرہ لال شاہ کو دی گئی اور انہوں نے یقین دلایا کہ پورا خرچ حکومت برداشت کرے گی کیونکہ ہم لوگ بزرگان دین کا احترام کرتے ہیں۔

پہلی ملاقات میں جو ۱۷/ جون کو فرہ میں ہوئی تھی جس میں تفصیل سے تعمیر و ترمیم پر گفتگو ہوئی تھی جس پر انہوں نے درخواست دینے کا مشورہ دیا تھا۔ بناء بریں روضہ مبارک پر مسودہ بہ زبان انگریزی تیار کیا گیا۔ ۲۱/ کو فرہ جانا تھا لیکن صبح ہونے پر جناب خوندمیر میاں صاحب تشریف اللہی نے کہا کہ درخواست براہ راست نہ دینی چاہئے۔ ذریعہ انجمن یا ذریعہ حکومت ہند دینا چاہئے ورنہ پاسپورٹ منسوخ ہو جائیں گے۔ اسی بحث مباحثہ میں ایک دن ضائع ہو گیا۔ سید نور محمد صاحب نے بھی مخالفت کی کہ تم کون ہو؟ یہ کام تو انجمن کو کرنا چاہئے۔ باوجود ان ساری رکاوٹوں کے فقیر سرانداز خاں صاحب مرشدین کرام، باقر بھائی صاحب اور فدوی نے ایک رائے ہو کر درخواست دینا طے کیا۔ ۲۲/ جون کو فرہ جا کر درخواست گورنر صاحب کو دی گئی۔ اس پر جناب سید باقر صاحب نے دستخط کئے گورنر صاحب نے یقین دلایا یہ تو درست ہے لیکن کوئی وہاں رہ کر کام کرے تو شائد یہ کام ہو جائے لیکن وہاں کے حالات اور آئے دن کی لڑائی میں حکومت بھی مجبور ہے نہ کوئی پوچھنے والا اور نہ کوئی کام کرنے والا۔ اگر حالات سازگار ہوں تو اور یہاں کے بااثر لوگ کوشش کریں تو یہ کام بہ آسانی ہونے کی امید ہے۔

ہر روز دور دراز علاقے سے زائرین و معتقدین کی کثیر تعداد آتی رہتی ہے۔ آج ۲۴/ جون کو ایک بس فرہ سے آئی تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ ہر ماہ دو تین مرتبہ وہ لوگ بسوں کے ذریعہ آتے رہتے ہیں۔ قندھار سے لے کر فرہ، نوبہار اور دوسری آبادی کے لوگ آنحضرتؑ کا احترام کرتے ہیں اور عقیدت مند ہیں اور اپنے آپ کو معتقدین و مخلصین آقا میر سید محمد لکھنا فخر سمجھتے ہیں۔ کتاب الرائے میں ہم نے سر معلم اور ملاؤں کی ایسی تحریریں دیکھی ہیں جس میں انہوں نے میر سید آقا مہدیؑ سے مخاطب کیا ہے اور اپنے مغفرت کے آں حضرتؑ سے طالب ہوئے ہیں۔ اس بات سے عقیدت مندوں کا پتہ چلانا کوئی دشوار نہیں ہے۔ شہر فرہ سے مزار شریف ۱۷/ کیلو میٹر کا فاصلہ ہے۔ اس مقام کا نام مزار کہا جاتا ہے۔ آس پاس کی آبادیاں حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی زیارت و قدمبوسی کو حاضر ہونے والوں کی عزت قدر و منزلت کرتے ہیں اور ہر قسم کی سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔ میوہ جات، ترکاریاں، دودھ، دہی چاول وغیرہ آسانی سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

قدمبوسی و زیارت کو جانے والے زائرین سے خواہش کی جاتی ہے کہ وہ فارسی کے چند ضروری الفاظ یاد کر لیں تو اُنہیں اشیاء کے منگوانے میں سہولت ہوگی۔

آج بروز جمعرات سب حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی نیاز گذرانی گئی بکرا (۸۵۰) افغانی میں خریدا گیا۔ چاول اور دیگر سامان فرہ جا کر لانا پڑتا ہے۔ مزار شریف تا فرہ ذریعہ بس ۱۸ افغانی فی کس کرایہ ہے۔ فدوی اور بڑے خاں بھائی اکثر جا کر سامان لا لیا کرتے ہیں۔ چاول باسمتی ۳۰ افغانی فی کیلو سے لایا گیا اور بریانی سید محمد صاحب ہسٹیڑہ نے پکائی اسکول کے معلمین، مجاور صاحب و بچوں اور پولیس کے لوگوں کو مدعو کیا گیا۔ پانچوں وقت اذاں نماز باجماعت و تسبیح روز ہوتی رہی ہے۔

ایک اہم واقعہ: حضرت سید علی مرتضیٰ صاحب، جناب سید نور محمد صاحب ہمنا

آبادی روضہ مبارک میں تھے۔ایک قافلہ آیا جس میں عورتیں مرد بچے بھی تھے۔لڑکی بے ہوش ہوگئی۔ورثاء نے علی مرتضیٰ صاحب سے کچھ پڑھ کردم کرنے کی خواہش کی۔اُنہوں نے کہا کہ یہاں اپنی مرضی سے کچھ پڑھنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں اور نہ ایسی کوئی کوشش کامیاب ہوسکتی ہے اور ایسا کرنا گستاخی ہے۔البتہ یہاں مزار شریف پر پاؤں مبارک کے پاس پانی ہے اس سے شفا ہوگی یہ کہہ کر پانی جو شیشے میں رکھا ہوا تھا چند قطرے حلق میں ڈالے گئے۔لڑکی ہوش میں آ گئی۔اس لڑکی کے ورثاء نے موصوف کو ایک صد افغانی نذر کرنے چاہے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ ہم للہ یہ کام کئے ہیں اور ہم ایسی گستاخی کے مرتکب نہیں ہوسکتے۔جس مقام سے وہ لوگ یہاں آئے تھے مزار شریف تک کا یک طرفہ کرایہ (۴۰) افغانی ہوتا ہے۔

۲۵/ جون کو عبدالوکیل صاحب پرنسپل آئے تھے۔ان سے امامنّا کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ان کے پاس حیات پاک کی ایک کاپی ہے جو جناب علی اکبر صاحب ابن جناب سید نور محمد صاحب نے دی تھی۔دوسری کتاب جناب سید علی اصغر صاحب کا لکھا ہوا مقالہ بہ زبان انگریزی دیا گیا اور جناب سید روشن صاحب اہل چن پٹن کا لکھا ہوا ایک رسالہ جس میں فرہ، خراسان کے مشہور لوگوں کے نام جنہوں نے حضرتؑ کی تصدیق کی دیا گیا۔

ذکر مکرر:۔ ۲۵/ جون۔بھائی سید نجم الدین صاحب نے جو سلام نذر عقیدت بہ غرض پیشی حضور امامنّا میرے تفویض کیا تھا۔بارگاہ امامنّا میں پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ایک ایک شعر پر ایسا معلوم ہورہا تھا کہ اُنہوں نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہو۔مجھ پر تو ایسی رقت طاری ہوئی کہ زار و قطار ہوگیا۔اکثر بھائی صاحبان و ماموں سید نور محمد صاحب، سرانداز خاں صاحب بھی اشکبار ہوگئے۔کئی بار پڑھا گیا اللہ پاک سے قوی امید ہے کہ آقائے نامدارؑ نے پسند وقبول فرمالیا ہے اللہ کرے کہ آپ کا یہ نذرانہ عقیدت اللہ تعالیٰ اور موعودؑ کی بارگاہ میں شرف قبولیت پائے آمین۔بارگاہ امامنّا میں نام بنام جن بھائیوں نے ہمیں خداحافظ کہا تھا یا

ایسے بھائی جو نہ آ سکے سارے قومی بھائیوں کے لئے اللہ پاک سے ان تمام کی درازی عمر و اقبال وایمان کے لئے دعا کی گئی۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔آج قدوم بابرکت امامنؑا میں گذارنے کی فرہ میں بظاہر آخری رات ہے لیکن ساری عمراور آخرت میں بھی قدم امامنؑا اُمیدواراور وسیلہ مانگنے والوں کو ہمیشہ ہی قدوم مبارک میں اپنا نصیب ہو۔آمین۔

صبح ۴ بجے یہاں سے فرہ روانہ ہونا ہے۔حضور کے سائے میں جملہ۱۴ نمازیں ادا کی گئیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امامنؑا کے وسیلے سے ایک ایک حرکت ایک ایک سجدہ ایک ایک نماز سارے بھائیوں کی قبول فرمائے۔ **آمین ثم آمین یا رب العالمین**

بتاریخ ۲۶/ جون ۱۹۷۸ء بوقت ۴ ساعت صبح حضرت امامنا علیہ السلام کی قدمبوسی و زیارت سے فارغ ہوکر واپسی کی اجازت کے ساتھ بہ چشم پُرنم ذریعہ موٹر جس کا پہلے ہی انتظام کرلیا گیا تھا روانہ ہوکر ۵ بجے فرہ پہنچے۔بعد نماز فجر فرہ سے ٦ بجے صبح بس کے ذریعہ روانہ ہوکر ۲ بجے دن قندھار آئے۔سامان Saadat Transport میں رکھ کر شب کی گاڑی کا ٹکٹ لیا گیا اور سات کی گاڑی فیل ہوجانے سے رات وہیں گذار کر صبح ۲۵-٦ مورخہ ۲۷/ جون ۱۹۷۸ء کوسفر شروع ہوا اور دو بجے کابل پہنچے۔اور قیام بلخ مہمان خانہ میں کیا گیا۔رات وہیں گذری پاسپورٹ اندراجات اور ٹکٹ Confirm کرواکر ۲۹/ جون ۱۹۷۸ء کو کابل ایر پورٹ سے ۳۰-۱۱ صبح روانہ ہوکر ٹھیک ایک بجے امرت سر پہنچے اور بذریعہ ٹیکسی ریلوے اسٹیشن پہنچے تمام دن اسٹیشن پر گذار کر رات کے ۳۰-۹ بجے دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔امرت سر اسٹیشن پر جناب بڑے خاں صاحب کا مزاج اچانک ناساز ہوگیا۔اس وجہ سے سب کوتشویش لاحق ہوئی۔بعدازاں اللہ کے فضل سے ٹھیک ہوگئے۔اسی افراتفری میں بڑے خاں صاحب سارے ریلوے ٹکٹ اور ضروری کاغذات Waiting Hall ہی پر چھوڑ کر گاڑی میں سوار ہوگئے لیکن ٹکٹ چیکر جو ہم کو وہاں تمام دن دیکھتا رہا تھا وہ کاغذات ہم کو گاڑی میں لاکر پہنچا دیا۔ ورنہ بغیر ٹکٹ کیا حالت ہوتی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اس کو بھی امامنا علیہ السلام کا تصرف اور معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے ورنہ ٹکٹ کھو جانے کا واقعہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ ریلوے کا آدمی ہی لاکر گاڑی میں دے گیا۔کابل روانگی سے قبل جو امانت ہم نے رکھوائی تھی وہ واپس حاصل کر لی گئی

۔ اتنے دور، دراز سفر میں کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہوئی ۔ نہایت آرام سے سفر گذرا اور آج دہلی میں تمام دن اسٹیشن پر گذرا ۔ ۲۸/ جون کو دہلی ۹ بجے آئے ۔ دہلی میں ایک دن قیام کر کے رات ۳۰۔۱۰ بجے ذریعہ احمد آباد میل اجمیر شریف روانہ ہوئے اور صبح ۳۰۔۹ بجے اجمیر شریف پہنچے ۔ نواب ماندور خاں صاحب کے دیئے ہوئے رقعے کی وجہ سے یہاں بھی قیام میں سہولت ہوئی ۔

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زیارت سے سرفراز ہوئے ۔ بازار، تالاب وغیرہ دیکھنے گئے اور رات وہیں گذری ۔ صبح میں ۹ حضرات اجمیر شریف سے حیدر آباد واپس ہوئے جن کے نام یہ ہیں ۔

(۱) حضرت سید علی مرتضٰی صاحب

(۲) حضرت سید محمد روشن میاں صاحب ہستیڑہ

(۳) جناب سید باقر صاحب

(۴) جناب سید یعقوب صاحب

(۵) جناب سید روشن صاحب چن پٹن

(۶) جناب سید خوندمیر صاحب تشریف اللہی

(۷) جناب محمد بڑے خاں صاحب

(۸) جناب سید نور محمد صاحب ہمنا آبادی

(۹) جناب سید عزیز محمد صاحب کاچی گوڑہ اور باقی چار زائرین حضرت سید نجم الدین میاں صاحب میاں، جناب سید نور محمد صاحب ہستیڑہ، فقیر محمد سرانداز خاں صاحب اور راقم الحروف سید محمود ہمنا بادی جئے پور روانہ ہوئے ۔

فقیر سرانداز خاں صاحب کو بزرگان دین سے خاص عقیدت اور الفت ہے ۔ آپ ہی کی ایماء پر جئے پور اور بڑا دائرہ وغیرہ کا سفر اختیار کیا گیا ۔ جئے پور سے ذریعہ بس چوموآئے ۔ یہاں سے کوئی ذریعہ آمد و رفت نہ ہونے سے جیپ کے ذریعہ بڑا دائرہ پہنچے بڑا دائرہ میں حضرت سید اشرف عرف سید نجی میاں صاحب سجادہ دائرہ کلاں کے مہمان رہے ۔ یہاں پر قابل ذکر ہستیوں کی زیارتیں کی گئی ۔ چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں ۔

حضرت سید نجم الدین صاحبؒ ابن حضرت سید منجو صاحبؒ ابن حضرت بندگمیاں سید خوندمیر ابن حضرت بندگمیاں شاہ یعقوب رضی اللہ عنہ وحضرت بندگی میاں سید میرانؒ ابن حضرت بندگمیاں شاہ قاسم مجتہد گروہؒ خلیفہ وفرزند آغوشی وجانشین حضرت سید نجم الدین صاحبؒ بانی دائرہ کلاں حضرت سید اشرف صاحبؒ فرزند حضرت سید میرانؒ وحضرت سید شہاب الدین چھابو جی صاحبؒ کی زیارتیں کی گئیں۔

دائرہ کلاں کی مسجد نہایت اچھی حالت میں ہے۔آس پاس پرانے پختہ مکان دومنزلہ ہیں جو اپنی عظمت کا پتہ دیتے ہیں لیکن مکینوں سے خالی۔

مزارات پر گنبدیں ہیں۔در، ودیوار پر نقش ونگار اچھی حالت میں باقی ہیں۔امتداد زمانہ و عدم نگرانی کے باعث اکثر قبور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔صفائی کا انتظام نہیں ہے۔گنبد میں مزاروں کے قریب زرعی آلات اور گھاس کے انبار لگے ہوئے ہیں۔

حضرت سید نجم الدین کی مزار شریف سنگ مرمر کی ہے

نیا دائرہ:۔ ان مقبروں کے دو تین فرلانگ پر دائرہ نو کی بڑی عالیشان مسجد ہے جو کہ بانیٔ دائرہ حضرت سید شہاب الدین چھابو جی صاحبؒ کے خدام کی تعمیر کردہ ہے۔مسجد ہذا کی کرسی تقریباً ۶ فٹ اونچی ہے۔صحن مسجد میں ۴ فٹ گہرا پانی کا حوض موجود ہے جو کسی وقت نمازیوں کی سہولت کے لئے بنایا گیا تھا۔ایک برگد اور دوسرا کھیرنی کا درخت بہت بڑا اور سایہ دار ہے۔مسجد اور گنبدوں کی تعمیر سے اس دور کے اُمراء اور مریدان حضرات ممدوح کی استطاعت ووارفتگی اور کامل عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

بچپڑی:۔ بیچ پڑی میں حضرت سید منجو صاحب حکیم وسجادہ صاحب کے ہاں رات کا کھانا ہوا۔موصوف نے دعوت دی تھی۔

۳/ جولائی کو ظہر کی نماز مسجد دائرہ نو میں ادا ہوئی۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۲ ہزار معزز پٹھان بھائیوں نے حضرت سید نجم الدین صاحبؒ کے دست مبارک پر تصدیق حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے مشرف ہوئے تھے۔ہر ایک پٹھان سردار نے ایک بستی قائم کی تھی اس طرح ۱۲ بستیاں آباد ہوئیں تھی جن کے نام یہ ہیں۔

تگریہ، نیوانہ، ہستیڑہ، بندیل کھنڈ، ملک پور، کالا ڈیرہ، ڈونگری، ہنگو نیا، آمیر، امرسر،

رسول پورہ، اعظم نگر ، دگوانہ، ہوشیارہ وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں ۔ یہاں مہدوی حضرات کثیر تعداد میں رہتے بستے تھے۔اب صرف چند لوگ باقی ہیں ۔ یہ لوگ یا تو ترک مقام کر کے چلے گئے اور چند پاکستان منتقل ہوگئے ۔مکانات خالی پڑے ہوئے ہیں۔

بڑا دائرہ سے دوپہر ۳۰۔۱۲ منٹ پرنگریہ ہوتے ہوئے نیوانہ اور وہاں سے چومو پہنچے ذریعہ بیل گاڑی چومو سے جئے پور آئے ۔شب جئے پور اسٹیشن پر گذری ۔صبح ۵/ جولائی ۱۹۷۸ءکوذریعہ احمد آباد میل پالن پور کے لئے روانہ ہوئے لیکن بجائے پالن پور Falnas پر اُتر گئے کیونکہ یہاں سے جالور شریف قریب ہوتا ہے فالنا پر اُتر کر ذریعہ بس جالور شریف ۵ بجے شام پہنچے۔بس اسٹانڈ کے قریب گول بنگلہ نامی ہوٹل میں کمرہ کرایہ پر لے کر سامان رکھا اور زیارت کے لئے روانہ ہوئے ۔حضرت بندگی میاں سید محمود سیدنجی خاتم المرشد رضی اللدعنہ کا مزار مبارک عام طور پر ''میاں صاحب کا حجرہ کہلاتا ہے''۔آٹو کرایہ کر کے حضرت کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے شہر سے تقریباً ایک میل دور پہاڑ کے دامن میں آپ کا گنبد مبارک واقع ہے ۔چبوترے پر گنبد شریف ہے جو پختہ حصار میں ہے اور ۶ فٹ اونچا حصار ہے ۔گنبد میں حضرتؓ کی مزار شریف ہے ۔حضرتؓ کے پہلو میں حضرتؓ کے فرزند کلاں حضرت بندگی میاں سید میراںؒ ستون دین آسودہ ہیں ۔حضرتؓ کے قدموں میں جبہ سائی و زیارت سے سرفراز ہوئے اور واپس آکر ہوٹل میں شب گذاری گئی۔دوسرے روز صبح مکرر حضرت خاتم المرشدین رضی اللدعنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔مزار شریف اور اطراف واکناف میں نور کی کیفیت ہے ۔ بیرون گنبد مبارک اور کئی قبور ہیں جو نہایت اچھی حالت میں ہیں ۔گنبد مبارک کے اندرونی حصہ میں رنگ بیل بوٹے ہیں ۔زیارت حضرتؓ پر مکرر حاضری دے کر دعاء کے طالب ہوئے اور سبھوں کیلئے دعا کی گئی ۔چبوترے پر سیدھی جانب ایک مسجد بھی ہے

مزار شریف پر سبز غلاف ہے جس پر مہدیؑ اور محمودؓ تحریر ہے ۔دوسرا مزار کے غلاف پر حضرت سید میراںؒ ستون دین تحریر ہے۔حضرت کی قدمبوسی وزیارت سے فارغ ہوکر ۳۰۔۱۰ کو واپس ہوٹل آئے ۔اور یہاں سے حضرت ثانی مہدیؑ کے آستانہ پر حاضری کے لئے تیاری شروع ہوگئی۔

رہنمائے زائرین میں جالور شریف میں معلومات کے لئے لال میاں سے معلومات حاصل

کرنا لکھا ہے لیکن لال میاں، لال پیلے معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے آنے سے انکار کردیا کیونکہ بقول ان کے وہاں جانے والے زائرین نے اُن کی کوئی مدد نہ کی اس لئے انہوں نے بھی انکار کردیا۔

بتاریخ ٦/ جولائی ۱۹۷۸ء کو تین بجے دن جالور شریف سے براہ Bhildi جنکشن رادھن پور کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں سے بھیلوٹ شریف جانا ہے۔ زیارت حضرت بندگیمیاں سید محمود ثانیٔ مہدیؑ کے بعد فراغت زیارت حضرت بندگیمیاں سید محمود سیدنجی خاتم المرشدینؓ

نوٹ: سید نور محمد صاحب اہل ہستیڑہ جالور شریف سے زیارت کے بعد بھیلڈی تک ساتھ رہے اور براہ پالن پور حیدرآباد واپس ہوگئے۔ اب صرف ۳ زائرین رہ گئے۔ حضرت میاں صاحب میاں حضرت سرانداز خان صاحب اور راقم الحروف سید محمود ہمنابادی۔ ۳ بجے دن جالور سے روانہ ہوکر بھیلڈی 9:30 بجے رات پہنچے۔ اور رات اسٹیشن پر گذار کر 2:30 بجے رات کو رادھن پور کے لئے روانہ ہوئے۔ رادھن پور 4:30 بجے صبح پہنچے۔ بعد نماز فجر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بی بی بڈھنؓ کی زیارت کی گئی۔ پلیٹ فارم رادھن پور پر کھڑے ہوں تو 500 قدم کے فاصلے پر منجانب مغرب ایک چبوترہ پر یہ دونوں مزارت ہیں۔ اسٹیشن سے باہر جانے کے بجائے پلیٹ فارم سے ہی دیکھیں تو، بہ آسانی قبور نظر آجائیں گی۔ دور جانا نہیں ہوگا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بی بی بڈھنؓ کی زیارت سے فارغ ہوکر بس کے لئے آدھا میل سامان سروں پر لے کر جانا پڑا۔ بالآخر بس مل گئی۔ اور بحمد اللہ 10 بجے دن بھیلوٹ شریف پہنچے۔ روضۂ مبارک نیا تعمیر کردہ ہے اور نہایت شاندار اور مختصر ہے۔ حمام سے فارغ ہوکر مزار پر حاضر ہوئے۔ دروازہ مقفل رہتا ہے۔ چابی فقیر سید اجمل صاحب خوندمیری کے پاس رہتی ہے۔ دروازہ کھولا تو سبھوں نے محسوس کیا کہ جنت میں پہنچ گئے ہیں۔ اتنا بارونق اور پرنور سماں تھا کہ کیف طاری ہوگیا۔ حضرت ثانی مہدیؑ کا مزار پاک بھی ہمارے آنے کے کچھ دن بعد

مکمل ہوگیا ہے۔ جو سنگ مرمر کا ہے۔ جن پر سنگ مر مر کا تعویذ اور ٹائلس برائٹ فنش کا کام کیا گیا ہے اور نیچے اور نیچے 5 فٹ کی ابتدائی بلندی تک گل بوٹے والے ٹائلس استعمال کئے گئے ہیں۔ جو بہت چمکدار ہیں۔ ان مزارات پر ناموں کی تختیاں بھی لگائی گئی ہیں حضرت ثانی مہدیؓ کے مزار مبارک کا تعویز سنگ مرمر کا ہے۔ اونچائی 3 فٹ اور لمبائی 6 فٹ ہے۔

گنبد مبارک کے اندر ہی مسجد ہے جس میں بیک وقت 40 مصلی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد بھی صحیح ڈھنگ سے بنائی گئی ہے جو بہت اچھی ہے۔ دروازہ بند رکھنے کے باوجود اوپری آئیتوں سے سبز روشنی آتی رہتی ہے۔ روضہ مبارک اور مسجد کے درمیان 3 فٹ اونچی RCC کی دیوار ہے۔ مسجد اور روضۂ مبارک کا ایک ہی راستہ ہے۔ دروازے آہنی ہیں لائٹ کا انتظام بھی ہے۔ گنبد پر مرکیوری بلب لگایا گیا ہے جو رات کے وقت دور سے دکھائی دیتا ہے۔ آئندہ کے پروگرام میں کمپونڈ وال، زائرین کے لئے رہائش گاہ پانی کی سربراہی کے لئے کنواں، ٹانکی، وضو کے لئے نل کی فٹنگ وغیرہ ہے۔

زیارت حضرت بندگیمیاں شاہ خوندمیر صدیق ولایتؓ

''رحمت ہی رحمت برستی ہے میاںؓ کے آستانہ پر''

﴿ بشکریہ ماہنامہ فضیلت حیدرآباد۔ مورخہ اگسٹ 2001ء ﴾

سفرنامہ فرہ مبارک

(2005)

از

حضرت سید یعقوب روشن یداللّٰہی صاحب

❁❁❁❁❁

حضرت سید یعقوب روشن ید اللٰہی صاحب

سفرنامہ فرہ مبارک

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس خاکسار کو حضرت امام مہدی آخرالزماں خلیفتہ الرحمٰن خاتم ولایت محمدیہ کے مزار اقدس کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ سفر 11/اگست 2005 سے شروع ہوا۔ 22/اگست 2005ء پر ختم ہوا۔ ہم کو حضرت کی مزار اقدس پر تین دن کی حاضری کا موقع ملا اور آخری زیارت رجب المرجب کی دوسری جمعرات کو تھی۔ اس سفر میں یہ ناچیز ایک قافلہ کے ساتھ شریک تھا جو حسب ذیل افراد پر مشتمل تھا۔

(۱) حضرت مشائخ سید خوندمیر صاحب محمودی اہل پالکوڑ (۲) حضرت سید محمود نجف میاں صاحب (دائرہ نو) خلف حضرت سید خدابخش میانجی میاں صاحب خوندمیری (۳) جناب سید عبداللہ عرف روشن میاں صاحب خلف حضرت سید دلاور میاں صاحب رشدیؒ سالار قافلہ (۴) حضرت سید عیسیٰ عزیز صاحب (۵) حضرت سید یعقوب اہل دائرہ نو (۶) جناب سید خوندمیر صاحب خوندمیری (۷) جناب سید نصراللہ مسعود میاں صاحب خلف سید عبداللہ صاحب اسحاقی (۸) محمود امانت خان صاحب خلف فاروق حیدر علی خان صاحب عرف مہدی منو صاحب مہمند زئی (۹) جناب سید ابراہیم مجتبیٰ صاحب خلف جناب سید شہاب الدین صاحب اسحاقی (۱۰) جناب حشمت علی خان حسین زئی خلف جناب شمس الدین خان صاحب حسین زئی۔

شہر فرہ میں اس قافلہ میں ایک اور شخصیت سید یوسف تجمل دائرہ نو بھی شریک ہوئے۔ یہ دوبئ سے کابل اور پھر وہاں سے فرہ آکر قافلہ میں شریک ہوئے۔ انہوں نے سفر کی تفصیل مہدویہ گروپ کے ای میل پر روانہ کی۔ مزید تفصیلات جناب سید نصراللہ مسعود اسحاقی (اکسپرٹ گرافکس) مکان نمبر 443-4-16، روبرو مرکزی انجمن مہدویہ، چنچل گوڑہ، حیدرآباد سے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

یہ قافلہ 11/اگست مطابق 5/رجب المرجب جمعرات صبح بعد از نماز فجر ناملی اسٹیشن سے اے پی ایکسپرس کے ذریعہ روانہ ہوا۔ قافلہ کو وداع کرنے کے لئے برادران ملت کی کثیر

تعداد موجود تھی۔صبح کے سہانے وقت تکبیر کے روح پرورنعروں کے درمیان ٹرین 40-6 بجے روانہ ہوئی۔

12-8-2005: دوسرے دن جمعہ کوصبح 9 بجے دہلی پہنچے۔دہلی میں حضرت نظام الدین اسٹیشن پراتر کر ہمارا قافلہ نزدیک ہی قریش گلی میں ہوٹل قریش پہنچا۔یہ ہوٹل نہ صرف حضرت نظام الدین اسٹیشن سے قریب ہے بلکہ مناسب اخراجات پرضروری سہولتیں بھی فرہم کرتا ہے۔کھانے کا خرچ بھی زیادہ نہیں ہے۔دال سبزی اور دہی بھی دستیاب ہے یہاں پر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔رات ہوٹل میں گذاری۔

13-08-2005 دہلی سےصبح 8 بجے پالم ایر پورٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ایر پورٹ پر تنقیح اوردوسری ضروری کاروائیوں سے فارغ ہوکرتقریباًایک گھنٹے کی تاخیر سے جہاز میں سوار ہوئے جہاز میں کیپٹن پائلٹ نے اعلان کیا کہ کابل کا ایر پورٹ شہری ہوابازی کے لئے بند ہے یہ جب بھی کھول دیا جائے گا جہاز روانہ ہوگا۔تقریباًمزید آدھے گھنٹے کے بعد جہاز روانہ ہوا۔3 بجے کےقریب کابل پراترے۔افغانستان کا وقت ہمارے وقت سے ایک گھنٹہ پیچھے ہے۔پولیس شناخت وغیرہ کےمراحل سے گذرکرہم باہرآئے اور ہرات کے جہاز کی تفصیلات معلوم کیں پتہ چلا کہ روزانہ ایک فلائیٹ ہےلیکن اس میں ہفتہ تک کوئی گنجائش نہیں ہے۔اگر ہرات تک جہاز سے جائیں تو سڑک کا راستہ کم ہوجاتا۔بحالت مجبوری سڑک کا راستہ اختیار کرنا طے پایااورگاڑی کے انتظام کے لئے دواشخاص یعنی جناب مسعود میاں صاحب اور جناب محمود خان صاحب کوروانہ کیا گیا۔باقی لوگ ایروڈرم کے وارنڈے میں انتظار کرنے لگے۔ایک گھنٹہ کے بعد ایروڈرم کا علاقہ یہ کہہ کرخالی کرادیا گیا کہ مہمان آرہے ہیں اور ہم ایروڈرم کے باہر ایک شیڈ کے نیچے ٹھہر گئے۔کچھ ہی دیر بعد دوفوجی گاڑیاں اور دبابے آئے اور ایروڈرم پر مورچہ سنبھال لیا اور کسی کو اتار کر چلے گئے۔یہ واقعات لکھنے کی وجہ متوقع زائرین کو یہ بتلانا ہے کہ سیکوریٹی کے انتظامات بہت سخت ہیں اوران کو برداشت کرنا ہوگا۔قریب 5 بجے ہماراانتظار ختم ہوااورایک منی بس جو 21 نشستی ہوتی ہے آئی جو ہم کوفرہ مبارک تک لے جانے والی تھی۔سب بس میں سوار ہوئے اور شہر کابل میں داخل ہوئے بغیر ہی فرہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔

رات 8 بجے کے بعد ایک مقام سالار پر گاڑی روک دی گئی جہاں دھابہ نما ایک ہوٹل تھی۔ یہاں پر ضروریات سے فارغ ہوئے اور نمازیں ادا کیں۔کھانا میز کرسی پر دیا گیا لیکن دستر بچھا کر بھی کھانا دینے کا انتظام ہے۔کھانے میں گوشت کا سالن جو انتہائی فربہ دُنبہ یا بکرے کا ہوتا ہے جس میں چکناہٹ زیادہ اور شوربہ کم ہوتا ہے ساتھ میں سلاد اور نان نما روٹی جس کو کلچہ بھی کہا جاتا ہے دی جاتی ہے۔ مانگنے پر چاول بھی ملتے ہیں جو سادی بریانی کی طرح تیل میں پکائے جاتے ہیں۔ یہ غذا ایک آدھ بار تو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن مسلسل اس کا کھانا صحت کے لئے مناسب نہیں۔اس لئے مناسب یہ ہے کہ چاول اچار اور دال ساتھ رکھ لیا جائے۔ باقی مسالحہ جیسے نمک مرچ وغیرہ وہاں مل جاتے ہیں اور چھوٹے گیس کے اسٹو بھی مل جاتے ہیں اس طرح خود پکا کر کھایا جاسکتا ہے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو غذا اپنے مزاج کی ملتی ہے دوسرے خرچ بھی کم آتا ہے۔اگر بڑا قافلہ ہو تو ایک پیشہ ور باورچی کو بھی ساتھ رکھنا مناسب ہے۔

14-08-2005: صبح فجر کی نماز کے بعد روانگی ہوئی اور قندھار پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے جو پاکستان اور ایران کی سرحد کے نزدیک ہے جنگوں کا زیادہ اثر یہیں ہوا ہے۔کابل اور دوسرے مقامات پر بھی جنگ کی باقیات جیسے شکستہ فوجی گاڑیاں، دیواروں اور لائٹ کے کھمبوں پر گولیوں کے نشانات نظر آتے ہیں لیکن قندھار اور اس کے بعد کا علاقہ زیادہ متاثر ہے کابل سے قندھار تک کی نئی تعمیر شدہ سڑک ہے جو آرام دہ ہے اور تیز رفتار سفر کے لئے مناسب ہے کابل اور قندھار کا درمیانی فاصلہ 505 کلومیٹر ہے قندھار سے ٹیلی فون کی خانگی سہولت موجود ہے جہاں سے گھروں کو اطلاعات وغیرہ دی گئی۔ پورے افغانستان میں جس چیز کی کمی محسوس ہوئی وہ لائٹ اور ٹیلی فون ہے پھر بھی جگہ جگہ جنریٹرس کے ذریعہ روشنی پیدا کی جارہی ہے۔ بنیادی سہولتوں کی تعمیر تجدید کا کام جاری ہے جو آج سے 10 سال کے اندر مکمل ہوسکتا ہے۔قندھار میں رکے بغیر ہماری بس روانہ ہوئی۔قندھار سے ہرات جانے والی سڑک وہی ہے جو کابل سے شروع ہوتی ہے۔قندھار کے بعد یہ سڑک گو کہ سمنٹ روڈ ہے لیکن شکستہ اور زیر تعمیر ہے۔ اس لئے سفر کی رفتار بھی سست ہوتی ہے اور سڑک کی تعمیر کی وجہ سے جگہ جگہ Diversions ہیں جس کے باعث میلوں صحرا اور چٹیل میدانوں میں کچے راستوں پر گذرنا

پڑتا ہے یہ سفر قریب 10 گھنٹہ کا ہے اس سفر کے دوران دو اہم واقعات پیش آئے۔ ایک تو یہ کہ ایک مقام پر ہماری گاڑی کا اگلا ٹائر پھٹ گیا۔ حادثہ اتنا شدت کا تھا کہ ٹائر ریم سے نکل کر ایک طرف چلا اور ریم ڈرم کو چھوڑ کر کہیں نکل گیا۔ ٹیوب تو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہوا لیکن اللہ کی کرنی ایسی ہوئی کہ مسافرین اور ڈرائیور کو کوئی دھکہ لگا اور نہ ہمارے سامان کو نقصان پہنچا۔ بہر حال اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے گاڑی سے اُترے۔ محفوظ ٹائر گاڑی کو لگایا گیا جو ایک مشکل مرحلہ تھا اس کے بعد گاڑی روانہ ہوئی کچھ دوور جانے کے بعد ایک جگہ گاڑیوں کو روک دیا گیا تھا۔ یہ بتلایا گیا کہ آگے جنگ ہو رہی ہے نہ جانے کب سے گاڑیاں رکی ہوئی تھیں ہم کو قریب ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد فوجی گاڑیاں اور دبابے واپس ہوئے اور ہم کو آگے جانے کی اجازت ملی۔ یہاں سے آگے بڑھ کر ہم **دلآرام** مقام پر **بابا ولی** ہوٹل پر رکے جہاں تقریباً پوری بسیں رات گذارتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے سفر کی اجازت سکیورٹی کی بنیادوں پر نہیں دی جاتی۔ **بابا ولی** نام کی کئی ہوٹلیں اس شاہراہ پر قندھار کے بعد ملتی ہیں۔ اس ہوٹل کے بازو ایک مسجد بھی تھی جہاں طہارت اور وضو کا انتظام تھا۔ نمازیں ادا کیں کھانا کھایا، پورے افغانستان میں چائے کے نام پر ہلکا ڈکاشن جو عام پتی کا ہوتا ہے یا سبز چائے کا ڈکاشن ملتا ہے۔ گھاوا بھی ملتا ہے مگر یہ سب انتہائی لطیف ہوتے ہیں۔ مقامی لوگ یہ آمیزہ سلیمانی کہہ کر بغیر شکر کے پیتے ہیں۔ ہم نے شکر طلب کی اسے مقامی زبان میں بورا، یا چینی کہتے ہیں شکر کی آمیزش کے بعد ایک اچھا لطیف مشروب بن گیا جس میں بعض اوقات روٹی ڈبو کر کھائی گئی۔ دلارم مقام پر بالکل اتفاقاً شہر فرہ کے مکین جناب جمعہ خاں بشیری سے ملاقات ہوئی ان کے نو بہار موضع میں بھی زمینات ہیں یہ اپنی بس چھوڑ کر ہمارے ساتھ ہو گئے ان کی موجودگی ہمارے لئے کئی سہولتوں کا باعث بنی۔ خصوصاً کئی مقامات پر پولیس کی چکنگ کے وقت فارسی میں یہ ہمارے آنے کا مقصد اور درگاہ شریف کا تقدس سمجھاتے اور یہ کہتے کہ یہ ہندی مسلمان ہیں جس پر سختی سے چکنگ کے بجائے ہمیں چھوڑ دیا جاتا۔ حضرت مشائخ سید خوند میر میاں صاحب کی موجودگی بھی ہمارے لئے باعث سہولت و برکت ہوئی اکثر نوجوان پولیس والے جو AK47 رائفل سے مزین ہوتے تھے حضرت کو دیکھ کر سلام کرتے اور ہمیں

جانے کی اجازت دیتے تھے۔

15-08-2005: دلارم میں رات گذار کر صبح 4 بجے ہماری بس روانہ ہوئی ۔صبح کا سہانہ وقت اور سفر پہاڑوں اور صحرا کے بیچ نہایت خوشگوار لیکن سڑک کی خرابی اور ہر 5, 10 کلومیٹر پر چکنگ سفر کی رفتار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ راستہ میں کئی جگہ گاڑیاں روک کر لوگ نماز ادا کررہے تھے قریب 350 کلومیٹر سفر کے بعد اس شاہراہ سے ایک شاخ فراح کی طرف جاتی ہے اور شاہراہ ہرات تک ۔اس مقام سے فرہ شہر تقریباً 100 کلومیٹر ہے جب ہم اس راستہ پر آگے بڑھے تو سڑک کی دونوں جانب سفید نشانات کا میلوں میدان نظر آیا سڑک بھی کانکریٹ کی اور کچی ہے کبھی کبھی نشانات کے بالکل قریب سے گاڑی گذرتی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بارودی سرنگیں ہیں جو طالبان نے بچھائی تھیں۔ جواب صاف کی جارہی ہے۔ کئی مقامات پر فوجی بارودی سرنگوں کا سروے بھی کررہے تھے۔ اور جہاں بھی اسکی علامات ملتی تو وہ پتھر رکھ کر اس پر چونا کردیتے ہیں۔ اس طرح ہزاروں سرنگیں پھیلی ہوئی ہیں ۔اللہ کے فضل سے ہمارا سفر مناسب رفتار سے جاری رہا اور قریب ایک بجے فرہ شہر پہنچے۔ یہ شہر 3 لاکھ کی آبادی پر مشتمل ہے یہاں لائٹ اور ٹیلیفون کی سہولتیں نہیں ہیں۔ اس لئے جنریٹر اور سل فون سے کام چلایا جاتا ہے سڑکوں پر سمنٹ اور ڈانبر کا کام جاری ہے۔ یہاں پر جناب محمود خاں صاحب اور جناب مسعود میاں صاحب پولیس کے پاس ہماری آمد کی اطلاع دینے گئے۔ انہوں نے خوش اخلاقی سے استقبال کیا اور بتلایا کہ الکشن کا دور ہے اس لئے ہم زیادہ دن نہ ٹھہریں تو مناسب ہے کیونکہ وہ اپنی مصروفیات کی بنیاد پر ہمیں وہ تحفظ فراہم نہیں کرسکتے جس کی کہ اس دور میں ضرورت ہے انہوں نے ہمارے پاسپورٹ لئے اور ایک پولیس دستہ کی نگرانی میں ہمیں ایک ہوٹل میں ٹھہرایا اور صبح کو فرہ مبارک کو روانگی کی اجازت دی اور کہا کہ رات وہاں نہ گذاری جائے مجبوراً بھاری دلوں کے ساتھ رات ہوٹل میں گذاری جس کا نام ہلال ہوٹل تھا۔ ہمارے روح کی بے چینی یہ تھی کہ اتنے قریب پہونچ کر بھی مزار مبارک کے دیدار سے محروم تھے اور دل میں یہ خوف بھی تھا کہ کیا ہم اس قابل نہیں ہیں کہ حضرتؑ کی قدمبوسی نصیب ہو۔ اپنے گناہوں کو یاد کر کے اور اپنی زندگی کے طریقہ کو دیکھ کر جب ہم امامؑ کی تعلیمات پر ایک نظر

ڈالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم اس قابل نہیں کہ مزار اقدس پر حاضری دیں۔لیکن جب اللہ کی رحمت کا خیال آتا ہے تو یقین ہوتا ہے کہ ضرور رحم ہوگا اور ہماری آرزو پوری ہوگی۔اس آرزو کی تکمیل میں حضرت مشائخ سید خوندمیر صاحب اہل پالکوڑ کی موجودگی بھی ایک سہارا ثابت ہوئی۔حضرت اپنی کبرسنی، کمزوری اور پیر کی تکلیف کے باوجود نہایت استقامت، استقلال اور صبر کے ساتھ یہ کٹھن سفر طے کر رہے تھے۔اور ہم کو بھی ہمت دلا رہے تھے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے گا۔خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔

16-08-2005: اور ہم حضورؑ کے مزار اقدس پر حاضری کی تیاری میں لگ گئے غسل کیا کچھ نقل وغیرہ خریدے اور بس میں سوار ہوئے قافلہ کے ہر فرد کو جہاں خوشی تھی کہ اپنی زندگی کا ایک اہم کام کرنے جا رہا ہے وہیں ایک طرح کا خوف اور لرزا بھی تھا کہ اس دربار میں حاضری کیسے ہو فرہ شہر سے حضرتؑ کا روضہ اقدس 15 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔کچی سڑک ہے بیچ میں ایک چھوٹا دریا حائل ہے جس پر پختہ پل ہے مزار مبارک سے قریب دو فرلانگ پہلے ہی حضرت کی گنبد نظر آتی ہے اور اسکی شناخت بھی ہوجاتی ہے۔یقین مانئے کہ پورے قافلہ میں سوائے ایک صاحب کے ہر ایک کا سفر پہلا تھا لیکن ہر ایک نے دور سے ہی روضہ کی شناخت کر لی۔حالانکہ روضہ کی گنبد اور دیواروں کو مقامی مٹی سے لیپ دیا گیا ہے جس کے باعث وہ دور سے عام مکانات کے مماثل ہی نظر آتی ہے لیکن اسکی جوشان اور اس پر نظر پڑنے سے جو روحانی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی اس کی شناخت کا باعث ہے۔

روضہ اقدس سے قریب آدھا فرلانگ پر گاڑی روک دی گئی گاڑی سے اترے گاڑی میں ہمارے ساتھ 6 فوجی جوان سکیورٹی کے لئے دیئے گئے جو ہم سے پہلے گاڑی سے اتر کر اطراف کی دیواروں پر چڑھکر دیکھ لیتے تھے کہ کوئی خطرہ تو نہیں۔روضہ اقدس کے اطراف پہلے سینکڑوں مزاریں تھیں جواب ناپید ہیں۔ان ہی میں حضرت شاہ برہانؒ مصنف شواہد الولایت کی مزار اقدس بھی ہے۔حضرت محمد علی خاں صاحب جالوزئی کے سفر نامہ فرہ مبارک جو 28 / جمادی الثانی 1342ھ میں مرتب کیا گیا یہ لکھا گیا ہے کہ اس مزار کی شناخت نہیں ہوسکی۔ حضرت سید روشن میاں صاحب تشریف اللّٰہی اہل چن پٹن کی کتاب سے بھی اس کی رہنمائی نہیں

ہوئی مگر مقامی لوگ بتاتے ہیں کہ گنبد کے باہر کوئی 10,5 قدم کے فاصلہ پر ایک مٹی کا چھوٹا سا ٹیلہ ہے جو سید برہانؒ کی قبر ہے وہ کہتے ہیں کہ اس پر ایک بڑا کتبہ بھی تھا جسکو طالبان نے اکھاڑ لیا۔ اور اپنے ساتھ لے گئے ۔ پولیس انسپکٹر جو ہمارے ساتھ تھا اس کا کہنا ہے کہ مہدی موعودؑ کے نام کی ایک چھوٹی تختی تھی جس کو ان بدبختوں نے شہید کیا لیکن یہ ایک معجزہ سے کم نہیں کہ ایسے بے بہرہ اور بے دین ٹکڑی کے روضہ میں داخل ہونے کے باوجود نہ تو گنبد کو اور نہ مزار اقدس کو نقصان پہنچا اور ایک بڑی تختی جو دو فٹ طویل سنگ سیلو پر تحریر ہے جس میں حضورؑ کا پورا نام یعنی ’’ آ قا میر سید محمد مہدی آخرالزماں خلیفۃ الرحمٰن خاتم ولایت محمدیہ‘‘ لکھا ہے محفوظ ہے ۔ اور مزار اقدس کے سرہانے ایستادہ ہے اس کے پیچھے سورہ اخلاص کندہ ہے ۔ مزار اقدس قریب 6 فٹ طویل اور 2½ فٹ چوڑی ہے جو گچی کی بنی ہے اس کے چاروں سمت 9 انچ کی کھلی جگہ چھوڑ کر چھوٹی سی دیوار بنائی گئی ہے جو تقریباً 9 انچ اونچی ہے مزار اقدس اور اس چھوٹی دیوار کے بیچ جو 9 انچ کی جگہ ہے اس میں مٹی ہے جس کو آج کل لیپ کر سخت کر دیا گیا ہے ۔ روضہ کے اندر قریب 75 تا 100 آدمی کھڑے ہو کر درود گزران سکتے ہیں ۔ روضہ کے اندر نیچے سمنٹ کا فرش ہے اور اچھی حالت میں ہے ۔ مجموعی طور پر روضہ بھی اچھی حالت میں ہے ۔ شمال مشرق کی جانب ایک دو جگہ چھوٹی سی دراڑ ہے جو تصویر میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ روضہ کی دیواریں 4 فٹ سے زیادہ چوڑی ہیں اور قدیم پکی اینٹوں سے بنائی گئی ہیں ۔ اندر تین محراب بنے ہوئے ہیں جو شمال مشرق اور مغرب میں ہیں ۔ جنوب میں داخلہ کا دروازہ ہے اور محرابوں کا اوپری حصہ میں ایک فٹ یا 1½ فٹ کی جالی لگائی گئی ہے جو شکستہ ہے ۔ محرابوں کے اوپر گچی کی بڑی جالیاں بڑے خانوں کے ساتھ بنائی گئی ہیں جو روضہ اقدس میں روشنی اور ٹھنڈک کے کام آتی ہیں ۔ یہ جالیاں قریب '3 x '5 کی ہیں ان میں ایک جالی ٹوٹ گئی ہے اور ایک جالی کچھ شکستہ ہو گئی ہے ۔ روضہ کے اندر گچی کا بہترین گلا وا ہے جس پر ہمارے زائرین نے اپنے نام کندہ کرنے کی کوشش کی جو اس ناچیز کی سمجھ میں ایک نامناسب اور بچکانہ عمل ہے اگر روضہ کی ہم تعمیر نہیں کر سکتے تو اس کو بگاڑنے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیئے ۔ سارا دن روضہ میں گذرا ۔ بعد نماز عصر شہر فرہ کو واپس ہوئے ۔

15 اگست کو ہی معلوم ہوا کہ دلارم میں جہاں رات میں قیام کئے تھے محمود خان صاحب کا پاسپورٹ گم ہوگیا۔ پولیس میں اس کی اطلاع دی گئی۔ پولیس آفیسر نے کہا کہ پریشانی کی بات نہیں ہے وہ ایک سر ٹیفکیٹ دیں گے جس کی بناء پر انڈین ایمبیسی انہیں ایک Exit Passاجرا کرے گا۔

17-8-2005: رات شہر فرہ میں ہوٹل بلال میں گذاری۔ دوسرے دن صبح پھر مزار اقدس کے لئے روانہ ہوئے۔ اب کی بار عیسیٰ عزیز صاحب کی کوشش کی بناء پر کچھ گلاب کے پھول پتوں اور ڈالیوں کے ساتھ دستیاب ہوئے۔ پورے افغانستان میں پھول نظر نہیں آئے اور شادی بیاہ میں مصنوعی پھول استعمال کئے جاتے ہیں۔ جو بھی پھول دستیاب تھے وہ حضرت کی مزار پر پیش کئے گئے وہاں پر مزار پر گیہوں اور چاول بھی ڈالے جاتے ہیں اور درختوں کی شاخوں کو توڑ کر مزار کے قریب رکھا جاتا ہے اور ان پر منت کے طور پر کپڑے کی دھجیاں باندھی جاتی ہیں اور جس کا تعویذ بنا کر لوگ اپنے گلے میں باندھتے ہیں۔ پولیس انسپکٹر نے اپنے گلے میں ایسے ہی ایک تعویذ باندھی تھی جو ہمیں دکھلایا گیا۔ دوسرے دن کی زیارت کے ساتھ نذراللہ اور نیاز مہدی مراداللہ کی گئی۔ یہاں یہ بات بتادینا ضروری ہے کہ گذشتہ دن یعنی 16/اگست کو جناب جمعہ خان بشیری نے ہماری ضیافت کی یہ ایک یادگار دعوت تھی جس میں قریب 25افراد نے شرکت کی۔ پہلے لیمو کے شربت سے ضیافت کی پھر کچھ دیر بعد دستر بچھا جس میں انواع واقسام کی غذائیں روٹی، چاول، دال، سبزی مرغ وغیرہ پیش کی گئیں ہاتھ دستر پر دھلایا گیا کھانے کے بعد انگور پیش کئے گئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ افغانی مہمان نواز ہوتے ہیں،

نذراللہ کی نیاز میں مقامی افراد بشمول اسکول کے مدرس اور موضع مزار کے مکین اور روضہ اقدس کی صفائی اور نگرانی کرنے والے اختر خاں صاحب جمعہ خاں صاحب اور خالد صاحب اور کئی حضرات کو مدعو کیا گیا۔ ایک بکرا ذبح کیا گیا اور بریانی بنائی گئی اور خوبانی کا میٹھا بنایا گیا۔ یہ پکوان نامساعد حالات میں عزیزم سید یوسف تجمل نے بہ نفس نفیس کیا۔ ان کے ساتھ جاوید میاں اور حشمت علی خاں نے بھی پکوان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قریب عصر سے قبل طعام ختم ہوا اور

نماز کی ادئی کے بعد ہم واپس شہر فرہ آ گئے کیونکہ رات کے قیام کی اجازت اب بھی نہیں تھی۔

18-08-2005: صبح رجب کی دوسری جمعرات تھی۔ روضہ اقدس کی زیارت سے مشرف ہوئے روضہ اقدس پر تسبیح دی گئی اور روانگی کی اجازت حاصل کی اور شہر فرہ روانہ ہوئے۔ ایک طرف گمشدہ پاسپورٹ کا حصول دوسری طرف اس نا چیز کی طبیعت کی ناسازی جو Sunstroke کی وجہ سے بگڑ گئی تھی۔ محمود خاں صاحب اور مسعود میاں صاحب سب کے پاسپورٹ پولیس سے واپس لینے اور گمشدہ پاسپورٹ کی تصدیق حاصل کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور تجمل میاں اس نا چیز کے ساتھ دواخانہ گئے۔ گلوکوس چڑھایا قریب تین بجے فرہ سے روانہ ہوئے۔ یہ بس قندھار تک ہی جانے والی تھی۔ دلارم پر قیام کیا۔ دوسرے دن صبح روانہ ہوئے۔

19-08-2005: کو 12 بجے قندھار پہنچے۔ یہاں سے ایک عام بس میں روانہ ہوئے جس کا کرایہ فی کس 280 روپے تھا۔ بس کچھ دور جانے کے بعد اس کا اگلا سیدھا ٹائر پھٹ گیا لیکن کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ ٹائر تبدیل کرنے کے بعد ڈرائیور نے کہا کہ بس برابر نہیں چل رہی ہے اس لئے ایک مقام پر روک کر قندھار فون کر کے دوسری بس منگوائی۔ اسطرح سفر کرتے ہوئے قریب ½10 بجے کابل میں **سنگی کوٹی** جہاں سے بسوں کی آمد ورفت ہوتی ہے پہنچے۔ اور محمود رسٹورنٹ میں قیام کیا۔

20-08-2005: صبح 10 بجے ایرپورٹ کے لئے روانہ ہوئے اس بار جہاز لیٹ نہیں تھا۔ سامان کی اور ہماری چکنگ کے بعد جہاز پر چڑھے۔ افسوس یہ تھا کہ اپنے ایک ساتھی یعنی محمود خاں صاحب کو کابل میں چھوڑنا پڑا تا کہ وہ ایمبیسی سے مناسب کاغذات حاصل کر سکیں لیکن اللہ کی کرنی ایسی ہوئی کہ کسی افغانی نے ان کا پاسپورٹ ایمبیسی میں داخل کر دیا تھا اور ان کی شناخت اور تصدیق کے بعد وہ پاسپورٹ انہیں واپس کر دیا گیا اور وہ دوسرے روز ہوائی جہاز سے ہندوستان اور حیدرآباد واپس ہوئے

ہمارا قافلہ جب دہلی پہنچا تو رات قریش ہوٹل میں گذاری۔ قافلہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ کچھ حضرات دہلی سے ہوائی جہاز کے ذریعہ حیدرآباد آئے ۔5 حضرات حسب معمول ٹرین

سے دوسرے دن حیدرآباد پہنچے۔ جہاں پران کے استقبال کے لئے حضرت نجف میاں صاحب ایک جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ یہ ناچیز بھی ٹرین سے آنے والوں کے ساتھ تھا۔

افغانستان کے موجودہ حالات میں حسب ذیل باتوں کا علم ہونا ضروری ہے۔

(۱) ویزہ کے لئے افغانستان ایمبیسی دہلی میں درخواست دینا ہوگا جس کا پتہ

Plot No. 5, Block 50 ShantinathChanakiya Puri New Delhi-110021

افغان ایمبیسی ویزا جاری کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ یہ لوگ افغان وزارت خارجہ سے اجازت لیکر ویزا جاری کرتے ہیں اس لئے کچھ تاخیر بھی ہوسکتی ہے۔ ہندوستانی پاسپورٹ کے لئے کوئی ویزا فیس نہیں ہے۔ تفصیلات ایکسپرٹ گرافکس سے حاصل کی جاسکتی ہیں بہتر ہے کہ ایک گروپ کی شکل میں ویزا کے لئے درخواست دی جائے۔ بہرحال درخواست تو انفرادی ہوگی۔ پاسپورٹ کی زیراکس کاپی اور دو فوٹو بھی لگانا ہوگا۔ ساتھ ہی امیگریشن کی اگر ضرورت ہو تو وہ بھی حاصل کرنا ہوگا۔

(۲) افغانستان میں 4 موسم ہوتے ہیں۔ مارچ۔ اپریل۔ مئی بہترین موسم ہے۔ یہ بہار کا موسم (Spring) کہلاتا ہے۔ موسم خوشگوار ہوتا ہے اور مسافرین کے لئے اچھا ہے۔ جون جولائی اگست یہ گرما کا موسم ہے اور اسی موسم میں ہمارا سفر ہوا یہاں تپش زیادہ ہوتی ہے خصوصاً قندھار کے بعد گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ سپٹمبر اکٹوبر نومبر یہ پت جھڑ کا موسم ہے۔ اس موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور تپش بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ڈسمبر جنوری فبروری یہ موسم سرما کا ہے اس موسم میں برسات بھی ہوتی ہے، برف باری بھی ہوتی ہے اور افغانستان کے شمالی علاقوں میں 4،4 فٹ تک برف گرتی ہے لیکن فرہ کے علاقہ میں برف باری نہیں ہوتی لیکن موسم ٹھنڈا ضرور ہوتا ہے اور بارش بھی ہوتی ہے۔

(۳) افغانستان میں بنیادی سہولتیں جیسے سڑکیں، لائٹ، نل، ٹیلیفون وغیرہ کا فقدان ہے۔ اس لئے زائرین اپنے ساتھ اچھی ٹارچ لائٹ اور پانی کا ایک شیشہ ہمیشہ ساتھ رکھیں۔ کابل قندھار اور فرہ میں قیام کیلئے متوسط طبقہ کے ہوٹل مل جاتے ہیں جن میں مناسب خرچہ پر ضروری سہولتیں دستیاب ہیں لیکن خارجی (مسافرین) لوگوں کے لئے زبان کا مسئلہ اور قیمتوں

کی عدم معلومات کی بناء پر زیادہ خرچ کے امکانات ہوتے ہیں ۔ افغانی روپیہ اور ہندوستانی روپیہ میں 70 اور 100 کا فرق ہے یعنی 70 ہندوستانی روپے 100 افغانی روپیہ ہوتے ہیں لیکن بازار میں آپ ہندوستانی روپیہ دیں گے تو بعض جگہ اسے قبول کرلیا جائے گا لیکن بٹاون نہیں ملے گا یعنی ہندوستانی اور افغانی روپیہ ایک ہی قیمت کا ہوا۔ بہتر یہ ہے کہ ہندوستانی روپیہ سے ڈالر حاصل کئے جائیں اور ڈالر کو افغانی روپیہ میں تبدیل کیا جائے ۔

(۴) افغانستان میں 80 فیصد اشیاء امپورٹیڈ ملتی ہیں ۔ وہاں کی صرف کچھ زرعی پیداوار ہی دستیاب ہے ۔ حد یہ کہ مرغی ایران سے آتی ہے چاول پاکستان سے آتا ہے گیہوں افغانستان میں پیدا ہوتا ہے لیکن آٹا پاکستان سے آتا ہے۔اس لئے چیزیں مہنگی بھی ہوتی ہیں مگر خشک میوہ وغیرہ خریدنا ہو تو کسی افغانی کے ساتھ ہول سیل مارکٹ میں جانا مناسب ہے۔

(۵) جابجا پولیس چوکیاں قائم ہیں جو اکثر ہائی وے پر ہیں ۔ تباہ شدہ ملٹری وہیکلس کے ڈھانچوں میں کام کرتی ہیں ۔ یہ پولیس والے اکثر نوجوان کم عمر اور ناتجربہ کار ہوتے ہیں ۔ جب ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم ہندی مسلمان ہیں تو وہ رعایت اور محبت سے کام لیتے ہیں ۔ پاکستان اور طالبان کے سخت دشمن ہیں ۔ طالبان کی سختی ہی ان سے نفرت کا باعث ہے اور پولیس انسپکٹر نے بتایا کہ جس وقت حضورؐ کی اسم مبارک کی تختی کی بے حرمتی کی گئی اس وقت سے ہی بمباری شروع ہوئی اور طالبان نیست و نابود ہو گئے ۔

(٦) روضہ اقدس سے شمال مشرق کی جانب 50 قدم کے فاصلہ پر ایک پختہ حوض بنایا گیا ہے جو روضہ کی تعمیر کے وقت ہی تیار کیا گیا ۔ یہ حوض 20 اور 35 فٹ کے رقبہ پر قائم ہے اس کے اوپر بھی ایک گنبد ہے شمال اور جنوب میں ایک ایک حجرہ ہے جس میں مدرسہ کام کرتا ہے ۔ حوض اب خشک ہے چونکہ بورویلس آ گئے ہیں اس لئے حوض کی ضرورت نہیں اس لئے حوض کو بھر کر فرش کر دیا گیا۔ تو یہ مسجد کا کام دے سکتا ہے ۔ روضہ اقدس کے احاطہ میں دو مدرسہ چل رہے ہیں ایک ہائی اسکول اور دوسرا مڈل اسکول ۔ ہائی اسکول کی بلڈنگ نئی تعمیر کردہ ہے اور اس میں ڈرینیج وغیرہ کی سہولت بھی ہے ۔ خرقہ میں مزار اقدس میں رکنے کی اجازت دی جائے تو یہ مقام ٹھہرنے کے لئے اچھا ہے ۔ یہاں کے بورویل کا پانی میٹھا اور ٹھنڈا ہے ۔ دوسرا پرائمری اسکول

جو مزار سے بالکل قریب ہے جس کی ایک آدھ کلاس مزار کے ساتھ جو حوض ہے اس کے کمرہ میں چلتی ہے۔ کچی مٹی کی دیواروں کا بنا ہے۔ اس کی تعمیر جدید کا انتظار ہے۔

مزار اقدس اور گنبد تعمیری حیثیت سے بہت اچھی حالت میں ہیں۔ صرف اس کی تزئین جدید کی ضرورت ہے حد یہ کہ داخلی دروازہ لکڑی کا ہے وہ بھی محفوظ ہے۔ اس کی تزئین، آہک پاشی وغیرہ کے لئے دو لاکھ روپے کے صرفہ کا اندازہ ہے جس میں احاطہ کے اندر سنگ مرمر کا فرش اندر اور باہر گلا وا، اور شکستہ جالیوں جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے کی تنصیب وغیرہ شامل ہیں۔ داخلہ کے مقام پر سیدھے اور بائیں جانب دو مینار نما دیوار ہیں جن کی چوڑائی 6 فٹ سے زیادہ ہے ان میناروں کی بلندی '30 تا '35 ہے، گنبد بھی قریب اتنی ہی اونچائی کی ہے۔ اس عمارت کو قومی ورثہ کی حیثیت حاصل ہے اسے شہید کر کے نئی عمارت کی تعمیر نامناسب ہے۔

(۷) روضۂ اقدس کے اطراف قریب 16 ایکڑ کی زمین جس میں حظیرہ جس کے کوئی نشانات نہیں ہیں باغ اور کھلی زمین واقع ہے اور اس کی باونڈری کی تعمیر کا اندازہ قریب دس لاکھ روپے کا ہے۔ اگر یہ کر لیا جائے تو آئندہ کے لئے حظیرہ کی زمین محفوظ ہو جائے گی جو حضرت میراں ثانی مہدیؓ کے ذاتی صرفہ سے خریدی گئی تھی ہماری آئندہ نسلوں کے لئے ایک سوغات ہوگی۔

(۸) مسافرین کے لئے جیسا کہ آگے کہا گیا ہے مدرسہ میں قیام ممکن ہے چونکہ مقامی زائرین بھی اکثر آکر قیام کرتے ہیں۔ اس طرح دو طرح کے زائرین یعنی غیر افغانی اور افغانی حضرات کی سہولت کے لئے یہ طے کیا گیا کہ دو بڑے ہال، کچن، ٹائلٹ، باتھ روم کے ساتھ تعمیر کئے جائیں جن کا خرچہ تقریباً 10 لاکھ ہوگا۔ اس طرح 25 اور 30 لاکھ کے درمیان باؤنڈری، دیوار، مسافر خانہ، روضہ مبارک کی تزئین اور مسجد کی تعمیر کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے مقامی حضرات جناب خالد اور جمعہ خاں بشیری وغیرہ سے مدد لی جا سکتی ہے۔

(۹ سفر میں جتنا کم اور ہلکا سامان ہو اتنا ہی آرام مل سکتا ہے۔

(بشکریہ۔ ماہنامہ نورِ ولایت۔ ۲۰۰۶ء)

✿✿✿✿✿

کلماتِ متاخر

ہماری پبلشنگ کمپنی کی پہلی کتاب ''سفر نامہ فرہ مبارک (۱۹۲۳ء) ہی تھی۔ انسانی زندگی ہی ایک سفر مسلسل ہے وہ اپنی حیات تک بڑی کاوشوں اور جہاد کے ساتھ یہ سفر جاری رکھتا ہے۔ اس سفر میں کوئی نہ کوئی شغل کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ انسان کی اپنی قوت و بار برداشت کرنے کے مطابق اللہ تعالیٰ ایسا شغل بھی اس کے ساتھ دیتا ہے۔ فرہ مبارک کے اسی سفر نامہ (۱۳۴۱ ہجری۔۱۹۲۳ء) اور دیگر تصانیف ہی کی تیاری کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کمپنی نے کئی بڑے کام انجام دیئے ہیں جس کی فہرست بہت طویل ہے۔ حاجی محمد علی خاں صاحب جالوزئی کی تصنیف سفرِ فرہ مبارک کو دوبارہ شائع کرنے کا خیال ہوا جس کا ذکر میں نے ہمارے ہم پیشہ و رفیقِ خاص برادر سید نور محمد San Computer سے کیا انھوں نے ایک اور قدیم سفر نامہ فراہ مبارک موقعہ ۱۹۳۷ء اس میں شامل کرنے کے لئے دیا۔ یہی نہیں اس کتاب کی تیاری میں مشوروں سے نوازا۔ مزید یہی نہیں ہر دن اسی موضوع پر کوئی نہ کوئی نسخ شدہ مضمون کی CDs' بغیر کسی اجرأت کے دیتے رہے۔ چنانچہ اس میں تقریباً تمام مضامین ان ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ اس کے لئے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اس تاریخی دستاویز کو بلحاظِ زمانہ ترتیب دیا گیا ہے۔ آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا قومی مجموعۃ الاسفار اتنی تفصیل اور تاریخی پس منظر میں نہیں ہے۔ گو کہ اس میں تمام اسفار طبع ہو چکے ہیں، لیکن اس کا اجتماع نہیں ہوا۔ پھر جہاں کے یہ سفر ہیں اس ملک کی کوئی تحریر ایسے سفر نامہ میں نہیں۔ میں پھر اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ افغانستان اور افغانیوں کی تاریخ جو کئی قرطاسِ قومی رسائل کی زینت بن کر گم ہو گئی تھی، جس کو فراموش کر دیا گیا تھا، اس طرف پلٹ کر آنے والے افکار کو کوئی نہج نظر نہیں آرہی تھی اس کو میرے دوست نے اپنی جستجو سے دہرانے کا راستہ بتایا۔ یہاں پر ان کا اور میرا جذبہ مشترک ہے

وہ یہ کہ اس کاوش سے قوم میں بلالحاظِ تفریق محبت، اخوت، قوتِ ایمانی، اپنی تاریخ، اپنے مقام ومرتبہ سے آگہی، فکری طہارت، اسلاف کی نسبت سے اپنی شناخت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اُن تمام زائر مصنفین کے اعزّہ اور اُن تمام قومی رسائل کے مدیران کے ہم شکر گزار ہیں جن کی وجہ سے ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اگر کوئی اس مجموعہ سفر نامہ کو بزبان انگریزی شائع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ امید آپ کا تعاون اسی طرح شامل حال رہے گا۔

وحید اشرف

﴿۲۰ر شوال المکرّم ۱۴۳۲ ہجری مطابق 19ر ستمبر 2011۔ دوشنبہ﴾